

شعاعِ مہر

مُصنّفہ

عمدۃ الشُعرا پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہر

MOHAMADI.F.&.L.WORKS.BOM.10.

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

زبان کا جادو بیان کا سحر دیوانِ مہر

موسوم بہ

شعاعِ مہر

مصنّفہ

عمدۃ الشعرا ناثر الملک وفضل الشعرا جانشینِ استادِ السلطان بلبلِ ہندوستان
جہاں استاد دبیر الدولہ ناظم یار جنگ بہادر ملک الشعرا فصیح الملک عالیجناب
نواب میرزا خاں داغ دہلوی پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہر
ممبر خصوصی تنقیدی انجمنِ خاصانِ ادب لکھنؤ و آنریری میونسپل مجسٹریٹ شہر لشکر ریاست گوالیار

مصنّف
ترانۂ مہر زمزمۂ مہر نغمۂ مہر سفید جوگن نثرِ ثریا رہبرِ مضمون نگاری وغیرہ و مترجم رہنمایانِ ہند

بہ حسنِ اہتمام و انتظامِ مالا کلام
منشی علی بھائی شرف علی تاجرانِ کتب و مالکانِ مطبع محمدی بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۳
بعد اخذ حقوقِ دائمی طباعت و اشاعت

مطبع محمدی واقع بمبئی میں چھپا

MOHAMADI, F, A, LITHO WORKS BOM 10.

سندِ جانشینی حضرت داغ

خطاب عُمدۃ الشعرا

عطیۂ عالیجناب طوطیِ ہند ثانیٔ داغ نوّاب ابو المعظم میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی نبیرۂ جاگیردار لوہارو نوّاب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیرّ رخشاں و داماد فصیح الملک نوّاب میرزا خاں داغ دہلوی

اعتقادی "عمدۃ الشعرا" بابو نارائن شاد صاحب ماہر تخلص سلمہ اللہ تعالےٰ! آپ کی فنّی قابلیت اور پایۂ سخنوری کے اعتراف میں مجھے کوئی شبہہ و شک نہیں۔ ان خوبیوں کے باوجود کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ کو حضرتِ جہاں اُستاد بُلبلِ ہندوستان ناظم یار جنگ بہادر فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم کا جانشین نہ کہوں۔ اگر آپ میری حاضر کی ہوئی سند کی وقعت اور منزلت کرتے ہیں تو بسم اللہ یہ مُہری سند حاضر ہے۔ اور ساتھ ہی اسکے میری جانب سے اپنے مایۂ فخر خطاب و جانشینی کی مُبارکباد قبول فرمایئے۔ امید ہے کہ آیندہ بھی آپ اُردو زبان کی ایسی ہی پُر لُطف خدمت کر کے اپنے اُستاد مغفور کی رُوح کو شاد کرتے رہیں گے۔ مجھ سے مشورۂ سخن کرنے والے جس قدر ہیں وہ آج سے بجائے میرے آپ کو سمجھیں گے۔ فقط۔

۱۴ ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء یکشنبہ

آثم ابو المعظم سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی

سائل

حیراں ہیں مہر جلوۂ دیدار دیکھکر
تصویر بن گئے ہیں رُخِ یار دیکھکر



عمدۃ الشعرا ناثر الملک فضل الشعرا پروفیسر نارائن پرشاد
ورما آہر جانشین فصیح الملک حضرت داغ دہلوی و ممبر خصوصی و
تنقیدی انجمن خاصانِ ادب لکھنؤ دعا گوئے دولتِ سندھیا گوالیار
آنریری مجسٹریٹ میونسپلٹی لشکر

سندِ خطابِ ناثر الملک

عطیۂ عالیجناب ناخدائے سخن فصیح العصر تاج الشعرا مولوی محمد نوح صاحب نوحؔ رئیس و تعلقہ دار نارہ ضلع الہ آباد جانشین فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی نور اللہ مرقدہٗ
وخلف الرشید عالیجناب مولوی محمد عبد المجید صاحب سب جج مرحوم

بھائی مہر صاحب تسلیم۔ آپ کو سندِ خطاب عمدۃ الشعراء جانشینیٔ حضرتِ داغ دہلوی دہلی سے ملی ہے۔ میں یہہ دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اور سچے دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ شاعری کے ساتھ آپ نثر نگاری میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ میں پہلے بھی آپ کی نثر بہت پسند کر چکا ہوں۔ اب آپکا ناول "سفینۂ جوگن" میں نے پڑھنے کی طرح پڑھا۔ دیکھنے کی طرح دیکھا۔ زبان پر لحاظ کروں۔ یا خیالات کو دیکھوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے بڑی جگر کاوی کی ہے۔ اور اس کے دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے۔ زبان۔ بیان۔ محاورہ مضمون۔ پلاٹ ہر اعتبار سے یہہ ایک بے نظیر کتاب ہے۔ اور اسکی تعریف میرے امکان سے باہر ہے۔ میرے خیال میں آپ ملک کے بہترین نثاروں میں ہیں۔ لہٰذا یہہ مُہری سندِ خطابِ "ناثر الملک" حاضر ہے۔ المرقوم ۱۷ ستمبر ۱۹۱۹ء از نارہ ضلع الہ آباد۔

الراقم

محمد نوح۔ نوحؔ



سند خطابِ افضل الشعرا

عطیۂ انجمنِ نہالِ سخن بانسِ بریلی

مکرم بندہ حضرت مہر دام عنایتکم۔ آداب نیاز۔ آپکا معتدبہ کلام وقتاً فوقتاً اراکینِ انجمن نہالِ سخن کی نظر سے گزرا جس میں دہلی اور لکھنؤ کے مشاہیر شعرا شامل ہیں۔ بیشک آپ کا پایۂ سخنوری افضل ہے۔ لہٰذا یہہ ناچیز کمیٹی خطابِ "افضل الشعرا" کی یہہ مہری سند پیش کرتی ہے۔ قبول فرمائیے۔ فقط۔ المرقوم ۴ رجون سنہ ۱۹۱۸ء

راقم حکیم فصیح الزماں اثر
ایڈیٹر و سکریٹری نہالِ سخن



ممبری انجمن خاصانِ ادب لکھنؤ

(ماخوذ از اخبارِ "ہمدم" لکھنؤ ۲۵ - جنوری سنہ ۱۹۲۰ء)

"بخدمت ایڈیٹر صاحب ہمدم - جناب من - اس انجمن کی مجلس انتظامی کا ایک جلسہ بتاریخ ۲۱ - جنوری بر مکان سید محمد ابراہیم صاحب اوورسیر باغ قاضی زیر صدارت جناب مولنا محمد احمد صاحب بیخود موہانی منعقد ہوا اور مندرجہ ذیل حضرات باتفاق رائے ممبر منتخب کیے گئے۔

ممبران اعزازی - (۱) جناب محمد ابراہیم صاحب اوورسیر باغ قاضی لکھنؤ (۲) جناب مولنا سید شرف الدین صاحب مومن ٹونکی ہیڈ مولوی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ (۳) جناب کنور جمشید علی خاں صاحب رئیس اعظم و آنریری مجسٹریٹ باغپت ضلع میرٹھ (۴) جناب چودھری اعزاز علی خانصاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ باغپت ضلع میرٹھ (۵) جناب کنور مسعود علی خاں صاحب رئیس باغپت ضلع میرٹھ (۶) جناب فضل الرحمن خاں صاحب رئیس باغپت ضلع میرٹھ (۷) جناب کنور مشکور حسین خاں صاحب قیس - ریاست مینڈھو ضلع علی گڈھ (۸) جناب کنور عبدالحمید صاحب رئیس باغپت ضلع میرٹھ - (۹) جناب کنور لطافت علی خاں صاحب رئیس باغپت ضلع میرٹھ - (۱۰) جناب حافظ جلیل الرحمن خاں صاحب باغ قاضی لکھنؤ -

ممبران خصوصی - (۱) جناب مولنا سید محمد نوح صاحب شہیر مچھلی شہری رئیس و آنریری مجسٹریٹ مچھلی شہر ضلع جونپور - (۲) جناب عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا منشی نارائن پرشاد صاحب ورما مہر تخلص جانشین حضرت داغ دہلوی - گوالیار -

ممبران تنقیدی - جناب مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہان پوری سب ایڈیٹر "ہمدم" لکھنؤ (۲) جناب عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا منشی نارائن پرشاد صاحب ورما مہر تخلص جانشین حضرت داغ دہلوی -

ممبران امدادی - جناب سید محمد وجیہہ صاحب رہا سیتاپوری -

لکھنؤ باغ قاضی ۲۲ - جنوری سنہ ۱۹۲۰ء — راقم مرزا یاس عظیم آبادی سکریٹری انجمن خاصانِ ادب"

ایجوکیشن ویک گوالیار

(۲۹-اپریل تا ۵-مئی سنہ ۱۹۲۶ء)

وکٹوریہ کالج لشکر



سند درجۂ اعلیٰ

بہ صلہ و قدردانی بہترین اردو شاعری پیش کردہ بہ مہر اعلیٰ درجے کی سند عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا جانشینِ حضرتِ داغ دہلوی بابو نارائن پرشاد ورما مہر کو دی گئی۔

دستخط
راؤ صاحب ایل۔ بی۔ ٹلے۔ بی۔ اے
ممبر محکمۂ تعلیم گوالیار گورنمنٹ
پریسیڈنٹ ویک

مورخہ ۲۲ ستمبر سنہ ۱۹۲۶ء

دستخط
بی۔ ایل وجیبی بھیم پوری ایم۔ اے ایل ایل۔ بی۔ ایف۔ ای ایس۔ ودیا بھوشن۔
آرگنائزنگ سکریٹری ویک۔

سری مادھو جینتی

یعنی

سالانہ بتقریب یادگار روزِ پیدایش ہز ہائی نس مہاراجہ مادھوراؤ سندھیا
آنجہانی والیِ ریاست گوالیار



سند درجۂ اعلیٰ

بہ صلہ پیش کرنے بہترین کلام نظم و نثر یہ اعلیٰ درجے کی سند معہ ایک اوّل درجے کے سیمیں تمغے کے عمدۃ الشعرا ناثر الملک افضل الشعرا جانشینِ حضرت داغ دہلوی بابو نارائن پرشاد ورما مہر کو دی گئی۔

مورخہ ۱۸۔ نومبر ۱۹۲۶ء

دستخط
پنڈت کنہیالال رازدان ایم اے
آرگینائزنگ سکرٹری جینتی



دستخط
راؤ صاحب ایل بی ٹلے
بی۔ اے
پریسیڈنٹ جینتی

دی آل گوالیار اسٹیٹ ایجوکیشنل نمایش

دسمبر ۱۹۳۶ء

(جو بموقعہ بارھویں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس گوالیار کے متعلق کی گئی)

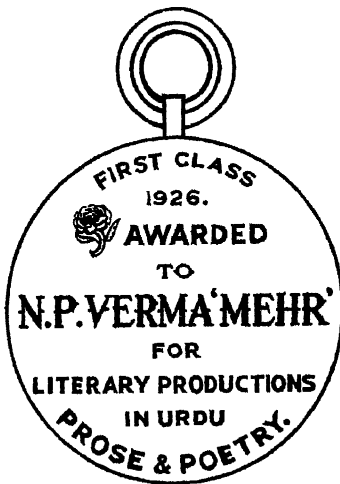
انعام درجۂ اوّل

دیوانِ "شعاعِ مہر" پر مصنّفِ دیوان عُمدۃ الشُّعَرا
ناثر المُلک افضل الشُّعَرا جانشین فصیح المُلک حضرت داغ دہلوی
منشی نارائن پرشاد ورما مہر لکھنوی۔ دانا اولی لشکر
کو دیا گیا

دستخط	دستخط	دستخط
راؤ بہادر۔ ایل۔ بی۔ ٹلے	کنہیا لال ایم اے	بدری نارائن ایم اے
پریسیڈنٹ	چیرمین	سکریٹری

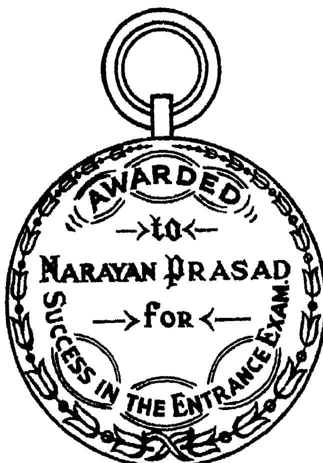
لشکر۔ ۳۱۔ دسمبر ۱۹۳۶ء

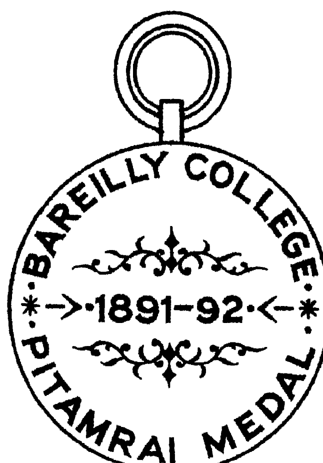
GWALIOR GOVERNMENT MEDAL.





COLLEGE MEDAL.





خطوطِ مبارکباد

(از چند مشاہیر شعرائے گرامی)

جناب منشی عبد المجید صاحب اثر ل اسسٹنٹ چیف انجنیر انہار لاہور تلمیذ خاص حضرت داغ دہلوی

(۱) بھائی جان۔ آداب عرض کرتا ہوں۔ رات حضرت جامی سے پتا چلا کہ آپ کو حضرت سائل دہلوی مدظلہ نے سند جانشینی حضرت داغ دہلوی و خطاب عمدۃ الشعرا عطا کی ہے۔ لہذا تہِ دل سے مبارکباد عرض کرتا ہوں۔ دل بہت خوش ہوا۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۱۹ء

(۲) بھائی صاحب تسلیم۔ یہ پڑھکر کہ آپ کو اور بھی خطابات ملے ہیں دل بہت خوش ہوا۔ خدا مبارک کرے۔ لاہور ۲۳ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب ناخدائے سخن تاج الشعرا مولوی محمد نوح صاحب نوح ناروی جانشین حضرت داغ دہلوی

بھائی قمر صاحب آداب نیاز۔ آپکی جانشینی حضرت داغ دہلوی کی سند کی نقل میں نے "آفتاب" لاہور میں دیکھی۔ خدا مبارک کرے میں سچے دل سے آپکی اس کامیابی پر آپکو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس خطاب کی وقعت آپکے دل میں شاید کچھ بھی نہو لیکن میں اسے بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔ از نارہ ضلع الہ آباد ۲۵ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب چودھری بھگوت سہائے صاحب رئیس و زمیندار گڈھی مرگانواں ضلع فرخ آباد

جناب قبلہ ام۔ آداب۔ دہلی سے مجھے یہ معلوم ہوکر کہ جناب کو سند جانشینی فصیح الملک حضرت داغ دہلوی اور خطاب عمدۃ الشعرا ملے ہیں از حد خوشی حاصل ہوئی۔ میں انکے لئے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ قبول فرمائیے۔ از گڈھی مرگانواں ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب مولوی اے ایم عبد الباسط صاحب برق ایڈیٹر "پیکرِ خیال" و "اخبار المسلم" بنگلور

بعالی خدمت عالیجناب معلی القاب عمدۃ الشعرا ناثر الملک و فضل الشعرا حضرت قمر دام اقبالہ جانشین حضرت داغ دہلوی تسلیم بصد تعظیم۔ مزاج وہاج۔ کل شب کو انجمن ترقی اردو متعلقہ دفتر پیکرِ خیال کے ممبران نے ایک غیر معمولی جلسہ کرکے یہ رزولیوشن پاس کیا ہے کہ جناب والا کو خطابات عمدۃ الشعرا و جانشین حضرت داغ دہلوی کی جو مُہری دستخطی سند دہلی سے عطا ہوئی ہے اُسکے متعلق اظہارِ مسرت و شکریہ کا مضمون جناب والا کے فوٹو کے ساتھ "پیکرِ خیال" میں شایع کیا جائے۔ لہذا گزارش ہے کہ جہانتک جلد ممکن ہو آپ اپنا فوٹو عنایت فرما کر رہین منت فرمائیں۔۔

از مسلم پریس کنٹمنٹ بنگلور ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب حاجی حافظ سید علی احسن صاحب احسن رئیس مارہرہ ضلع ایٹہ خاص تلمیذ حضرت داغ دہلوی

برادرم سراپا مہر و کرم زاد لطفکم۔ تسلیم۔ میں "آفتاب" لاہور کے مضامین اکثر پڑھتا رہتا ہوں۔ اُس میں آپ کے

خطابات کی سند نظر سے گزر کر بیحد مسرت ہوئی۔ آپکے عمدۃ الشعرا ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اور صحیح طور پر حضرت داغ دہلوی غفرلہٗ کی جانشینی کے استحقاق میں آپ کسی سے کم نہیں۔ اللہ مبارک کرے۔ والتسلیم۔ از مارہرہ ۲۷ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب حکیم مولوی فصیح الزماں صاحب آثر مرادآبادی ایڈیٹر نہالِ سخن بریلی

مکرم و محترم حضرت قمر دام نوازشکم۔ بعد آداب و نیاز التماس ہے کہ حضرت سائل دہلوی نے آپ کو جو سند خطابات عمدۃ الشعرا و جانشین حضرت داغ دہلوی عطا فرمائی ہے اُسکو دیکھ کر اس ہمخیالی سے حضرت موصوف کی ممنونی اور کمال مسرت ہوئی کہ انجمن "نہالِ سخن" کی تائید فرمائی اور اُسکا پسندیدہ خطاب "افضل الشعرا الضعیف" نہ رہا۔ خدا آپکو مبارک کرے۔

از بانس بریلی ۲۰ ستمبر ۱۹۱۹ء

جناب ناظم الملک مولوی سید معشوق حسین صاحب اطہر ہاپوڑی وکیل و حال منصف جے پور

مکرم بندہ حضرت قمر تسلیم۔ مجھے اس سے بہت ہی مسرت ہوئی کہ آپ کو عمدۃ الشعرا و جانشین حضرت داغ دہلوی مغفور کے خطابات خاص دارالسلطنت دہلی سے ملے۔ خدا مبارک کرے۔ جے پور ریاست ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء

جناب منشی محبوب لال صاحب رعد خاص تلمیذ حضرت داغ دہلوی و صاحب دیوان داغ سخن آنریری مجسٹریٹ بھنڈ

میرے مکرم بھائی قمر صاحب ادلطفہٗ۔ آداب نیاز۔ آپ کو جو خطابات عمدۃ الشعرا و جانشین حضرت داغ دہلوی ملے ہیں اُنکو پڑھکر میں نہایت محظوظ ہوا۔ آپکو ان خطابات پر تہِ دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ آپکی خداداد قابلیت آپکو اس سے بھی زیادہ مستحق بناتی ہے۔ مجھے نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ اور اس امر کا افتخار ہے کہ میرے ایک کرمفرما اُستاد بھائی کے ایسے اعزاز بڑھائے گئے۔ از مقام بھنڈ ریاست گوالیار ۱۸ جنوری ۱۹۲۰ء۔

جناب بیگم صاحبہ حجاب شاہجہانپوری ارشد تلمیذہ حضرت جلال لکھنوی مرحوم۔

عزیزی قمر صاحب السلام علیکم۔ مزاج شریف۔ سچ تو یہ ہے کہ ۶ برس بعد مدت کے تمھیں یاد ہماری آئی "مارگزیدگی کے بعد دراصل یہ میری دوسری زندگی ہے۔ پہلی زندگی میں جو چیز (فوٹوے قمر) مانگی تھی وہ دوسری حیات میں ملی میں اس عنایت کی نہایت شکرگزار ہوں۔ ہاں جناب عمدۃ الشعرا ناثر الملک جانشین داغ صاحب یہ خطاب پایا پر مٹھائی کہاں ہے؟ اللہ مبارک کرے۔ زیادہ والسلام از شاہجہاں پور ۱۰ فروری ۱۹۲۰ء

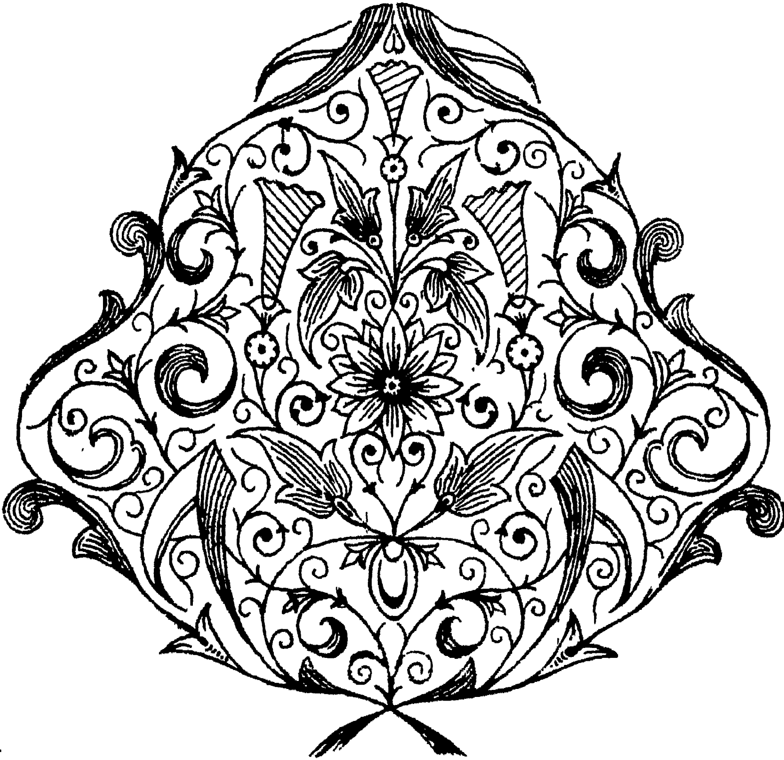
جناب سلطان الشعرا حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دبیر یادگار حضرت ظہیر دہلوی

شفیق مکرم زاد لطفہٗ۔ آداب عرض۔ میرے اُستاد زادے سید اشتیاق حسین دہلوی بہ تقریب عرس پیران کلیر رُڑکی تشریف لائے تھے۔ اُنھوں نے نہایت مسرت سے فرمایا کہ "میرے سامنے حضرت اعلی المعظم نواب سراج الدین احمد خانصاحب

سائل دہلوی نے جنابِ قمر کو اپنی دستخطی مُہری سندِ جانشینی جنابِ قبلہ داغ مرحوم مرحمت فرمائی ہے"۔ اِس پر مجھے بے انتہا مسرت ہوئی۔ اور میں نے فوراً مولوی عبدالباسط صاحب کو لکھدیا کہ آئندہ سے جنابِ قمر کے نامِ نامی کے ساتھ جانشینِ حضرتِ داغ ضرور لکھدیا کیجئے۔ فقط۔ از رُڑکی ۱۰۔ اگست ۱۹۲۰ء

جناب سید تصدق حسین صاحب قرار شاہجہانپوری خاص تلمیذ حضرت امیر مینائی لکھنوی

مُحبِ کرم گستر حضرتِ قمر زاد عنایتہٗ تسلیم و نیاز۔ آپ کو دہلی سے جانشینی حضرت داغ دہلوی اور خطابِ عُمدۃ الشُعرا کی سندِ ملی۔ اِسپر میں تہِ دل سے مُبارکباد دیتا ہُوں۔ قبُول فرمائیے۔ میرا آپکا ہندوستان کے بیشتر عظیم الشان مشاعروں میں ساتھ ہُوا ہے۔ اسلئے آپ کے کلام سُننے کا اکثر اتفاق ہُوا ہے۔ نیز میری فرمایش پر جو محاورات آپ نے میرے قرار اللغات طبع ثانی کے لئے رنگِ تغزل میں نظم فرماکر عنایت فرمائے ہیں اُنسے بھی میرزا داغ کا رنگ ٹپکتا ہے۔ بیشک آپ حضرتِ داغ مغفور کے سچّے اور صحیح جانشین ہیں۔ از مُسلم ہوٹل مین آباد لکھنؤ۔ ۱۱ اپریل ۱۹۲۲ء



[1] مدیر اخبار "المُسلم" و رسالہ "پیکرِ خیال" "مسلم پریس" بنگلور ملک میسور



نتیجۂ خامۂ سحر کار بدیع نگار نثار یگانہ ناظم فرزانہ منبع فہم و ذکا فسانہ نگار یکتا صاحب جوہر طبع وقاد مولوی سید احمد شاد کاکوروی تلمیذ رشید حضرت امیر مینائی لکھنوی

خدا کا شکر کیونکر ادا ہو۔ اُس نے ہمیں مختلف قوتیں عطا کیں۔ اُن میں چند ایسی ہیں جن سے ہم اشرف المخلوقات کہلائے۔ اِدراک سے ہم نئی نئی چیزیں دریافت کرتے ہیں۔ طرح طرح کے ایجاد عجیب و غریب تحقیقاتیں کرتے ہیں۔ اور عُلوم و فُنون کے مُوجد بنتے ہیں۔ احساس سے واردات اور واقعات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور نُطق سے معلومات خیالات۔ تاثرات۔ اور جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

شعر کی تعریف غم۔ خوشی۔ حیرت۔ تعجب۔ یا اور کوئی قوی جذبہ ہم پر طاری ہوتا ہے تو اُس کے بیساختہ۔ موثر بیان کو شعر کہتے ہیں۔ یا جذبات جو الفاظ سے ادا کئے جاتے ہیں شعر ہیں۔ اور چونکہ یہہ الفاظ سُننے اور پڑھنے والوں پر بھی وُہی اثر ڈالتے ہیں جو صاحبِ جذبہ پر طاری ہوتا ہے اِس لئے جو کلام انسانی جذبات کو جوش میں لائے یا اُن میں تحریک پیدا کرے شعر ہے۔ مگر اہلِ فن نے شعر کے لئے جذبات کے بیان کرنے میں قصد اور وزن کی قید بھی لگائی ہے۔

خُصوصیاتِ شاعری موسیقی۔ مصوری۔ واقعہ نگاری۔ اور خطابت میں بھی انسانی جذبات کو اُبھارنے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ پھر بھی اِنکے اور شاعری کے مُحرکات میں بڑا فرق ہے۔ نغمے سے متاثر ہونے کے لئے قوتِ سامعہ اور تصویر سے اثر پذیر ہونے کو قوتِ باصرہ کی ضُرورت ہے۔ مگر شاعری کسی شئے کے پیشِ نظر نہ ہونے پر بھی اُسکے بیان ہی سے جملہ حواسِ خمسہ کو محظوظ کرتی ہے۔ کسی کی نیند بھری آنکھوں کو جو نگاہ ہونکے ڈورو

نہوں شاعر نرگسِ نیمخواب سے تعبیر کرتا ہے تو اُنکا موثر منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ واقعہ نگاری زندگی کی تصویر اور خارجی واقعات تک محدود رہتی ہے۔ مگر جہاں سے اُس میں اندرونی جذبات اور احساسات شروع ہو جاتے ہیں شاعری اپنا رنگ جمالیتی ہے خطیب سامعین کے مذاق اور میلانِ طبع کے موافق اپنی تقریر کا پیرایہ اختیار کرتا ہے۔ لیکن شاعر کو دُوسروں کے خیالات اور معتقدات سے کچھ بحث نہیں ہوتی اسکے دل پر جو جذبات طاری ہوتے ہیں یہ اُنھیں کو بے اختیار موثر اور موزوں الفاظ میں بیان کرتا ہے اور جو انکو سُنتا ہے تڑپ جاتا ہے۔ پس اصلی شاعر وُہی ہے جسکو سامعین سے کچھ غرض نہو۔

عناصرِ شاعری | شاعری کے اصلی عنصر مُحاکات اور تخیل ہیں۔ مُحاکات کسی چیز۔ کسی واقعہ۔ یا کسی حال کا الفاظ میں اس طرح ادا کرنا ہے کہ اُسکی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ تصویر اور مُحاکات میں یہ فرق ہے کہ تصویر مادی اشیا کے علاوہ کبھی بعض حالات اور جذبات کی بھی ہوتی ہے۔ تاہم سیکڑوں گوناگوں واقعات۔ حالات۔ اور واردات ایسے بھی ہیں جو تصویر کی دسترس سے باہر ہیں۔ مگر مُحاکات اُنکا بھی فوٹو اُتار دیتی ہے۔ مصور جب تک کسی شے کے ایک ایک جزو کی تصویر نہ کھینچے تصویر مکمل نہیں ہوتی۔ لیکن شاعرانہ مُحاکات صرف اُنھیں جزدوں کو لیتی اور نمایاں کرتی ہے جن سے ہمارے جذبات پر اثر پڑے باقی کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

مُحاکات کی تکمیل کے لئے موزوں کلام میں پہلے وزن کا تناسُب شرط ہے۔ درد۔ غم۔ رنج۔ خوشی۔ غیظ و غضب۔ جوش۔ اشتعال۔ وغیرہ کے اظہار کے لئے جس جذبے کی مُحاکات ہو شعر کا وزن بھی اُسی کے مناسب ہونا چاہئے۔ جیسے۔ رزم کے بیان کے لئے بحرِ متقارب موزوں ہے۔ دُوسرے مُحاکات اصل کے مطابق ہونی چاہئے تیسرے جزئیات کا استقصا اس طرح کیا جائے کہ پُوری شے کی تصویر نظر کے سامنے آجائے۔ چوتھے اُسکے الفاظ اُسکی خصوصیت پر دلالت کرتے ہوں۔ جب کسی مُلک۔ کسی قوم۔ کسی مرد۔ کسی عورت۔ یا کسی بچے کی کیفیت بیان کی جائے تو اُسکی تمام خصوصیات کا لحاظ رکھا جائے۔ پانچویں عالمِ کائنات کی ہر قسم کی چیزوں کا مطالعہ کیا جائے۔ چھٹے مُحاکات میں بیحد فرقِ مراتب ہوتا ہے۔ اور اسی فرقِ مراتب سے شاعری کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا ہے۔ اس لئے اوّل اسے محسوسات کے ذریعے سے ذہن نشین کیا جائے۔ ساتویں بعض جگہ صرف جزئیات ہی کو ادا کیا جائے۔ مگر اس میں بہت احتیاط لازم ہے کیونکہ ایسے موقعوں پر سخت غلطیاں ہوتی ہیں اور اشعار پیچیدہ و ناقابلِ فہم ہوجاتے ہیں۔ مضمون کے بعض حصّے اِس خیال سے چھوڑ دئے جاتے ہیں کہ گرد وپیش کا مصالحہ اُس خلو کو بھر دے گا۔ مگر وہ نہیں

بھرتا۔ اور اشعار مُہمل ہو جاتے ہیں۔ جو نادا قفانِ فن ایسے غلو کا نام بلاغت یا گہری تخئیل۔ یا جذباتِ عالیہ رکھتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں بعض اوقات دو مختلف پہلو دکھانے یا ضدین کے بیان کرنے سے بھی مُحاکات کی تکمیل ہوتی ہے۔ تشبیہ بھی مُحاکات کا ایک بڑا آلہ ہے۔ کسی چیز کی اصلی تصویر جس طرح تشبیہ سے کھینچی جاتی ہے دُوسری طرح دکھائی نہیں جاسکتی۔ اور بعض جگہ یہہ بات بھی مُحاکات کے موثر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تصویر ایسی دھندلی کھینچی جائے کہ اُس کے اکثر حصّے نظر نہ آئیں اور اکثر نمایاں رہیں۔

تخئیل محض خیالی اور سیمیاوی صورتوں ہی کا نام نہیں ہے جو جذبات کے طاری ہوتے وقت نظر آتی ہیں۔ تخئیل نے اکثر وہ راز بھی کھولے ہیں جو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نظروں سے بھی مخفی تھے۔ مُحاکات اور تخئیل دونوں شاعری کے عُنصر ہیں۔ تاہم شاعرانہ مُحاکات کی جان تخئیل ہی ہے۔ فنِ شعر کی اصطلاح میں تخئیل اور قوتِ اختراع مترادف ہیں۔ مُحاکات جو دیکھی یا سُنی ہوئی چیزوں کو الفاظ کے ذریعے سے ادا کرتی ہے اُن میں خاص ترتیب کا پیدا کرنا تناسب اور توافق کو کام میں لانا۔ اور اُن پر آب و رنگ چڑھانا قوتِ تخئیل ہی کا کام ہے۔ شاعر کی نظر میں عالم کائنات تخئیل کی قوت سے ایک اور ہی عالم بن جاتا ہے۔ اور اس عالم میں شاعر کی تاریخِ زندگی عجیب دلچسپیوں سے بھری ہوتی ہے۔

تخئیل کے استدلال کا طریقہ عام استدلال سے الگ ہوتا ہے۔ یہہ طریقہ گو ایک قسم کا منطقی مغالطہ ہوتا ہے۔ یا خطابیات پر مبنی ہوتا ہے۔ تاہم تخئیل کے عالم میں شاعر اسکو اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ سامع اُسکی صحت و غلطی کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اُسکی دلفریبی سے مسحور ہو کر بیساختہ آمنّا وصدّقنا کہہ اُٹھتا ہے۔ مگر اس کے یہہ معنی ہرگز نہیں کہ تخئیل کی بے اعتدالی یا خیال کے بیان کی غلطی کو تخئیل کی بلندی یا خیال کا حُسن قرار دیا جائے۔ یا لغو اور بیہودہ گوئی کو حُسنِ کلام سمجھا جائے۔ آجکل کے اکثر مُتشاعر صحتِ خیال اور صفائی بیان سے مطلق غرض نہیں رکھتے۔ اور بیشتر بے اُصول نکتہ آفرینیاں کر کے تخئیل کا بیجا طور سے استعمال کرتے ہیں۔ جو مضمون غلطیِ بیان کے باعث سمجھ میں نہ آئے اُسکا نام گہری تخئیل رکھتے ہیں۔ اور جس قدر بعید الفہم یا مُہمل شعر ہو اُسکو اُسی قدر اعلیٰ درجے کا بلند اور مستحسن خیال کرتے ہیں۔ یہہ اُنکی سخت غلطی اور نادانی ہے۔ تخئیل بروزنِ تفعیل کسی کو کسی بات کا خیال دلانا ہے نہ کہ بے معنی بات کہنا۔

محسّناتِ شاعری | مُحاکات اور تخئیل شاعری کے اعلیٰ عُنصر تو ضرور ہیں۔ پھر بھی شعر کہنے میں جب تک کُل محاسنِ

شاعری کو مدّ نظر نہ رکھا جائے شعر شعر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ایک منظوم گورکھ دھندا ہوتا ہے۔ جن محسّنات اور خوبیوں سے شعر میں لطافت۔ دلآویزی۔ اور دلنشینی پیدا ہوتی ہے وہ تشبیہ و استعارہ۔ جدّت و لطفِ ادا۔ حُسنِ الفاظ۔ سلاست۔ فصاحت۔ بلاغت۔ سادگی جملوں کے اجزا کی ترکیب و ترتیب۔ مبالغہ۔ واقعیت۔ اور تاثیر ہیں:-

تشبیہ و استعارہ تشبیہ و استعارہ شاعری ہی نہیں عام زباں آوری کے خط و خال ہیں۔ اِنکے بغیر انشاپردازی کا حُسن و جمال ظاہر نہیں ہوسکتا۔ تشبیہ و استعارہ سے کلام میں جو وُسعت اور زور پیدا ہو جاتا ہے وہ کسی اور صورت سے پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کہنا کہ "اُسکے ہونٹھ نازک ہیں" ایک معمولی بات ہے۔ اس کو اِس طرح کہا جائے کہ "اُسکے لب گلاب کی پتیوں کی طرح نازک ہیں" تو پہلے بیان کے مقابلے میں کلام میں کچھ زور بڑھ جائے گا۔ اور اسی کو یوں کہدیا جائے کہ "اُسکے ہونٹھ گلاب کی پتیاں ہیں" تو یہ لطیف استعارہ بیان کو بہت ہی بلند کردے گا۔ لیکن اکثر حضرات کی طرح تشبیہ و استعارہ کو رنگِ شاعری قرار دینا۔ یا اُنکے استعمال کو بے اعتدالی سے تکلّف کے درجے تک پہونچانا سخت معیُوب ہے۔

جدّت و لُطفِ ادا شاعری کے لئے جدّت و لطفِ ادا سب سے زیادہ مقدم چیز ہے۔ بلکہ اہلِ فن کے نزدیک جدّتِ ادا ہی کا نام شاعری ہے۔ کسی بات کو جدید انداز اور نئے اسلوب سے لطیف پیرایے میں بیان کرنا شاعری ہے۔ جیسے

مہرؔ ان بُتوں کا جو مجھے شیوۂ بیداد آئے | یوں انھیں میں بھی ستاؤں کہ خدا یاد آئے

معشوق عاشقوں پر اس طرح ظلم کرتے ہیں کہ عشّاق اُسکے سہنے کی تاب نہیں لاسکتے اور معشوقوں کو اپنی اِس بیحد آزار دہی کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اِس مضمون کو اس شعر میں یوں بیان کیا ہے کہ عاشق معشوق پر گو ظلم کرنا پسند نہیں کرسکتے پھر بھی اگر مجھے اِن معشوقوں کا طریقِ ستمگری آجائے تو میں بھی اِنکو اتنا ستاؤں کہ یہ اپنے ظلم کی تکلیف معلوم کرکے بیداد کرنی چھوڑ دیں۔ اِس طرزِ بیاں میں معشوقوں کو اپنے مظالم کی تکلیف کا احساس ہونے کی غرض سے خلاف وضعِ عُشّاق عمل کرنے کی تمنا ایک نہایت لُطف انگیز نُدرت ہے۔

حُسنِ الفاظ سُخنوروں کے دو گروہ ہیں۔ ایک لفظ کو ترجیح دیتا ہے۔ دُوسرا مضمون کی دُھن میں زبان اور بیان کی پروا نہیں کرتا۔ مگر زیادہ تر اہلِ فن کا یہی مذہب ہے کہ لفظ کو مضمون پر ترجیح ہے۔ مضمون تو کچھ نہ کچھ سبھی پیدا کرسکتے ہیں لیکن شاعری کا معیارِ کمال یہی ہے کہ مضمون کن لفظوں میں اور کس طرح ادا کیا گیا ہے۔ شاعری اور انشاپردازی کا مدار زیادہ تر خوبیِ الفاظ پر ہی ہے۔ بعض مشہور شُعرا کی نسبت جو کہا جاتا ہے کہ اُنکے کلام میں خامی ہے تو یہ اسی بنا پر کہا جاتا

ہے کہ اُنکے یہاں الفاظ کی خوبی شستگی۔ اور بندش کی دُرستی میں کمی ہے۔

الفاظ متعدد اقسام کے ہوتے ہیں۔ اور مختلف اثرات رکھتے ہیں۔ بعض نازک۔ لطیف۔ شُستہ۔ صاف۔ رواں۔ اور شیریں۔ بعض پُرشوکت متین۔ بلند۔ اور دقیق ہوتے ہیں۔ عشق و محبت کے جذبات و مضامین ادا کرنے کے لئے پہلی قسم کے الفاظ موزوں ہیں۔ عشق و محبت انسان کے نازک اور لطیف جذبات ہیں۔ اِنکے ادا کرنے کے لئے لفظ بھی اسی قسم کے ہونے چاہئیں۔ اِس لئے غزل کی شاعری میں تو اہلِ زباں کا روزمرّہ۔ کان میں رچے ہُوئے الفاظ۔ دلنشین محاورے۔ اور پسندیدہ ترکیبیں ہی استعمال کرنی مناسب ہیں۔ آجکل اکثر حضرات عربی فارسی کے مُغلق الفاظ۔ ناہموار ترکیبیں۔ غیر مانوس بندشوں سے اپنی غزل کا حُسن خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اِس طرزِ ادا کا نام جذباتِ عالیہ رکھتے ہیں۔ اور اِس شاعری کو اعلیٰ طبقے کی جدید شاعری کہتے ہیں۔ اِسکے برخلاف فصیح اور شُستہ اُردو میں ادا کئے ہُوئے لطیف مضامین اور نازک جذبات کو سامنے کے مضمون اور شوقیانہ شاعری تصور کرتے ہیں لیکن یہ اُنکی ناواقفیت اور بدمذاقی ہے۔

سلاست | ترکیبِ الفاظ کی صفائی۔ ہمواری۔ اور روانی کا نام سلاست ہے جو علمِ نحو کی کامل واقفیت اور اُس میں اعلیٰ درجے کی مشاقی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ جو الفاظ کلام میں ایک ساتھ آئیں وہ سب کے سب مِل جُلکر ایک ہی جسم کے اعضا بن جائیں۔ یہی وصف شعر میں ترنُّم پیدا کر دیتا ہے اور شاعری موسیقی بن کر بیحد اثر کرتی ہے۔

فصاحت | فصاحت کے لُغوی معنی خوشگوئی کے ہیں۔ اِصطلاحِ علمِ مَعانی میں مشکل و ثقیل الفاظ اور غیر مانوس، ترکیبوں سے کلام کا پاک اور خالی ہونا ہے۔ اور اہلِ فن نے فصاحت کی تعریف منطقی طور پر جنس و فصل سے کی ہے۔ بہرحال فصیح کلام لفظی معنوی۔ اور ترکیبی عیوب سے پاک ہونا چاہئے اُس میں تنافر۔ ثقال۔ توالیِ اضافات۔ حروف مُشدّد الآخر بغیر عطف و اضافت ضُعفِ تالیف۔ غرابت۔ اور مخالفتِ قیاس نہوں۔ اِخلال۔ تکلف۔ تکرار۔ تخلیع۔ تضمین۔ ابتذال۔ تعقیدِ نہ آئیں۔ حشو۔ تناقُض۔ صفاتِ خلافِ واقعہ۔ تقدیم و تاخیر۔ تعقید۔ سرقہ اور عُدول از جادۂ صواب نہ آنے پائیں۔ اسی طرح شُتر گربہ۔ بے تکے پن۔ حروف کے گرنے دینے۔ اِعلانِ نُون بعدِ الف۔ تخفیفِ حروف۔ تبدیلِ ہئیتِ الفاظ۔ قربِ حروفِ ہمجنس۔ حروفِ زائد۔ الفاظِ غیر مانوس۔ اُردو میں استعمالِ مصادرِ فارسی۔ اور پہلُوے ذم سے بچا جائے۔ تبادلہ۔ اختصارِ لفظ۔ اضافۂ الفاظ۔ غلط صیغۂ جمع۔ الفاظِ بیموقع۔ محاورۂ مذموم۔ توابعاتِ مُہمل۔ قوافیِ ہائے ہوز و الف۔ اضافتِ فارسی و ہندی

الفاظ۔ اعلانِ آخر نون بہ صورت عطف و اضافت۔ الفاظِ غیر مرکب سے پرہیز کیا جائے۔ اور تقابُل ردیفین و قافتین۔ تعقیبِ غیر جائز۔ عربی فارسی الفاظ کے آخر حروفِ علّت کے گرنے دینے۔ ہندی الفاظ میں اصلی الفِ آخر کا سُقوط۔ غلط الفاظ۔ قافیۂ معروف و مجہول۔ حذف روابط۔ فصلِ توابع۔ متروکات۔ ہندی جمع کے علاوہ ہندی الفاظ کے آخر الف دنون کے گرنے دینے۔ شعر میں مصرعین کے حروفِ آخر کے ہم قافیہ ہونے سے اجتناب کیا جائے۔

بلاغت | حسبِ موقعہ گفتگو کرنا بلاغت ہے۔ جیسا موقعہ ہو ویسی ہی عبارت ہو جسکے لفظوں سے اصل مطلب بے کم و کاست ادا ہو سکے۔ اس لئے انتہائے فصاحت بلاغت ہے۔ بعض کے نزدیک علمِ معانی۔ علمِ بیان۔ اور علمِ بدیع کا نام بلاغت ہے۔ مگر دُور از قیاس مضمون کو بلیغ کہنا جہالت ہے۔

سادگی | سادگی سے یہ مراد ہے کہ جو مضمون شعر میں ادا کیا جائے وہ بلا تکلف سمجھ میں آجائے۔ اس کے لئے جملوں کی اصلی نحوی ترتیب قائم رکھی جائے یعنی بحر و قافیہ کی ضرورت سے اجزائے کلام اپنی مقررہ جگہوں سے زیادہ نہ ہٹنے پائیں۔ اجزائے مضمون کا کوئی ضروری جزو نہ چھوڑ دیا جائے جسکی وجہ سے خلُورہ جائے۔ اہلِ زبان کے روزمرّے کا پُورا خیال رکھا جائے۔ وہ کلام سادہ ہے جسے عام و خاص دونوں بلا تکلف سمجھ سکیں عوام شعر کا ظاہری اور سرسری مطلب سمجھ لیں تو خواص کی نظر میں اُسکے لطائف۔ دقایق اور نکات بھی آجائیں۔ سادگی کلام کی بہت بڑی خوبی ہے۔

جملوں کے اجزا کی ترکیب و ترتیب | یہ شعر کی خوبی کا بڑا ضروری جزو ہے۔ ہر زبان میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کی ایک علیحدہ خاص ترتیب ہوتی ہے۔ اُسی ترتیب سے اجزا کلام میں آتے ہیں تو مضمون میں تنجلک پیدا نہیں ہوتی اور مطلب بے تکلف سمجھ میں آجاتا ہے۔ جب یہ اجزا اپنی اصلی جگہوں سے بہت زیادہ ہٹ جاتے ہیں تو معانی میں پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شعر میں وزن۔ بحر۔ اور قافیہ کی ضرورت سے اصلی نحوی ترکیب قائم نہیں رہ سکتی۔ پھر بھی شاعر کو کوشش کرنی چاہئے کہ جہانتک ممکن ہو سکے کل کے سارے جزوں کو اپنی اپنی جگہ قائم رکھے۔ جس قدر یہ وصف شاعر کے کلام میں زیادہ ہوگا اُسی قدر سلاست اور روانی پیدا ہو کر شعر کی تاثیر کو بڑھائیگی

مُبالغہ | بعض آئمۂ فن نے کذب اور مبالغے کو شاعری کا حُسن قرار دیا ہے لیکن زیادہ تر اہلِ سخن اس کے خلاف ہیں۔ مبالغے میں کوئی لطف پیدا ہوتا ہے۔ تو تخیّل ہی کی بنا پر ہوتا ہے لیکن نہ صرف اس لئے کہ وہ جھوٹ ہے بعض مبالغوں میں تخیّل کے عوض کوئی اور بھی حُسن ہوتا ہے۔

واقعیت | کلام میں واقعیت بھی ایسی ضروری چیز ہے کہ بلاغت کے بہت سے اسالیب میں صرف اسی کی وجہ سے حُسن اور اثر پیدا ہوتا ہے تخئیل کے لئے بظاہر واقعیت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی لیکن حقیقت میں تخئیل بھی اُسی وقت پُرلطف اور پُراثر ہوتی ہے جب اُسکی تہ میں اصلیت ہوتی ہے۔ ورنہ وہ مضمون خیالی طوطا مینا بنانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

تاثیر | مُحاکات لطیف تخئیل۔ الفاظ کی شُستگی۔ بندش کی چُستی۔ ترکیب کی دُرستی مضمون کی دلنشینی۔ جدّت اور لُطفِ ادا۔ بچوں کے پیار۔ ماں کی ماتا۔ محبت کے جوش حُسن کے نظّارے عشق کے راز و نیاز غم کے ہنگامے۔ موت کے رنج۔ ولادت کی خوشی۔ بہادُری کے کارنامے۔ سلاست۔ ہم آہنگی اور موسیقیت سے شعر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ اور ان سب پر طرزِ ادا میں تیکھا پن اُسکے جذب کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ مصرع۔

"پھر بھی تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا"

شاعری کا مصرف | شاعری ایک ذوقی اور جذباتی چیز ہے۔ اور عالم احساسات میں اگر کوئی سب سے ممتاز کار فرما ہے تو یہی ہے عملی دُنیا کا اصلی فلسفہ خود غرضی ہے۔ والدین کی اطاعت۔ اولاد کی غور و پرداخت۔ دُوسروں کے ساتھ سُلوک کا برتاؤ۔ یہ جملہ اُمور معاوضے کے اُصول پر مبنی ہیں۔ اِس فلسفے سے عمل کی قوت تو بڑھ جاتی ہے۔ تجارت کو ترقی۔ کاروبار میں وسعت۔ دولت کی بُہتات ہو جاتی ہے مگر ساتھ ہی لطیف جذبات اور نازک احساسات فنا ہو جاتے ہیں۔ دل مُردہ ہو جاتا ہے انسانی زندگی حیوانی زندگی بن جاتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی چہل پہل۔ رنگینی اور دلآویزی کچھ سائنس اور فلسفہ کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ انسانی جذبات کی بدولت ہے جس وقت خود غرضانہ زندگی بسر کرنے سے یہ جذبات دب جاتے ہیں تو شاعری اِنکو اُبھارتی ہے۔ اور پژمردہ دلوں کو کنول کی طرح کھلا کر ہرا کر دیتی ہے۔

اقسامِ شاعری | شاعری کی کئی قسمیں ہیں۔ اخلاقی شاعری۔ تاریخی شاعری۔ نیچرل شاعری۔ رزمیہ شاعری۔ فلسفیانہ شاعری۔ صوفیانہ شاعری۔ اور عاشقانہ شاعری۔ مگر عاشقانہ شاعری کا رواج عرب فارس ہندوستان ہی میں نہیں اور ملکوں میں بھی زیادہ رہا ہے۔ اِسکی وجہ یہی ہے کہ خوف۔ حیرت۔ تعجب۔ غضب۔ انانیت۔ ہمدردی۔ حسد۔ بہادُری۔ نفرت۔ وغیرہ کے جذبات کے مقابلے میں عشق و محبّت کے جذبے ہی اپنی اثر انگیزی اور دلآویزی کے باعث انسانی طبایع کو یہ دل مرغوب ہوئے ہیں۔

عاشقانہ شاعری مخرّبِ اخلاق نہیں | مگر سخت افسوس ہے شعر و سُخن کی تاثیر اور خوبیوں کی ناواقفیت کے سبب

۱؎ یہ پیراگراف حضرت مہرؔ کے ایک مطبوعہ مضمون سے لیا گیا ہے۔

نئی روشنی میں زندگی بسر کرنے والوں نے شاعری کو ایک بیکار چیز سمجھ کر آجکل طرزِ معاشرت کی ضروریات ہی سے خارج کر دیا ہے۔ اور عاشقانہ شاعری کو تو محض حسن و عشق کی داستان تصور کر کے مخرّبِ اخلاق ٹھہرا دیا ہے۔ غالباً یہہ خیال مادّی ترقی کے اصول پر مبنی ہے جسکو روحانی ترقی سے کوئی واسطہ ہی نہیں ورنہ حقیقت میں مادّی اور روحانی دونوں طرح کی ترقیوں کے بغیر انسانی ترقی کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ انسان میں روح اور مادّہ دونوں موجود ہیں جس طرح مادّی ترقی سائنس کے اصول پر منحصر ہے۔ اِسی طرح روحانی ترقی اِستغراق تخیّل، مشاہدۂ مناظرِ قدرت۔ اور فنونِ نفیسہ کی قدر دانی پر موقوف ہے موسیقی اور مصوّری کی طرح شاعری بھی ایک نفیس فن ہے۔ بلکہ اِس کا رتبہ اُن دونوں سے برتر ہے۔ شاعر کی طبیعت قدرتی مناظر کے جذبات اور خیالات کا خزانہ ہوتی ہے۔ وہ اُنکی تصویریں اپنے جادوکار قلم سے کھینچتا ہے جنکو دیکھکر دُوسروں کے دلی جذبات جوش میں آتے ہیں۔ اور دلی جذبات کے جوش میں آنے سے روح کو ترقی ہوتی ہے پس انسانی ترقی کے لئے شاعری بھی ایک ضروری چیز ہے۔ عالمِ موجودات کی ہر شے میں حُسنِ قدرت جلوہ گر ہے۔ انسانی حُسن بھی قدرتی حُسن ہے جسُن قدرت کے مشاہدے سے دلی جذبات جوش میں آتے ہیں انسان مخلوقِ اشرف ہے اِسکے حُسن و عشق کے جذبات بھی برتر ہیں۔ برتر جذبات کے برانگیختہ ہونے سے رُوح کا ادجاج مقصود ہے اِس لئے عاشقانہ شاعری اِنسانی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ مخرّبِ اخلاق نہیں۔ اب رہا یہہ امر کہ انسانی حُسن و عشق کے نظّاروں سے سفلی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں یا عُلوی۔ یہہ زیادہ تر سامع یا ناظر کی دلی تربیت پر منحصر ہے اُس کے خیالات ادنی ہونگے تو ادنیٰ جذبات جوش میں آئیں گے۔ اور اعلیٰ ہونگے تو اعلیٰ جذبات برانگیختہ ہونگے۔ اِس لئے عاشقانہ شاعری ہر انسان کے دل پر یکساں اثر نہ ڈالے مگر کسی حُسن و عشق کے شاعر کا مفہوم انسانی فطرت کا حیوانی حصہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

اصنافِ شاعری شاہجہانی عہد میں اُردو ہندوستان کی زبان قرار پائی تو اور زبانوں کی طرح اس میں بھی شاعری نے جنم لیا۔ فارسی زبان کی تقلید میں فرد۔ بیت۔ رُباعی۔ قطعہ۔ تشبیب۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ مثلث۔ مخمّس۔ مسدس۔ ترجیع بند۔ ترکیب بند۔ مُسمّط۔ مستزاد۔ اور غزل وغیرہ اِسکے اصناف قرار پائے۔ غزل عاشقانہ شاعری کی صنف ہے۔ اِس لئے غزل ہی کا بہت رواج ہوا اور دَور بہ دَور سخنوروں کی غزلوں کے مجموعے دیوان کی صورت میں شائع ہوتے رہے۔

دیوانِ شعاعِ مہر ہم بھی اِس مقدمۂ شعر و شاعری کے ساتھ اپنے عزیز دوست جانشینِ فصیح الملک حضرتِ

داغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، ممبر خصوصی و تنقیدی انجمن خاصانِ ادب لکھنؤ، عمدۃ الشعرا، ناثر الملک، افضل الشعرا پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہر تخلص کا دیوانِ شعاعِ مہر ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرتے ہیں نکتہ رس و سخن سنج حضرات اِسے ملاحظہ فرمائیں ۔ اور پروفیسر صاحب نے فطری ذہانت۔ طبعِ سلیم۔ فنی دستگاہ اور علمی قابلیت کی بدولت اپنے کلامِ فصاحت التیام میں جس حد تک مندرجۂ بالا اُمور کا لحاظ رکھا ہے اور اپنے اُستاد کے مقبولِ انام رنگ اور طرزِ غزل سرائی کا تتبع کیا ہے اُس پر آپ کو مبارکباد دیں۔

ولادت۔ مزاج۔ تندرستی | حضرتِ مہر کے والد بزرگوار ابتداً ریاست گوالیار کے مشہور ضلع بھِل گڈھ میں ملازم ہوئے وہاں ۱۸۶۸ء میں آپ پیدا ہوئے اور وہیں ہوش سنبھالا۔ آپ ایک پاک طینت۔ نیک سیرت۔ منکسر مزاج۔ طباع۔ خوش خلق۔ ذی مروّت۔ مرنجاں مرنج۔ پابندِ وضع۔ غیور۔ محتاط۔ بظاہر متین مگر زندہ دل بزرگ ہیں۔ اپنے اُستادِ مرحوم سے ایسی عقیدت رکھتے ہیں کہ فدائی کا رُتبہ حاصل ہے۔ بزرگوں کا ادب اور اہلِ ہنر کی قدر کرتے ہیں۔ آپ کا مسلک صُلحِ کُل ہے تعصب و کینہ پروری سے معرّا ہیں۔ ہر مذہب و ہر ملت کے لوگوں سے آپکا میل جول ہے خصوصاً اہلِ اسلام سے آپکے دوستانہ مراسم ہیں۔ اپنے اُستاد بھائیوں اور دیگر قابل سخنوروں کا بہت احترام کرتے ہیں فنونِ نفیسہ سے خاص ذوق رکھتے ہیں۔ نغمہ و سرود کے دلدادہ ہیں قناعت۔ توکّل و سیر چشمی کے ساتھ امن چین کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایّامِ شباب میں آپکو جسمانی ورزش کا بہت شوق تھا۔ وجیہ اور تنومند تھے۔ اب عرصے سے نزلہ اور ریاح یا شورہ کی شکایتیں رہتی ہیں۔ گو ان امراض کا ازالہ مزمن ہو جانے کے باعث قریب قریب دشوار ہو گیا ہے پھر بھی عمر کے لحاظ سے بفضلہ تعالیٰ آپ کی صحت و تندرستی خاصی ہے۔

خاندانی حالات | آپ قوم چھتری فرقہ کایستھ سکسینا دوسرے کے ایک معزز رُکن ہیں۔ قومی لقب ورما اور خاندانی سٹھولے ہے جو ایک موضع سٹھولی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا نسبی سلسلہ رائے پراگ داس صاحب دہلوی دیوان بیوتات محمد شاہ بادشاہ غازی تک پہونچتا ہے۔ دلی بگڑی تو اس خاندان کے لوگ ضلعِ ایٹہ کے قصبۂ سہاور میں آ کر آباد ہوئے اور وہاں کے خوش باش کہلائے۔ زاں بعد سرکار بدایوں کی چودھرات قانونگوئی اور زمینداری کے سلسلے میں آپکے بزرگ قصبۂ سہسوان کے پورۂ اکبرآباد محلہ رانی ستی میں سکونت گزیں ہوئے اور وہیں رہ پڑے۔

رائے پراگ داس صاحب کے چھ فرزند تھے۔ اِن میں گرد ھر لال اور جگناتھ نے کوئی اولاد اپنی یادگار نہیں چھوڑی۔ باقی چار پُورن مل۔ منہس راج۔ بلرام۔ اور بھوجراج تقریباً دو سو نفوس کے مورثِ اعلیٰ

ہوئے۔ حضرتِ قہر کے جدِ امجد منشی ہلاس رائے۔ بن ہر سکھ رائے۔ بن بھوپت رائے بن چوڑامن رائے بن لے پراگ داس دہلوی ۱۸۵۷ء کے غدر میں قصبۂ سہسوان ضلع بدایوں میں سکونت رکھتے تھے۔ اُس وقت وہاں قریب ڈیڑھ سو کے اس خاندان کے لوگ اپنے مختلف مقاماتِ ملازمت سے آ آکر جمع ہوئے تھے آپکے دادا منشی چُنی لال صاحب بھی جو اُس وقت پنجاب گورنمنٹ کی ملازمت میں بمقام سیالکوٹ تھے سہسوان آگئے تھے۔ اُنھیں ایّام میں آپکے والد بزرگوار منشی کنہیا لال صاحب کی شادی بانس بریلی کے ایک قابلِ فخر خاندان کے معزز رکن منشی چھبے لال صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ آپکے دادا چار بھائی تھے۔ بڑے بھائی ملاقی داس صاحب لکھنؤ میں سلطانِ عالم حضرت واجد علی شاہ جنت آرامگاہ کی سرکار میں ملکۂ مُخدرہ نوابِ خاص محل صاحبہ کے دیوان تھے۔ اُنسے چھوٹے دو بھائی منشی بھجن لال اور منشی پربھو لال گورنمنٹ انگلشیہ میں تحصیلداری کے عہدوں پر ممتاز تھے۔

آپ اولاد کی جانب سے بھی خوش نصیب ہیں۔ آپکے چھ فرزند۔ ایک صاحبزادی پانچ پوتے چار پوتیاں ہیں۔ آپکی شادیاں دو ہوئیں پہلی شادی سہسوان کے ایک اعلیٰ خاندان میں اُونچے دروازے والوں کے یہاں ہوئی تھی۔ آپکے خسر منشی ریوتی سہائے صاحب نواب صاحب والیِ ٹونک کی سرکار میں ملازم تھے اور وہیں پیوندِ زمیں ہوئے۔ اُنکے خاندان میں ایک صاحب وہبی تخلص فارسی کے قادر الکلام شاعر ہو گزرے ہیں۔

پہلی بیوی مرحومہ سے تین فرزند یادگار ہیں۔ خلفِ اکبر بابو رام سُروپ رما عرف رام ورما سٹھولے انگریزی زبان میں نہایت اعلیٰ درجے کی قابلیت رکھتے ہیں پہلے آٹھویں دوسری پنجابی رجمنٹ میں جو آجکل جہلم ملک پنجاب میں مقیم ہے عہدۂ جماعداری پر مشاہرۂ دو سو روپیہ ماہوار اسسٹنٹ آفیسر ہیں۔ دوسرے صاحبزادے بابو بھگوان سُروپ ورما سٹھولے انگریزی میں عالمانہ قابلیت کے علاوہ مشہور مضمون نگار بھی ہیں اور شملہ پر ملیٹری سکریٹریٹ میں کوارٹر ماسٹر جنرل برانچ کے چار سو روپیہ ماہوار پر سپرنٹنڈنٹ ہیں تیسرے فرزند بابو گوبند سروپ ورما سٹھولے عرف منوہر سہائے (بی۔ اے۔ ایچ۔ پی)۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل۔ لاہور میں جرنلسٹ ہیں۔ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار آمدنی ہے۔ فارسی میں منشی فاضل اور اُردو کے گرانقدر شاعر ہیں۔ انور تخلص کرتے ہیں۔

دُوسری بیوی بھی سہسوان ہی کے ایک معزز خاندان جوہری کے رُکن منشی برج لال صاحب مرحوم کی بیٹی ہیں۔ اِن کے بطن سے ایک صاحبزادی اور تین فرزند ہیں صاحبزادی چودھری سچدانند سہائے صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ ایڈوکیٹ لکھنؤ۔ زمیندار گدھی مرگانواں ضلع فرخ آباد کو منسوب ہیں جو لکھنؤ میں وکالت سے خوش گزراں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بڑے صاحبزادے بابو بدری پرشاد ورما سٹھولے نے

یونیورسٹی کالج لکھنؤ سے بی۔ کام پاس کیا اور گوالیار گورمنٹ میں فائنانس ممبر صاحب کے خاص دفتر میں ملازم ہیں۔ منجھلے فرزند بابو جگنا تھ پرشاد ورما سٹھولے محکمۂ تعلیم گوالیار میں ملازم ہیں اور بی۔ اے۔ ڈگری کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ اور سب سے چھوٹے لختِ جگر بابو سورج پرشاد ورما سٹھولے ابھی نوعمر ہیں اور میٹرک کلاس کے طالب علم ہیں۔

علمی قابلیت سات سال کی عمر میں حضرت مہر نے پڑھنا شروع کیا تھا قصبہ سبل گڈھ میں آپ کے مکان کے قریب فرخ آباد کے ایک کہن سال بزرگ منشی حکومت رائے صاحب رہتے تھے۔ فارسی کی چند ابتدائی کتابیں آپ نے اُن سے پڑھیں۔ کچھ کتابیں ایک معلم مُلّاجی سے اپنے ہی مکان پر پڑھیں۔ بعد کو قاضی ہدایت اللہ صاحب سے جو وہاں قلعے پر فارسی عربی کے متبحر عالم تھے اہلِ ایران اور مستشرقین کی جملہ کتب متداولہ نظم و نثر کا درس لیا۔ زمانۂ قیام سہسوان میں مولوی طاہر بیگ صاحب سہسوانی اور مولوی عنایت اللہ صاحب بدایونی سے فارسی ادب کی اکثر کتب کا مطالعہ کیا۔ اپنی نانہال بانس بریلی میں بھی جہاں آپ کی جان سے عزیز چھوٹے بھائی بابو راج کنوار ورما سٹھولے نے دس برس کی عمر میں بعارضۂ ہیضہ انتقال کیا شہر کے اکثر مشہور معلموں و مولویوں سے چند فارسی کی درسی اور بعض عربی کی ابتدائی کتابوں کا درس لیا۔

۱۸۹۵ء میں ریاست گوالیار میں محکمۂ ڈاک کا انتظام انگریزی اصول پر ہوا اور بابو جے نارائن سنگھ ورما مرحوم جو منشی ہرگوپال صاحب تفتہ کے خاندان سے تھے پوسٹ ماسٹر مقرر ہو کر سبل گڈھ آئے۔ اُنکی صحبت میں آپ کو انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ پہلے کچھ دنوں چند انگریزی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ پھر بابو صاحب مذکور کے ساتھ آگرے جا کر آگرہ کالج میں داخلے کی کوشش کی۔ مگر طلبہ کی کثرت کے باعث بورڈنگ ہاؤس میں جگہ نہ ملنے پر آپ بانس بریلی چلے گئے اور وہاں کے کالج سے الہ آباد یونیورسٹی کے انٹرینس کا امتحان اول درجے میں پاس کیا۔ فرسٹ آرٹ کے لئے کالج مذکور میں تعلیم پا رہے تھے کہ دردِ شقیقہ میں مبتلا ہو گئے اور سول سرجن بریلی کے مشورے کے موافق باخاطرِ ناخواستہ آپکو کالج چھوڑ دینا پڑا۔

انگریزی زبان میں فنِ تقریر حاصل کرنے کا آپکو بہت شوق تھا۔ صدہا انگریزی کتابیں پڑھیں کاملِ فن مقرروں کی تقریریں سُنیں۔ خود بھی تقریر کرنے اور اُس میں امتیازی درجہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر قدرتی طور پر طبیعت اِس فن کے مناسب نہ دیکھکر مادری زبان اُردو کی تکمیل کی جانب متوجہ ہو گئے اور قلم ہاتھ میں لے لیا۔ ولی گجراتی سے لے کر دورِ حاضرہ تک کے تمام شعرائے گرامایہ اور عالیقدر انشاپردازوں مصنفین، مولفین، مترجمین کی پوری پوری تصانیف، تالیفات، و تراجم کا کئی کئی بار بالاستیعاب مطالعہ کیا۔

مدت العمر کی سعیِ بلیغ اور مشاقی کے بعد آج اُردو کی شاعری اور انشاپردازی میں جو ملکۂ راسخہ آپنے پیدا کرلیا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ آپکی تصانیفِ نظم و نثر اور اسناد سے اُسکا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔

سلسلۂ ملازمت آپکے نانا جناب منشی چھبّا لال صاحب بریلوی بدایوں کے کلکٹر صاحب کے دفتر میں ملازم تھے۔ غدر کے ہنگامے میں بیکار ہوکر اپنے پیر و مرشد پنڈت ہرناتھ صاحب نائب دیوان ریاست گوالیار کے پاس چلے آئے۔ کچھ روز دفترِ حضور دربار گوالیار میں ملازم رہکر ریاست کے اضلاع آگر۔ اور شاجاپور میں مدت تک نائب صوبہ رہے پھر اُجین میں ریاست کی قسمتِ مالوہ کے عہدۂ نائب سرصوبہ پر ممتاز ہوئے۔ اُدھر غدر فرو ہونے کے بعد آپکے دادا منشی جُتنی لال صاحب کا سہسوان میں انتقال ہوگیا اور آپ کے والد ماجد منشی کنہیا لال صاحب اپنے خُسر صاحب کی تحریک پر گوالیار آکر ضلع سَبل گڈھ میں ملازم ہوئے پھر ضلع شیوپور میں منصرم فوجداری اور پرگنات ڈھوڈرا اور بجے پور میں تحصیلدار رہکر پنشن یاب ہوئے۔ وکالت ہائی کورٹ کا امتحان پاس کرکے شہر لشکر پایۂ تخت گوالیار میں عرصے تک وکیل رہے اور یہیں دسمبر ۱۹۰۸ء میں دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھارے۔ آپکے تایا منشی متھرا پرشاد صاحب مدت العمر گورنمنٹ پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ملازم رہے اور وہیں وفات پائی۔ آپکے چچا منشی مصری لال صاحب نے ضلع سبل گڈھ کی صوبات کی سررشتہ داری سے پنشن پائی۔ ضلع بھنڈ میں اپنے صاحبزادے منشی منموہن لال کے پاس جو آجکل لشکر میں منتظم صاحب جاگیرداران کے دفتر میں ملازم ہیں رہکر راہیِ عالمِ بقا ہوئے۔ حضرتِ مہر ضروری تعلیم سے فارغ ہوکر ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء کو انگلش مڈل اسکول شہر گوالیار میں اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے پھر ہائی اسکول چھاونی مُرار میں سیکنڈ ماسٹر رہے۔ مدت تک دفتر صاحب انسپکٹر جنرل محکمۂ تعلیم اور پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ گوالیار میں سررشتہ دار رہے تقریباً ۲ سال وکٹوریہ ہائی اسکول لشکر میں بمشاہرہ ننلو روپیہ ماہوار تھرڈ ماسٹر رہکر اسپیشل سینسس کمشنر گوالیار کے پرسنل اسسٹنٹ ہیں اور دو سَو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے ہیں۔

فنونِ نفیسہ کا اکتساب فنونِ نفیسہ کا شوق آپ کو بدوِ شعور ہی سے تھا۔ اور شاعری کا مادّہ تو قسامِ ازل نے آپکے آب و گِل ہی میں ودیعت کیا تھا۔ سہسوان کے زمانۂ قیام میں آپنے منشی عبدالعزیز صاحب اعجاز رقم اور چند دیگر خوش قلم خوشنویسوں سے اصلاحیں لے لے کر فنِ خطّاطی میں امتیازی قابلیت بہم پہونچائی نسخ۔ نستعلیق۔ طُغرا۔ ریحان۔ گلزار۔ ماہی۔ غبار وغیرہ خطوں کی مشق کی۔ چند طرح کے دیوانی اور شکستہ خط سیکھے ہندی کی خوشخطی۔ اور متعدد انگریزی ابجدیں سیکھیں مصوری میں تصویر کشی نقش و نگار بیل بوٹے بنانے یاد کئے۔ فنِ موسیقی کا بھی بہت شوق رہا۔ برسوں ستار الغوزہ۔ اور ہارمونیم ہاتھ میں رہے موسیقی کی نظریات کی بہت کتابیں پڑھ ڈالیں مگر عملی طور پر

کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ اور فنِ شعر کے اکتساب میں تو کم و بیش تیس ۳۰ سال مصروف و منہمک رہے جسکا نتیجہ یہہ آپکا دلفریب اور دلگداز کلام ہے جس سے آپکو نامی معاصرین سخنوروں میں رُتبۂ یگانگی حاصل ہے اور سخن شناس آپکی نغز گوئی اور سحر بیانی کے دل سے قائل ہیں۔

فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی سے تلمذ | جب آپکی سولہ سترہ سال کی عُمر تھی اور قصبۂ سبل گڈھ میں قاضی ہدایت اللہ صاحب سے فارسی کی تحصیل جاری تھی آپکے چچا منشی مصری لال صاحب مولوی محمد عبد الرؤف صاحب اسسٹنٹ فوجداری ضلع کے سررشتہ دار تھے اور منشی ضیاء النبی خاں ضیاؔ شاگردِ حضرتِ داغؔ دہلوی اُنکے دفتر میں ایک اہلکار تھے۔ اُس وقت حضرتِ داغؔ رام پور میں تشریف رکھتے تھے اور موصوف کا پہلا دیوان گلزارِ داغ طبع ہو کر ضیاؔ صاحب کے پاس پہونچا تھا۔ اسسٹنٹ صاحب ممدوح کے دولتکدے پر شب کو کچھ اہلِ ذوق کا مجمع ہوجاتا تھا آپ بھی اپنے چچا صاحب کے ساتھ وہاں جایا کرتے تھے۔ ضیاء النبی خاں صاحب مرحوم شعر ایسا پڑھتے تھے۔ کہ خود شعر کی تصویر بن جاتے تھے۔ ادھر ضیاؔ صاحب کا پڑھنا۔ اُدھر قادرِ سخن جہاں اُستاد حضرتِ داغؔ کا مقناطیسی جذب اور برقی حدّت رکھنے والا کلام۔ دونوں نے ملکر آپکا دل بےچین کردیا اور آپکی ذہنی شاعرانہ طبیعت میں غیر معمولی جوش پیدا کرکے آپکو شعر گوئی کی طرف متوجہ کردیا تھوڑے ہی عرصے میں ضیاؔ صاحب سے ربط ضبط بڑھاکر اُنھیں کے سفارشی خط کے ساتھ آپنے اپنی غزل حضرتِ داغؔ کی خدمت میں رامپور بھیجی اور زانوئے تلمذ تہ کرنے کی اجازت چاہی۔ اُستاد نے غزل اصلاح دیکر واپس کی اور تحریر فرمایا "تمھاری طبیعت رسا ہے۔ میرا رنگِ تغزل قبول کرنے کی تم اچھی صلاحیت رکھتے ہو۔ تمھارا نام رجسٹر تلامذہ میں لکھ لیا ہے۔ غزل بھیجا کرو۔ دیکھ دیا کرونگا۔" اُسی روز سے سلسلۂ اصلاح جاری ہوگیا۔ قہرؔ تخلص بھی آپ کو اُستادِ داغؔ ہی نے عطا فرمایا۔

یہہ وہ زمانہ تھا جب اکثر ارشد تلامیذ اپنا اپنا کلام اصلاح کے لئے اُستادِ داغؔ کے پاس بھیجا کرتے تھے جیسا کہ طوطیِ ہند شاگردِ داغؔ نواب ابوالمعظم میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائلؔ دہلوی نے اپنی قابلِ قدر رائے میں جو حضرتِ قہرؔ کے مطبوعہ ناول "سفید جوگن" پر درج ہے تحریر فرمایا ہے۔

"میرے خواجہ تاش سفید جوگن کے مصنف فیض نراین پرشاد ورما قہرؔ ایک شیریں کلام مقبول الانشاد سخنور ہیں اور مسلّم الثبوت طرزِ بیان۔ دلاویز معاملہ نگاری۔ اور سخن طرازی میں بلبلِ ہندوستان جہاں اُستاد۔ دبیر الدولہ ناظم یار جنگ بہادر فصیح الملک نواب میرزا خاں داغؔ دہلوی مرحوم کے جادہ کے صحیح رہرو ہیں۔ رجسٹر تلامذۂ داغؔ میں انکا نام بیخودؔ دہلوی۔ حسنؔ بریلوی۔ نوحؔ ناروی۔ نسیمؔ بھرتپوری۔ شوکتؔ مرادآبادی۔ آشکؔ جلیسری۔ فیروز خورجوی۔ محمود رامپوری۔

احسن مارہروی۔ یہ تا سکندر آبادی۔ وغیرہم کے پہلوؤں میں لکھا ہے۔ اور استاد مرحوم بھی ان پر نظرِ عنایت رکھتے تھے۔"

ہندوستان کے عظیم الشان مشاعروں میں شرکت | آپکی قابلِ حیرت زباندانی، زبان کی سلاست، بیان کی خوبی خوشگوئی اور وسیع معلومات فرطِ شہرت سے محتاجِ بیان نہیں۔ دورِ حاضرہ کے تمام مقتدر اور باکمال اہلِ سخن آپ سے بخوبی واقف ہیں۔ اور آپ کے کلام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ دہلی۔ لکھنؤ۔ بنارس۔ مرادآباد۔ میرٹھ۔ باغپت۔ بریلی۔ شاہجہاں پور۔ الہ آباد۔ جین پوری۔ فرخ آباد۔ سندیلہ۔ نارہ۔ ہاپوڑ۔ پیلی بھیت۔ بدایوں۔ کانپور۔ غازی آباد۔ گورکھپور۔ لاہور۔ آگرہ۔ بنگلور۔ پٹنہ۔ عظیم آباد۔ مارہرہ۔ ہردوئی۔ رام پور۔ بھوپال۔ ٹونک۔ فتح گڈھ۔ بجنور۔ جھانسی۔ رڑکی۔ دہرہ دون۔ وغیرہ مقامات سے اکثر و بیشتر آپکو عظیم الشان مشاعروں میں شرکت کے لئے دعوت دی گئی اور بہت سے مقامات پر آپنے شریکِ مشاعرہ ہوکر بیحد دادِ سخن حاصل کی۔ فرداً۔ فرداً ہر مشاعرے کی شرکت کے حالات کا درج کرنا طوالت سمجھکر یہاں صرف دو چار ہی مشاعروں کی شرکت کا حال ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

۱۹۱۴ء و ۱۹۱۵ء میں عالیجناب خاں بہادر سید التفات رسول خاں صاحب ہاشمی مرحوم مغفور تعلقہ دار جلال پور اور آنریری منصف و مجسٹریٹ سنڈیلہ نبیرہ و جانشین حضرت واسطی مرحوم نے دو مرتبہ آپ کو عرس شریف مولانا واسطی نور اللہ مرقدہ کے متعلق عظیم الشان مشاعروں میں بڑے اصرار سے سندیلے بلایا۔ یہ وہ مشاعرے تھے جن میں خاں صاحب مرحوم ہزاروں روپے صرف کیا کرتے تھے۔ طوطیِ ہند حضرتِ سائل دہلوی حضرتِ ابر رامپوری حضراتِ احسن مارہروی و لکھنوی حضرتِ نوح ناروی۔ حضرتِ اکبر الہ آبادی۔ مولانا رضا فرنگی محلی۔ مولانا بیخود موہانی حضرتِ بانع سنبھلی۔ نواب بہادر حسین خان انجم نیشاپوری حضرتِ آرزو لکھنوی۔ حضرتِ احسان شاہجہانپوری حضرتِ بہار لکھنوی حضرتِ دل شاہجہانپوری۔ نواب ناظم علیخاں ہجر شاہجہانپوری بیگم حجاب صاحبہ شاہجہانپوری۔ حضرتِ جادو رامپوری حضرتِ دلگیر مارہروی حضرتِ صفدر مرزاپوری حضرتِ طیش شاعرِ دربار رامپور حضرتِ فہیم گورکھپوری حضرتِ قمر تلمیذ حضرت امیر مینائی لکھنوی حضرتِ قرار شاہجہانپوری حضرتِ وحشی شاہجہانپوری حضرتِ یاس عظیم آبادی عرف میرزا یگانہ لکھنوی جناب نواب امراؤ بہادر دلگیر رئیس باندہ جناب راجہ درگا پرشاد صاحب مہر رئیسِ اعظم سندیلہ عالیجناب صاحبزادہ محمد مصطفےٰ علی خاں بہادر برادر ہز ہائی نس نواب صاحب رام پور۔ حضرتِ شوق یادگار حضرتِ مومن دہلوی۔ نواب چھٹن صاحب تو قیر جیسے سیکڑوں مشاہیرِ اہلِ فن و شعرائے باکمال شریک ہوتے تھے۔ اور دو۔ دو۔ تین تین دن تک شبانہ روز صحبتِ مشاعرہ گرم رہتی تھی۔ ایسے مشاعروں میں جہاں غزل کا پڑھ دینا بھی ایک کام ہوتا تھا آپنے دہلی۔ لکھنؤ کے بلند پایہ شعراء سے ہر ہر

شعر پر تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرا دئے تھے سنہ ۱۹۱۴ء کے مشاعرے میں جب آپنے یہہ شعر پڑھا تھا ؎

جب نکلتی ہے زمانے میں کسی کی آرزو — پوچھ لیتے ہیں وہ یہہ ارمان کس کے دل کا ہے؟

تو تقریباً دو ہزار زبانوں سے صدائے احسنت و مرحبا بلند ہوئی تھی مشاعرے میں وہ شور مچا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اور یہہ شعر کوئی بیس مرتبہ پڑھوایا گیا تھا لیکن افسوس ہے آپنے یہہ غزل ہی اپنے دیوان "شعاعِ قہر" میں صرف اس بنا پر نہیں لکھی کہ اسکی ردیف "کا ہے" میں حرف الف کا دبنا غیر فصیح معلوم ہوتا ہے۔ اللہ اللہ آپ نے کیسے سُدھے کان پائے ہیں۔ اور کلام میں فصاحت کا کس درجے اہتمام و التزام ہے۔ تاہم یہاں ہم وہ غزل بطور ہدیہ نقل کئے دیتے ہیں:۔

غزل

دم لبوں پر زخمِ تیغِ ناز سے بسمل کا ہے
رشک کے قابل تڑپنا بھی اسی بسمل کا ہے

میرے گھبرانے پہ کیوں ہنستے ہیں یارب اہلِ حشر
موت کی ہچکی نہیں ہے شکر اُس قاتل کا ہے

جب نکلتی ہے زمانے میں کسی کی آرزو
پوچھ لیتے ہیں وہ یہہ ارمان کس کے دل کا ہے

کوئی خنجر پر فدا ہے۔ کوئی ناوک پر نثار
کس قدر چمکا ہُوا بازار اُس قاتل کا ہے

مجکو اُنکے وصل کی دُھن۔ اُنکو وصلِ غیر کی
ایک میرے دل کا ارماں۔ ایک اُنکے دل کا ہے

کوئی آئے۔ کوئی جائے۔ پوچھ کچھ بھی نہیں
تیری محفل میں قرینہ کونسا محفل کا ہے

نامہ بر تجکو بتاؤں اور کیا اُسکا پتا
پاؤں گر جائیں جہاں کوچہ وہی قاتل کا ہے

جھیلتے ہیں کس طرح راہِ عدم کی سختیاں
کاٹنا ہمکو تو مشکل پہلی ہی منزل کا ہے

ہے گرہ بندِ قبا کی۔ زلفِ پیچاں کی گرہ
کھولنا مشکل بہت اِس عقدۂ مشکل کا ہے

کون ہے اے قہرؔ فرقت میں شریکِ رنج و غم
کیا کہیں کس سے کہیں۔ جو حال اپنے دل کا ہے

اپریل سنہ ۱۹۱۶ء میں قصبۂ ہاپوڑ میں ایک عظیم الشان جنرل مشاعرہ منعقد ہُوا یہہ اپنی قدامت خوش انتظامی۔ استقامت۔ اور مشاہیر روزگار کے اجتماع کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں ایک بے نظیر مشاعرہ تسلیم کیا گیا تھا رؤسائے قصبہ کے دستِ کرم نے زرفشانی کی۔ چودھری لچھمی نارائن سنگھ رئیس و آنریری مجسٹریٹ خان بہادر

سید مہربان علی آنریری مجسٹریٹ۔ لالہ دیبی سہائے آنریری مجسٹریٹ چودھری گنگا سہائے میونسپل کمشنر۔ لالہ ننھے لال ساہو و بینکر۔ لالہ دھرم پرشاد رئیس۔ منشی نجم الدین بی اے صاحب چودھری رگھبیر نراین سنگھ رئیس آسوڑہ۔ آنریبل لالہ مدھو سودن دیال۔ اور نواب امیر اللہ خاں سرپرست مشاعرہ تھے جناب حکیم ابوالحسن شفیق حیدرآبادی سکریٹری تھے۔ حضرت قہر کو اس مشاعرے میں دعوتِ سخن دے کر بہ اصرار تمام بلایا گیا تھا۔ اور لالہ دھرم پرشاد صاحب رئیس ہاپوڑ کے عالیشان آراستہ کمرے میں جو مشاعرے کے بالکل قریب تھا ٹھہرایا گیا تھا۔ اِس مشاعرے میں کوئی دو سو اڑھائی سو کے قریب بیرونی شعرا شریک ہوئے تھے۔ مشاہیر شعرا میں طوطیٔ ہند حضرت سائل دہلوی حضرت ابر رامپوری حضرت جا دو رامپوری حضرت ندرت میرٹھی حضرت نوح ناروی حضرت یاس عظیم آبادی حضرت بیخود موہانی۔ ناظم الملک حضرت اطہر ہاپوڑی۔ ممتاز الشعرا حضرت عطا بدایونی حضرت باغ سنبھلی حضرت بزم اکبرآبادی حضرت خیال رامپوری۔ اور حضرات۔ رونق۔ شیدا۔ ساحر۔ قمر۔ قیصری۔ خلیق۔ خلیل۔ نیر۔ ادیب۔ شمس۔ حمید۔ فدا۔ حسن۔ محو۔ ناظم۔ ازل۔ وغیرہم رونق افروز ہوئے تھے۔ ع۔ "قیامت ہے وہ بن ٹھن کر محشر نکلتے ہیں" طرحِ مشاعرہ تھی۔ آپ نے غزل پڑھی اور خوب خوب دادِ سخن پائی اِس مشاعرے میں حضرتِ ابر تلمیذِ خاص حضرت امیر مینائی لکھنوی و سر رشتہ دار دربار رام پور آپ سے بہ کمالِ اشتیاق خاص طور پر ملے اور کلام سنانے کی فرمائش کی۔ جب آپ نے یہ مطلع پڑھا ؎

تدبیر پوچھتا ہوں عدو سے وصال کی		اللہ رے بیخودی دلِ آشفتہ حال کی	

تو بیحد داد دی اور مطلع بیاض میں نقل کر لیا۔

۱۹۱۸ء میں عالیجناب صلاح الدین احمد صاحب عرف صلن میاں۔ رئیسِ اعظم و تعلقہ دار نوادہ بدایوں نے اپنی عالیشان کوٹھی واقع نوادہ میں ایک نہایت اعلیٰ پیمانے پر مشاعرہ کیا۔ باہر سے سیکڑوں مشاہیر شعرا شریک ہوئے۔ بدایوں سلف سے اہلِ ادب کا مقام ہے۔ شہر کے بھی بہت شعرا موجود تھے۔ اِس مشاعرے کی شرکت کے لئے رئیس صاحب نے آپکو بڑی آرزو کے ساتھ مدعو کیا تھا۔ آپ کے ساتھ لشکر سے آپ کے طالبِ علم ریاض صاحب جیوری بھی گئے تھے۔ کوٹھی کے سامنے بہت بڑے میدان میں شعرا کے لئے خیمے استادہ کئے گئے تھے۔ ممتاز الشعرا حضرت عطا بدایونی سکریٹری مشاعرہ تھے۔ حضرت قمر بدایونی جو حضرتِ راسخ دہلوی مرحوم کی زندہ یادگار ہیں۔ اور آج بدایوں میں سب سے برتر۔ بے مثل خوش گو۔ کہنہ مشق اور اعلیٰ پائے کے شاعر ہیں آپ سے بیحد مانوس ہو گئے تھے۔ ہر وقت آپ کے پاس موجود رہتے تھے۔ آپکو بھی اُن کا سلجھا ہوا پُر اثر کلام سنکر اُن سے

بڑی محبت ہو گئی تھی۔ آپ کہا کرتے ہیں کہ "فی زمانہ بدایوں میں قمرؔ صاحب کا کلام دلّی کے اندازِ غزل سرائی کا نمونہ ہے"۔ اس مشاعرے میں بڑے بڑے قادرالکلام شعرا شریک ہوئے تھے۔ دو روز میں مشاعرہ ختم ہوا تھا۔ خوب خوب غزلیں پڑھی گئی تھیں۔ دوسری شب کو جب آپکا نمبر آیا تو وہیں طوطیِ ہند حضرتِ سائلؔ دہلوی۔ حضرتِ احسنؔ مارہروی۔ حضرتِ دلیرؔ۔ حضرتِ قمرؔ۔ حضرتِ طپشؔ۔ حضرتِ حافظ پیلی بھیتی۔ حضرتِ حیرتؔ بدایونی۔ حضرتِ عطاؔ۔ حضرتِ زلالیؔ۔ حضرتِ امیر بدایونی۔ حضرتِ جامیؔ۔ حضرتِ خلیلؔ حتیٰ کہ عالیجناب صلّن میاں صاحب بھی ممبر کے قریب ہو بیٹھے۔ جب آپنے یہ شعر پڑھا۔ ؎

وہ مراسم بھی تمھیں یاد ہیں یا بھول گئے	کبھی یہاں مجھے کرنا کبھی وہاں ہونا

تو حضرتِ سائلؔ دہلوی نے فرمایا "میں مانونگا یہ شعر آپنے حضرتِ داغؔ کے دیوان سے چرا لیا ہے"۔ اور جب یہ شعر پڑھے ؎

میں پشیمان ہوا اُسکی پشیمانی سے	مجھ سے دیکھا نہ گیا اُسکا پشیماں ہونا
کسی صورت سے نظر دشت کی صورت آئے	اپنے گھر کا مجھے منظور ہے ویراں ہونا

تو ہر سمت سے "سبحان اللہ"، "مرحبا"، "صلِّ علیٰ" کی صدائیں بلند ہوئیں۔ مشاعرہ دیر تک گونجتا رہا۔ اور ایک ایک شعر کئی کئی مرتبہ پڑھوایا گیا۔

اپریل ۱۹۱۹ء میں آپ نالے کے مشاعرے میں شریک ہوے۔ یہ عالیشان مشاعرہ آپکے اُستاد بھائی ناخدائے سخن۔ فصیح العصر تاج الشعرا۔ جانشین حضرتِ داغؔ دہلوی حضرتِ نوحؔ ناروی رئیسِ اعظم و تعلقہ دار نالہ ضلع الہ آباد نے اپنی صاحبزادی کی شادی کی تقریب میں اپنے دولت خانے پر منعقد فرمایا تھا۔ حضرتِ نوحؔ نے بکمالِ محبتِ برادرانہ آپ کو شادی اور مشاعرے کی شرکت کے لئے مدعو کیا تھا۔ لشکر سے آپ کے ہمراہ جنابِ یاسؔ۔ جنابِ دریاؔ۔ جنابِ موجؔ۔ جنابِ بحرؔ بھی گئے تھے۔ اِس مشاعرے میں بہت سے مشاہیر شعرائے ہند جمع ہوئے تھے۔ حضرتِ نوحؔ نے ہزاروں روپیہ صرف کیا تھا۔ تواضع و آسایشِ شعرا کا انتظام بھی بڑی دریا دلی سے کیا تھا۔ ہر شاعر کے لئے مکان الگ۔ خدمتگار الگ۔ لوٹا الگ۔ سیلابچی الگ۔ پلنگ الگ۔ حقہ الگ۔ چار روز تک ہر روز صبح و شام مشاعرے کی دو دو صحبتیں ہوتی تھیں۔ اور داد کی صدائیں ہر وقت چرخِ چارم پر پہونچتی تھیں۔ اِس پر بھی جہاں دس پندرہ شاعر جمع ہو جاتے غیر طرح غزلخوانی شروع ہو جاتی تھی۔ اور مرحبا سُبحان اللہ کی آوازیں ہوائیں گونجنے لگتی تھیں۔ رات کو ہر روز الہ آباد سے ایک نیا برطھیا طائفہ آتا تھا اور رقص و سرود کی امیرانہ محفل گرم رہتی تھی۔ غرض چار پانچ روز عجب چہل پہل اور دل بستگی رہی۔ ع۔

"خوشی کے وقت اظہارِ خوشی مخلوق کرتی ہے"۔ مصرعِ طرح تھا۔ آپنے سہرا پیش کیا اور غزل پڑھی۔ ہر طرف سے بیحد دادیں ملیں۔ جب یہہ شعر پڑھا ؎

کھلایا ہے کبھی بادِ صبا نے غنچۂ دل بھی
چمن میں گُل کھلاتی ہو تو وہ کیا گُل کترتی ہے

تو طوطیِ ہندستانیِ داغ حضرتِ سائل دہلوی صدرنشین مشاعرہ نے فرمایا کہ "گُل کترنے" کا محاورہ اس دلآویزی۔ برجستگی۔ خوبی۔ اور تازگی کے ساتھ کسی کے ہاں نہیں بندھا ہے۔ آفریں۔ صد آفریں"۔ ماشاء اللہ یہ ایسا نکھرا ہُوا مشاعرہ تھا جسکی یاد دلوں میں ابتک باقی ہے۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں عالیجناب نواب جمشید علی خانصاحب رئیسِ اعظم و تعلقہ دار باغپت نے اپنے دولت سرا پر ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا تھا۔ شعرا کی خاطر تواضع اور آرام آسایش کا جو انتظام کیا تھا اُسکی تعریف نہیں ہوسکتی۔ جناب نواب صاحب موصوف خود بہ نفسِ نفیس حضرتِ سائل کے پاس دہلی تشریف لے گئے اور حضرت کے بھانجے منشی مشتاق احمد صاحب مشتاق دہلوی کو حضرتِ مہر کے لانے کے لئے لشکر بھجوایا۔ اُن ایام میں آپکی والدہ محترمہ کا انتقال ہوچکا تھا اور آپ مرحومہ کے سوگ میں تھے۔ اِس لئے نواب صاحب کے دعوتِ سخن دینے پر اپنی عدم حاضری کی عُذرخواہی کرچکے تھے۔ مگر جب حضرتِ سائل کے فرستادہ مشتاق صاحب آپکے پاس پہونچے تو آپ کو طوعاً و کرہاً باغپت جانا پڑا۔ رسمِ عزاداری سے فارغ ہوکر رات کو غزل کہی اور دوسری شام کو دلّی پہونچ گئے۔ نواب سائل آپکے منتظر تھے۔ دُوسرے دن آپ کو لے کر باغپت پہونچے۔ وہاں اعلیٰ طبقے کے جملہ مشاہیر شعرا و سخنگو حضرات، جمع تھے۔ دو روز تک بڑی دھوم دھام سے مشاعرہ ہوتا رہا۔ حضرتِ بیخود موہانی کچھ علیل ہوگئے تھے۔ شب کو بزمِ مشاعرہ میں لیٹے لیٹے کلام سُن رہے تھے۔ آپ نے غزل پڑھی تو بے اختیار اُٹھ اُٹھ کر داد دینے لگے! اور اس شعر پر ؎

گرہی بعدِ اسیری خبرِ چرخ سے کیوں ٹوٹکر بجلی
کوئی پر رکھیا تھا کیا مرا شاخِ نشیمن پر؟

تو مشاعرہ اُلٹ گیا۔ خاص کر حضرتِ ندرت میرٹھی سکریٹری مشاعرہ اس شعر کو بار بار پڑھواتے تھے اور وجد کرتے تھے۔ غزل ختم ہوئی تو اکثر مشاہیر شعرا نے کہا "آپکے کلام سے حضرتِ داغ دہلوی کا رنگ ٹپکتا ہے"۔ اتنے طوطیِ ہند حضرتِ سائل دہلوی صدرنشین انجمن نے فرمایا "حضرتِ داغ کے جانشین کیا آپ یونہیں بنا لئے گئے ہیں!"

دن کو بھی نواب جمشید علی خاں صاحب کے ڈرائینگ رُوم میں خاص خاص شعرا کی صحبتیں ہوتی تھیں۔ ایک صحبت میں آپ حضرتِ راز رامپوری کے قریب کرسی پر بیٹھے تھے۔ آپ کی غزل ؎

پُوچھ کر اس لئے ہم پر وہ جفا کرتے ہیں
لوگ جانیں کہ یہہ انکا ہی کہا کرتے ہیں

بڑھی گئی تو حضرتِ بیباک شاہجہانپوری نے بزم میں ایستادہ ہوکر فرمایا "آپ کے کلام سے جنابِ داغ کے کلام کا رنگ مِن وعن نمایاں ہوتا ہے۔ آپ حضرتِ داغ کے صحیح اور سچے جانشین ہیں"۔

اعزازی خطابات۔ سندیں۔ تمغے۔ اور انعامات شاہجہانی اُردو کی آپنے مدت العمر خدمت کی ہے اور آپکی علمی قابلیت کی قدر دانی میں سرکاری محکمات۔ ادبی انجمنوں۔ اور مُلک کے نکتہ رس سخن سنجوں نے مختلف موقعوں پر آپ کو حسب ذیل اعزازی خطابات۔ اسناد۔ تمغے۔ اور انعامات عطا فرمائے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۲ء میں بریلی کالج سے الہ آباد یونیورسٹی کا امتحان انٹرنس اوّل درجے میں پاس کرنے پر بریلی کے رئیسِ اعظم رائے بہادر مہتاب رائے صاحب نے آپ کو ایک چاندی سونے کا تمغہ دیا۔

سنہ ۱۹۱۸ء میں بریلی کی ادبی انجمن نہالِ سخن نے جس میں دہلی لکھنؤ کے مشاہیر شعرا شامل تھے آپکو خطاب "افضل الشعرا" دے کر آپکی خوش بیانی اور نغز گوئی کی داد دی۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں دہلی شاہجہان آباد سے طوطیِ ہندستانی داغ۔ دامادِ فصیح الملک نواب میرزا خاں داغ دہلوی نبیرۂ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیّر رخشاں جاگیردار لوہارو نواب میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی نے مُطلّا حاشیوں کے کاغذ پر جانشینی حضرتِ داغ دہلوی اور خطاب "عمدۃ الشعرا" کی مُہری دستخطی سند عطا فرمائی۔

۸۔ اگست سنہ ۱۹۱۹ء کے اخبار "آفتاب" لاہور میں جناب ایڈیٹر صاحب "نظارہ" میرٹھ نے مسئلۂ جانشینی، حضرتِ داغ پر جو مدت سے معرضِ بحث میں تھا روشنی ڈالکر تلامذۂ حضرتِ داغ سے گیارہ حضرات کے نام پیش کئے۔ اور حضرتِ سائل دہلوی کو اس مسئلے پر توجہ دلا کر طے کر دیا کہ "بحیثیت دامادی حضرتِ داغ مغفور سائل صاحب ان میں جن جن شاگردانِ داغ کو جانشینیِ حضرتِ داغ کی سندیں عنایت فرمائیں گے اُنکو ساری دنیا حضرتِ داغ دہلوی کا صحیح جانشین ماننے لگی"۔ اس اختلاف کی صدا جب کہیں سے کسی نے بلند نہیں کی تو حضرتِ سائل نے کلام میں حضرتِ داغ کے رنگ سخن کا لحاظ پیش نظر رکھ کر صرف تین ارشد تلامذۂ حضرتِ داغ یعنی حضرتِ نوح ناروی حضرتِ باغ سنبھلی اور حضرتِ مہر مصنفِ دیوان ہذا کو اسنادِ جانشینیِ داغ دہلوی عطا فرمائیں جو "آفتاب" لاہور میں شایع ہوئیں۔

اسی سال حضرتِ نوح رئیسِ اعظم و تعلقہ دار نارہ ضلع الہ آباد نے آپ کو سند "ناشر الملک"، عنایت کی۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں انجمن "خاصانِ ادب" لکھنؤ نے آپ کو انجمنِ مذکور کا خصوصی و تنقیدی ممبر مقرر کر کے ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کے روزنامہ اخبار ہمدم لکھنؤ میں اعلان کیا۔

۱۹۲۶ء کے ایجوکیشن ویک کے جلسے میں اُردو نظم پیش کرنے کے صلے میں انتظامی کونسل عالیۂ گوالیار گورنمنٹ کے ممبر صاحب تعلیم نے محکمۂ تعلیمات گوالیار کی جانب سے آپکو ایک مُہری دستخطی سند درجۂ اعلیٰ عطا فرمائی۔

پھر اسی سال "مادھوجینتی" کے مہتم بالشان موقعے پر اُردو نظم و نثر کے مضامین پیش کرنے کی قدر دانی اور صلے میں محکمۂ تعلیمات گوالیار گورنمنٹ سے آپکو فرسٹ کلاس تمغۂ نقرئی معہ ایک سند درجۂ اعلیٰ عطا ہُوا۔

۱۹۲۹ء میں ناولِ "سفید جوگن" اور دیوانِ "شعاعِ مہر" کی تصانیف کے صلے میں محکمۂ "سرپرستیِ مصنفین" گوالیار گورنمنٹ سے آپ کو چار سو روپیہ نقد انعام ملا۔

۱۹۳۲ء میں محکمۂ سرپرستیِ مصنفین گوالیار گورنمنٹ نے ترانۂ مہر۔ زمزمۂ مہر۔ نغمۂ مہر کی تصانیف کے صلے میں آپکو سو روپیہ نقد انعام دیا۔ علاوہ بریں ۱۹۰۴ء میں انجمنِ ترقی اُردو حیدرآباد گورنمنٹ نے آپکی کتاب "رہنمایانِ ہند" کا حقِ اشاعت لے کر آپکو مالہٗ ۷۵ معاوضہ دیا تھا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ان ادبی اعزاز اور عطیوں کے آپ بوجۂ احسن قابل اور مستحق ہیں۔

تصانیف: ہجومِ کارِ سرکار اور خانگی مصروفیتوں سے کبھی آپ کو اتنا موقع نہیں ملا کہ حسبِ تمنا آپ دیگر مضامین پر بھی کتابیں لکھتے۔ تاہم فرصت کے اوقات میں آپنے جو کچھ تصانیف کی ہیں وہ یہ ہیں:۔

رہنمایانِ ہند۔ سب سے پہلے ۱۹۰۴ء میں آپنے ایک انگریزی کتاب "پرافٹس آف انڈیا" کا اُردو میں ترجمہ کرکے "رہنمایانِ ہند" نام رکھا۔ یہ اہلِ ہند کے دینی رہنماؤں کے سوانح زندگی اور اُنکی مذہبی فلسفہ آموز تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ اسے باخذِ حقِ اشاعت انجمن ترقی اُردو حیدرآباد گورنمنٹ نے شائع کیا۔ یہ کتاب ایسی مقبول ہوئی کہ آٹھ مرتبہ چھپی اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئی۔ ترجمے کی خوبی کی بابت مولانا شبلی نعمانی۔ محمد عزیز مرزا سکرٹری حضورِ نظامِ دکن۔ پنڈت منوہر لال زتشی ایم۔ اے پروفیسر الٰہ آباد کالج۔ بابو دیانارائن نگم۔ بی۔ اے ایڈیٹر زمانہ کانپور نے اپنے اپنے مختلف مضامین میں بہت کچھ تعریف کی ہے۔ اور مطبع کی تو یہ رائے ہے کہ "کسی انگریزی کتاب کا اُردو میں اس سے بہتر ترجمہ ہونا مشکل ہے"۔

سفید جوگن۔ یہ دِلّی کی ٹکسالی زبان میں ایک بے مثل معاشرتی ناول آپ کی خاص تصنیف ہے۔ اس پر راقم دیباچہ ہذا کی رائے کے علاوہ مولانا شبلی نعمانی۔ مولانا حالی۔ مولانا سید احمد دہلوی مولفِ "فرہنگ آصفیہ"۔ طوطیِ ہند حضرتِ سائل دہلوی۔ پنڈت بنسی دھر نہرو سب جج پنشنر۔ پروفیسر کنہیا لال ازدل ایم۔ اے۔ بابو سُمن لال۔ بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ اور بابو امیر چند بی۔ اے ایل ایل۔ بی کی قابلِ قدر رائیں درج ہیں۔ اسے ۱۹۲۲ء میں مصنف نے خود چھپوا کر شائع کیا ہے۔

لہ ۸ ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء لشکر میں بارھویں آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی آل گوالیار نمائش میں دیوان شعاعِ مہر رکھا گیا جس پر فرسٹ کلاس سرٹیفکیٹ اور طلائی تمغہ انعام ملا۔

نثرِ ثریا۔ آپکے چھ اعلیٰ پایئے کے اُردو مضامین کا مجموعہ اور تہنیت نامۂ سندھیا۔ دربار گوالیار کی مبارکبادی
نظموں کا مجموعہ۔ یہ دونوں کتابیں مسلم پریس بنگلور نے باخذ حقِ اشاعت چھاپنے کی تھیں مگر اب عنقا کا حکم رکھتی ہیں
محاوراتِ مہر۔ اس میں اردو زبان کے محاورے ردیف وار ترتیب دے کر محاورات کی سندوں کے لئے
آپنے اپنے ہی دیوان سے اشعار لے کر درج کئے تھے مگر چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ سُرودِ مہر بھی ابھی نہیں چھپا۔
ترانۂ مہر۔ زمزمۂ مہر۔ نغمۂ مہر۔ یہ تین چھوٹے چھوٹے رسالے خوش الحان اہل ترنم کی نغمہ سرائی کے لئے
پانچ پانچ چھ چھ اشعار کی غزلیں درج کر کے مرتب کئے ہیں اور مصنف نے خود ہی چھپوائے ہیں۔
رہبرِ مضمون نگاری۔ یہ کتاب آپنے مڈل میٹرک۔ انٹرمیجیٹ کے طلبہ کو اُردو مضمون نگاری سکھانے
کے لئے حال میں مرتب کی ہے۔ اس میں فنِ مضمون نگاری کے اُصول اور قواعد معہ خاکوں اور مثالوں کے
اس خوبی سے درج کئے ہیں کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس موضوع پر اُردو میں ایسی اور کوئی کتاب ابتک نہیں لکھی گئی ہے۔
اس کتاب کو محکمہ تعلیم ریاست گوالیار نے کتب درسیہ میں داخل کر کے آپکو دو سو روپیہ انعام عطا کیا ہے۔

اصلاحی کلام کا ضائع ہو جانا حضرتِ داغ دہلوی سے آپکے کلام کی اصلاح کا سلسلہ کوئی بیس پچیس برس تک جاری
رہا اور اس عرصے کی اصلاحی غزلیں بھی اتنی ہونگی کہ وہ سب جمع کی جاتیں تو ایک ضخیم الحجم دیوان مرتب ہو جاتا۔ مگر
آپکی وارستہ مزاجی اور بے پروائی نے کبھی دیوان تیار کرنے کا خیال ہی دل میں نہ آنے دیا۔ جس وقت غزل اصلاح
ہو کر آتی آپ اُسے کئی بار بغور پڑھ لیتے اصلاحیں یاد کر لیتے۔ قاعدے اور نکتے سمجھ لیتے اور اُسے کسی طاق میں ڈال دیتے۔
یوں آپکا سارا اصلاح شدہ کلام تلف و ضائع ہو گیا جسکا اب آپکو سخت افسوس ہے۔

دیوان شعاعِ مہر کی ترتیب ۱۳۲۲ھ میں آپکے اُستاد حضرتِ داغ کی وفات نے آپکا دل شعر و شاعری کی طرف سے
اُچاٹ کر دیا۔ شعر و سخن کے مشغلے کو خیرباد کہہ کر کئی سال تک آپنے ایک شعر بھی نہیں کہا۔ جب ۱۹۱۴ء میں دہلی کے
صاحبِ اقتدار رئیس لالہ سری رام ایم۔ اے مرحوم نے اپنے تذکرۂ خمخانۂ جاوید کی جلد سوم کے لئے آپسے نظم و نثر میں تقریظیں
اور تاریخیں لکھوائیں تو کئی مرتبہ کلام کے لئے خط بھیجے۔ یوں آپ کی دبی ہوئی آتشِ سخن کو پنکھا جھل جھل کر پھر مشتعل کر دیا
اور آپ شعر کہنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ اس سولہ[1] سال کے زمانے میں جو کچھ آپنے از قسم فرد شعر۔ رباعی قطعہ۔ غزل۔ مخمس۔
مسدس۔ مبارکبادی۔ سہرا وغیرہ کہا ہے انکو اس دیوان شعاعِ مہر کی شکل میں مرتب کیا ہے جو پیشکش ناظرین کیا جاتا ہے

خصوصیاتِ کلام جو عیوب و محاسن شاعری ہم نے اوپر بیان کئے ہیں اُنکا لحاظ آپنے اپنے کلام میں رکھا ہے دورِ
اوّل سے دورِ حاضرہ تک جو متروکات زبان میں ہوئی ہیں اور جو متروکات آپکے اُستاد نے کی ہیں اُنسے

[1] دیوان میں ۱۹۳۰ء تک کا کلام درج ہے جو ۱۶ سال کے عرصے کا ہوتا ہے۔

آپکا کلام پاک ہے غلط الفاظ جو ابتک زبانوں پر ہیں بلکہ اساتذہ کے کلاموں میں بھی موجود ہیں وہ آپکے کلام میں نہیں ہیں۔ کمزور اشعار نکال ڈالے گئے ہیں۔ ذم کے پہلو سے بچنے کی بے انتہا کوشش کی ہے۔ کان میں اسپے ٹھوٹے الفاظ اور ترکیبوں کے سوا عربی فارسی کے دقیق الفاظ اور ناہموار ترکیبوں سے پرہیز کیا ہے۔ بیجا مقدرات سُست شعروں۔ بیان کی گنجلک۔ تصنّع۔ دقیق نگاری۔ شوکتِ الفاظ۔ اور مُہملات سے آپکا کلام مُبرّا ہے۔ تقابلِ حرفین۔ ردیفین۔ اور قافتین سے اشعار بالکل محفوظ ہیں۔ ہاں صنعتِ تقابل جو حُسنِ شعری میں داخل ہے جا بجا استعمال کی ہے۔ فرسودہ مضامین اور تلمیحات کی بھرمار آپکے یہاں نہیں ہے۔ اور جہاں کہیں ہے تو جدّتِ ادا کے ساتھ ہے۔ عاشقانہ مضامین کے سوا دیگر مضمون جنکا لکھنا غزل میں ممنوع ہے آپنے شاذ لکھے ہیں۔ جان بُوجھکر دُوسروں کے مضامین نہیں لئے ہیں اور طرزِ ادا اختیار نہیں کی ہے۔ نادانستہ کوئی مضمون یا مصرع کسی کے مضمون یا مصرعے سے لڑ گیا ہو تو وہ توارد ہوگا جس سے کوئی نہیں بچ سکا ہے۔ دِلّی کے روزمرّے۔ محاورے۔ اور زبانِ داغ کی سخت پابندی کی ہے سُوقیت سے کلام کو بہت بچایا ہے۔ ٹنگی۔ چوٹی۔ آرسی۔ بچھاگل۔ کھُسر پھُسر۔ مسی۔ چولی۔ آنچل۔ وغیرہ بازاری الفاظ کا تو ذکر کیا لفظِ بوسہ تک آپ کے کلام میں نہیں آیا ہے یعنی آپکا کلام متین عاشقانہ کلام ہے۔ اندازِ بیان میں سادگی جو شاعری وانشاپردازی کی جان ہے آپکا خاص مسلک ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو سادہ گوئی کی انتہا کردی ہے۔ آپ کا ایک شعر ہے سہ باتیں کرنے کے لئے آپسے ہم آئے تھے | آپنے ہم سے کوئی بات نہ کی جاتے ہیں۔ اُٹھی نظر رکھنے والے اِس شعر کے مضمون کو ضرور "دندانِ تو جملہ در دہانند" کا مصداق سمجھیں گے۔ مگر اربابِ ذوقِ سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ عاشق کے اشتیاق ہمکلامی میں معشوق کے پاس بڑے شوق سے جانے معشوق کے عذرِ حُسن سے خاموش رہنے۔ اور عاشق کے مایوس ہو کر واپس آنے کے جذبات کی مُحاکات کی جو واقعیت کا پہلو لئے ہُوئے ہے اِس سے بہتر تصویر کھینچنی دشوار ہے "آئے تھے" اور "جاتے ہیں" کے ٹکڑوں میں جو اشتیاق۔ اُمّید اور مایُوسی مجبوری ہے اُسکا لُطف اہلِ نکات وسخن فہم ہی اُٹھا سکتے ہیں۔ پھر نسائی اور بازاری مضامین بالخصوص نہونے سے آپکے شعر سے عاشق مزاج حضرات اور اہلِ تصوف دونوں محظوظ ہوسکتے ہیں۔ ریاست گوالیار میں پرگنہ امباہ کے ایک موضع بِرِیڑو کے قریب ایک مہاتما شنکر لال عرف منشی بابا رہتے ہیں۔ جو خدا رسیدہ اور زاہدِ مرتاض ہونے کے علاوہ سنسکرت اور فارسی زبانوں کے عالم بھی ہیں۔ ایک مرتبہ انکا درشن کرنے حضرتِ مہر کے فرزند ارجمند بابو جگنا تھ پرشاد ورما سٹھولے وہاں گئے تو دیوانِ مہر بھی ساتھ لیتے گئے۔ اور کہیں کہیں سے آپکا کلام منشی بابا کو سُنایا۔ تو بابا موصوف نے فرمایا میں اِس کلام کو بہت پسند کرتا ہُوں۔ اِس میں حقیقت اور مجاز دونوں کے پہلو ہیں"۔

کلام پر رائے

ولی گجراتی سے دورِ ماسبق تک جو مقتدر شعرا گزرے ہیں اُن میں سودا۔ شوکتِ بیان۔ درد۔ درد انگیزی۔ ناسخ تشبیہ و استعارہ۔ آتش خوش بیانی۔ غالب مضمون آفرینی۔ مومن خیال بندی۔ ذوق سلاستِ زبان میں مسلّم الثبوت اُستاد مانے گئے ہیں۔ میر تقی میر جرأت۔ اور جہاں اُستاد حضرتِ داغ کا رنگِ تغزل معشوق سے بات چیت کرنا عشقیہ نوک جھوک۔ سوز و گداز۔ ناز و نیاز معاملہ نگاری۔ فراق کی شکایت۔ وصل کے لطف رقابت کے دُکھڑے۔ درد انگیز اور المناک حالات ہیں۔ خصوص مرزا داغ نے تو اس رنگ کو اپنی خداداد طبعِ وقاد کی صنعت کاری سے پیاری زبان سلیس اندازِ بیان۔ پاکیزہ روزمرہ۔ برجستہ محاوروں اور دلآویز طرزِ تحریر میں کچھ ایسا اُجالا اور مرصع کیا ہے کہ غزل کی شاعری کا سرتاج قرار پایا ہے۔

حضرتِ مہر ان خوبیوں میں جس قدر اپنے اُستاد مرحوم کے تتبع میں کامیاب ہوئے ہیں وہ قابلِ داد ہے۔ آپ کا رنگِ سخن سہل ممتنع۔ زبان کی فصاحت۔ روزمرے کی صفائی۔ اور بیان کی ندرت ہے، اِن پر نظر کرتے ہوئے ہم آپ کو حضرتِ داغ کے بہترین تلامذہ میں جگہ دئے بغیر اور اُن کا صحیح اور سچا جانشین مانے بغیر نہیں رہ سکتے۔ فصاحت۔ خوش بیانی۔ بندش کی صفائی۔ مضمون کی دلنشینی سے ہر غزل دل میں چٹکیاں لیتی ہے۔ ہر شعر بیتاب کر دیتا ہے۔ اکثر محض الفاظ کی اُلٹ پھیر۔ ترکیب کی دُرستی۔ بندش کی چُستی شعر میں جان ڈال دیتی ہے اور بے اختیار زبان سے واہ وا نکل جاتی ہے۔ آپ فنِ شاعری کے ماہرِ کامل۔ اُردو زبان کے خاص محسن۔ غزل گوئی میں ید طولیٰ رکھنے والے اُردو شاعری کے سرمایۂ ناز۔ اور ہند کے ایک نامور ادیب ہیں۔

غزل سرائی کے سوا اپنے اُستاد کی طرح آپ کسی اور صنف میں بھی بند نہیں ہیں اور انہیں بھی اپنے استاد کے مُسلمہ رنگ کی تقلید نہیں چھوڑی ہے۔ قصیدہ شاید اس وجہ سے نہیں لکھا کہ اہلِ دول کی مدح سرائی کی علتِ غائی کسبِ مال تصور کی جاتی ہے۔ اور آپ ہمیشہ قانع۔ صابر۔ مستغنی المزاج رہے۔ کسی کے آگے دستِ طلب دراز کرنا خلافِ وضع سمجھا۔ جو تہنیت یا تعزیت کی نظمیں آپ نے اپنے آقائے نامدار سرکارِ عالی وقار کے لئے لکھی ہیں وہ محض حقِ نمک ادا کیا ہے۔

اب ہم ۳۱۔ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء کو یہہ دیوان کا دیباچہ ختم کرتے ہیں اور حضرتِ مہر کو سالِ نو کی مُبارکباد دے کر درگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ وہ اپنے کرم سے اس شاہدِ حسن و خوبی کو قبولِ عام کا زیور عطا کرے۔ آمین۔

بہ عونِ صنّاعِ مکین و مکان و بہ فضلِ خلّاقِ زمین و زمان

زبان کا جادو و بیان کا سحر دیوانِ مہر

موسوم بہ

شعاعِ مہر

مصنّفہ

عمدۃ الشعرا ناشر الملک افضل الشعرا جانشینِ استاد السلطان بلبلِ ہندوستان جہاں استاد دبیر الدولہ ناظم یار جنگ بہادر ملک الشعرا فصیح الملک عالیجناب نواب میرزا خان داغ دہلوی پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہر

ممبر خصوصی و تنقیدی انجمنِ خاصانِ ادب لکھنؤ و آنریری میونسپل مجسٹریٹ شہر لشکر ریاست گوالیار

مصنّف

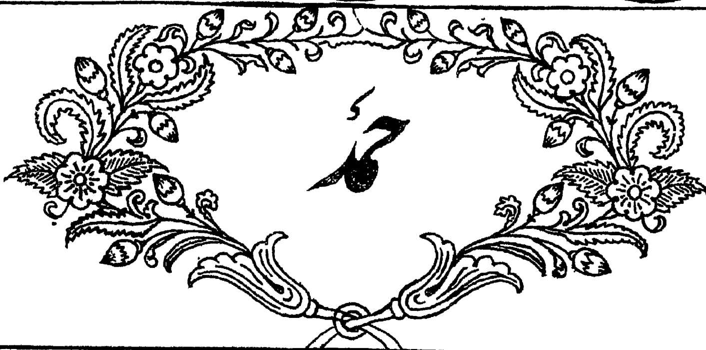
ترانۂ مہر ۔ زمزمۂ مہر ۔ نغمۂ مہر ۔ سفید جوگن ۔ نثر ثریا ۔ رہبرِ مضمون نگاری ۔ وغیرہ و مترجم رہنمایانِ ہند

بہ حسنِ اہتمام و انتظامِ مالا کلام

مسٹر علی بھائی فخر علی تاجرانِ کتب و مالکانِ مطبع محمدی بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۳

بعد اخذ حقوقِ دائمی طباعت و اشاعت

مطبع محمدی واقع بمبئی میں چھپا



الف

اللہ رے سرورترے محوِ دید کا
ہر چشم بن گئی ہے پیالہ نبید کا

تو پاس بھی ہے۔ دُور بھی۔ یہ جانتا ہوں میں
لیکن کھلا نہ راز قریب و بعید کا

سو رنگ سے بہا ہے رہِ ذوق و شوق میں
کیا سرخرو ہُوا ہے لہو بھی شہید کا

ہوں دل میں شاد زخمِ جگر دیکھ دیکھ کر
سمجھا ہوں تیغِ عشق کو میں چاند عید کا

دل دادۂ جمال ترا کیا کہے سُنے
جب ہوش ہی نہو اُسے گفت و شنید کا

تیری شرابِ عشق کے چسکے ہی اور ہیں
ہر جام میں مزہ ہے مزے کی کشید کا

دل دے کے مجھکو تُونے دیا دردِ عشق بھی
احساں یہ اور ہے ترے لطفِ مزید کا

تیری صفات و ذات کی وہ شرح کیا کرے
سحباں کو حوصلہ نہیں حمدِ حمید کا

تابِ جمال دے کہ ترا جلوہ دیکھ لوں
ارمان ہے بہت مری آنکھوں کو دید کا

روزِ جزا کسی کے کرم پر نگاہ ہے
رشتہ بندھا ہے تارِ نظر سے اُمید کا

بھولا ہُوا ہُوں میں تری رحمت پہ اِس قدر
غم ہی رہا نہ مجھکو عذابِ شدید کا

مایُوس کیوں ہو مہر کہ بخشش کے واسطے
دعویٰ ہے چشمِ لطف پہ چشمِ اُمید کا

کیونکر نہ آئے لب پر بندے کے نام تیرا
تُو ہے مقیم دل میں۔ دل ہے مقام تیرا

تو جان ڈالتا ہے۔ تُو دم نکالتا ہے
وہ بھی ہے کام تیرا۔ یہ بھی ہے کام تیرا

کعبے میں بُتکدے میں۔ ہر شاخ ہر شجر پر
ہے وِردِ صُبح تیرا۔ ہے ذکر شام تیرا

تُو ہو نہ جس میں قائم۔ وہ شے ہی کونسی ہے
اِس میں قیام تیرا۔ اُس میں قیام تیرا

ہوتا ہے مصلحت سے۔ ہوتی ہے مصلحت سے
ایک ایک بات تیری۔ ایک ایک کام تیرا

پھر کیوں رہُوں نہ یارب مستِ مئے محبت
روزِ ازل سے پی کر آیا ہُوں جام تیرا

اِمداد دینے والا ہے تُو ہی مشکلوں میں
تجھکو پکارتا ہُوں۔ لیتا ہُوں نام تیرا

میں کون ہُوں۔ جو مجھ سے حمد و ثنا ہو تیری
میری زبان تیری۔ میرا کلام تیرا

دیر و حرم کے آگے آنکھیں بچھا رہا ہے
ہے قہر کی نظر میں وہ اِحترام تیرا

غزلیات

تُو دیکھنے والوں سے نہاں ہو نہیں سکتا
پردے میں بھی پردے کا گماں ہو نہیں سکتا

وہ چین سے بیٹھے ہیں وہاں بزمِ عدو میں
قابُو دلِ مضطر پہ یہاں ہو نہیں سکتا

آتا نہیں کیوں حالِ غمِ عشق زباں پر
میں کہہ نہیں سکتا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

محشر میں بھی کیا پُرسشِ بیداد نہ ہوگی؟
دُنیا کا تو اندھیر وہاں ہو نہیں سکتا

ٹھوکر سے مٹائی ہے مری قبر کسی نے
کیا نام کو کافی یہ نشاں ہو نہیں سکتا

وہ خوابگہِ ناز میں سوئیں کہ نہ سوئیں
ہم سے تو مگر ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا

بیتابیٔ دل جاکے دکھاؤں اُسے کیوں کر
جو حال یہاں ہے وہ وہاں ہو نہیں سکتا

کیونکر وہ کہے گا اُسے جو ہے مرے دل میں
دل تو مرا قاصد کی زباں ہو نہیں سکتا

دیکھیں گے تجھے دیر میں۔ دیکھیں گے حرم میں
ہمکو ترا دیدار کہاں ہو نہیں سکتا

جب تک نہ کریں ہاتھ رواں آپ عدو پر
خنجر مری گردن پہ رواں ہو نہیں سکتا

یوں قہر چھپانے کو اسے لاکھ چھپاؤ
یہ رازِ محبت تو نہاں ہو نہیں سکتا

پہلے مرے عدو کا تم اِمتحان لینا
پھر مجھکو قتل کرنا پھر میری جان لینا

یہ بھی کوئی ادا ہے۔ یہ بھی کوئی جفا ہے
خنجر کو کھینچ لینا۔ ابرو کو تان لینا

اُمیدِ وصل کیا ہو۔ پہلے ہی ہے یہ مشکل
اُنکا زبان دینا۔ میرا زبان لینا

کیوں مُفت میں اُٹھایا بزمِ عدو کا احساں
کس نے کہا تھا تم سے تم بھول یا ن لینا

اُس حیلہ جُو سے قاصد پیغامِ وصل دے کر
پھر اور بات کرنا ۔ پہلے زبان لینا

یاد آچکیں وفائیں بعدِ فنا ہماری
انجان آج تم ہو ۔ کل ہمکو جان لینا

معلوم مہر کو ہیں اُلفت کے سب طریقے
جو کچھ کہے وہ تم سے ۔ تم اُسکو مان لینا

جواب اُسکا بھلا آفتاب کیا ہوگا
جو لا جواب ہو اُس کا جواب کیا ہوگا

عذاب ہوگا کہ واعظ ثواب ۔ کیا ہوگا
خبر یہ کس کو ہے روزِ حساب کیا ہوگا

ابھی سے آپ قیامت اُٹھائے پھرتے ہیں
یہ کم سنی ہے تو عہدِ شباب کیا ہوگا

وہ اِسکے سامنے بے پردہ ہوں گے پھر نکلے
نگاہِ شوق کے آگے حجاب کیا ہوگا

ترا خیال پھرا ۔ دل پھرا ۔ نگاہ پھری
اب اِس سے بڑھکے کوئی اِنقلاب کیا ہوگا

گناہگارِ محبت کو جُرمِ اُلفت پر
ترے ستم سے زیادہ عذاب کیا ہوگا

وہ آئیں گے کہ مجھے اپنے گھر بُلائیں گے
پیامبر مرے خط کا جواب کیا ہوگا؟

نہ اُنکے دل میں مرا گھر رہا ۔ نہ اور کہیں
مری طرح کوئی خانہ خراب کیا ہوگا؟

شمارِ جُرمِ محبت سے منفعل نہ کرو
یہ بے حساب ہیں اِنکا حساب کیا ہوگا

تجھے تو اے دلِ مُضطر ابھی سے چین نہیں
بڑھے گا اور اگر اِضطراب کیا ہوگا

نگاہِ مہر سے وہ جانِ مہر لیتے ہیں
جو لُطف یہ ہے تو اُنکا عتاب کیا ہوگا

اُنکی فریاد کو یوں حشر میں جانا ہوگا
آگے میں ہونگا مرے پیچھے زمانا ہوگا

جلوۂ عارضِ پُر نُور دکھانا ہوگا
طُور کو اور بھی اِک بار جلانا ہوگا

نامہ بر سیکھ لے اندازِ تکلّم ہم سے
باتوں باتوں میں وہاں کام بنانا ہوگا

اِس نزاکت پہ مرا قتل کچھ آساں نہیں
سخت مشکل تمھیں خنجر کا اُٹھانا ہوگا

نگہِ ناز اِدھر آ تجھے رکھ لوں دل میں
اور دنیا میں کہاں تیرا ٹھکانا ہوگا

شکوۂ جَور پہ وہ مجھ سے بگڑ کر بولے
تجھکو کمبخت مرا ناز اُٹھانا ہوگا

مجھ میں طاقت نہیں دو چار قدم چلنے کی،
اپنی صورت جو دکھاتے ہو تو یہ یاد رہے
یہ سمجھ کر وہ بلاتے نہیں آنکھیں ہی کبھی

موت کہتی ہے تجھے جان سے جانا ہوگا
دل میں رہنا مری آنکھوں میں سمانا ہوگا
آنکھیں ملجائیں گی تو دل بھی ملانا ہوگا

مہر سے ملنے کی اُن کو کبھی حسرت ہوگی
وہ بھی دن ہونگے کبھی وہ بھی زمانا ہوگا

مضطر بلا سے عاشقِ جانباز ہوگیا
اُنکے لئے تو کھیل ہے سرا نداز ہوگیا
آئے شبِ فراق وہ گھبرا کے بام پر
تم اسپہ لوٹ اور اسے تم سے اجتناب
سر دے کے جان دے کے تری راہِ شوق میں
رکھتے نہیں وہ پاؤں زمیں پہ غرور سے
اُنسے نگاہ ملتے ہی ہم خاک میں ملے
بزمِ عزا میں میری سنور کر وہ آگئے

تیرا تو کام چشمِ فسوں ساز ہوگیا
یہ ناز ہوگیا کبھی وہ ناز ہوگیا
نالہ مرا رقیب کی آواز ہوگیا
لو اب یہ دل بھی دلبرِ طنّاز ہوگیا
سرباز ہوگیا کوئی جانباز ہوگیا
مٹھی میں دل کے آتے ہی یہ ناز ہوگیا
انجام اپنے عشق کا آغاز ہوگیا
ماتمکدہ بھی جلوہ گہِ ناز ہوگیا

اب خوبرو بھی کرنے لگے مہر کی نگاہ
دل دے کے مہر کو بھی یہ اعزاز ہوگیا

معشوق دل آزار ہی دیکھا جسے دیکھا
کہنے کو تو ہیں آپ کی آنکھیں بہت اچھی
معلوم ہوا مجرمِ اُلفت ہے زمانہ
کیا جی سے گزرنا ہے ترے عشق میں آساں
جلوہ ترے رخسار کا دیکھا نہ کسی نے
کافر ترے قدموں سے قیامت نہ لگی ہو
ایمان بچا لیتے ہیں حوروں سے یہ کیونکر
دلدار وفادار نہ دیکھا کوئی ہم نے

پھر دل کا طلبگار ہی دیکھا جسے دیکھا
ان آنکھوں کا بیمار ہی دیکھا جسے دیکھا
جب اسکا گنہگار ہی دیکھا جسے دیکھا
مرجانے کو تیار ہی دیکھا جسے دیکھا
پھر طالبِ دیدار ہی دیکھا جسے دیکھا
مٹتے دمِ رفتار ہی دیکھا جسے دیکھا
جنّت میں تو دیندار ہی دیکھا جسے دیکھا
ظالم ہی جفاکار ہی دیکھا جسے دیکھا

کیوں جنسِ وفا آپ کو درکار نہ ہوگی
اِس کا تو خریدار رہی دیکھا جسے دیکھا

ہو مہر ترے نام سے کیوں اُنکو محبّت
اِس نام سے بیزار ہی دیکھا جسے دیکھا

اُس سے اُلفت میں جو اپنا دلِ مضطر پھرتا
کون رکھے ہوئے یوں ہاتھ جگر پر پھرتا

اے نزاکت ترے پردے میں اُنھیں رحم آئے
وہ کہیں ہم سے گلے پر نہیں خنجر پھرتا

کیا ہی پچتائے ہیں آزارِ محبت لے کر
ہم اِسے پھیرتے سودا جو یہ لے کر پھرتا

توبہ کر لونگا۔ مگر اب تو جنابِ واعظ
مُنہ تک آیا ہوا ہرگز نہیں ساغر پھرتا

نہیں معلوم مجھے آپ سے کیا کہنا ہے
ہے بڑی دیر سے اک حرف زباں پر پھرتا

پھر کبھی آنکھ تری دل کو اُڑا کر کیسی!!
دل مرا اُبھی بھی نہیں تجھ سے ستمگر پھرتا

تم نہ آتے مرے گھر میں تو یہ صورت ہوتی
ہو کے مُضطر کبھی اندر۔ کبھی باہر پھرتا

غیر کو قول دئے اور گئے سب پُورے
میں جو ہوتا تو وہ اقرار سے اکثر پھرتا

شوقِ دیدار نے آنکھوں میں جگہ دی ورنہ
جلوۂ یار بھٹکتا ہُوا گھر گھر پھرتا

بے نیازی کی اگر شان نہ ہوتی تم میں
اے بتو پھر تو خدا سے کوئی کافر پھرتا

چشمِ مُشتاق سے جلوہ نہیں چُھپ سکتا ہے
بجلیاں کوندتیں باہر۔ جو وہ اندر پھرتا

بدگماں تجھ سے نہ ہوتا دمِ رفتار تو کیوں
راہ میں سایہ ترا تیرے برابر پھرتا

عُمرِ جاوید جو تقدیر میں ہوتی اے مہر
تشنہ کیوں چشمۂ حیواں سے سکندر پھرتا

دکھا دے اے نگاہِ شوق تو بھی کارگر ہونا
وہ کہتے ہیں کہ پردے میں نہیں ممکن اثر ہونا

غدوِ عیش ہوتی ہے محبّت خوبرویوں کی
کسی کا اے دلِ ناداں۔ سمجھ کر۔ سوچ کر ہونا

اُمید وبیم میں رکھتا ہے کیا کیا اہلِ اُلفت کو
خدا کا دادگر ہوتا۔ ترا بیداد گر ہونا

یہ لب تک آتے آتے ہی کلیجا توڑ لیتے ہیں
ابھی دیکھا نہیں نالوں کا تم نے با اثر ہونا

وفا کا جب ارادہ ہے تو یہ بھی ٹھان لو دل میں
نہ ہونا پھر کبھی دشمن کے تم۔ میرے اگر ہونا

ابھی کچھ اور پروانے گلے ملنے کو باقی ہیں
ذرا تھمنا۔ ابھی رخصت نہ اے شمعِ سحر ہونا

تری اُلفت میں مشکل ہے تو اتنی بات مشکل ہے
فغاؤں کا اثر کرنا۔ دعاؤں کا اثر ہونا

سکھایا ہے تجھے اے زلفِ جاناں کس کے ہاتھ نے
پریشاں اس قدر رہنا۔ پریشاں اس قدر ہونا

یہاں ہیں مہرؔ اہلِ لکھنؤ بھی۔ اہلِ دہلی بھی
یہ کہتے ہیں "سحر ہونی" وہ کہتے ہیں "سحر ہونا"

تیغِ نگہ نے وار کیا تم نے کیا کیا
ہاں اُس نے دل فگار کیا تم نے کیا کیا

جلوہ سرِ مزار کیا تم نے کیا کیا
سوتوں کو بے قرار کیا تم نے کیا کیا

اندازِ جور اپنے سکھا کر فلک کو بھی
آشوبِ روزگار کیا تم نے کیا کیا

مرگِ عدو کا رنج تمہاری بلا کرے
آنکھوں کو اشکبار کیا تم نے کیا کیا

کرنی پڑیں فراق میں دشمن کی منتیں
دل نے ذلیل و خوار کیا تم نے کیا کیا

وعدے کی شب بتاؤ تو کس شغل میں رہے
ہم نے تو انتظار کیا تم نے کیا کیا؟

اے نالہ ہائے نیم شبی شرمسار ہوں
برہم مزاجِ یار کیا تم نے کیا کیا

غیروں کے کہنے سُننے سے مجھ سے خفا ہوئے
اپنوں کا اعتبار کیا تم نے کیا کیا

ق
جب یہ کہا کہ وعدے کی شب جاگتے کٹی
اچھا اُمیدوار کیا تم نے کیا کیا

بولے وہ ہنس کے۔ تم تو نہ ہم سے گلہ کرو
آنکھوں نے انتظار کیا تم نے کیا کیا؟

اب مہرؔ اُٹھاؤ بیٹھے ہوئے سختیٔ فراق
کس سنگدل کو پیار کیا تم نے کیا کیا!

سناؤں تجھے حال پھر کیا کسی کا
ہوا بھی ہے تو چارہ فرما کسی کا

مرے دل میں آکر وہ کہنا کسی کا
ہوا اب تو ٹھنڈا کلیجا کسی کا

وہ آنکھوں میں ہیں قابلِ دید آنکھیں
جن آنکھوں نے دیکھا ہے جلوا کسی کا

گلا کاٹ کر اپنے بازو تو دیکھے
مگر آپ نے دل نہ دیکھا کسی کا

تمھیں اک نہیں ہو۔ یہ دل بھی ہے قاتل
کیا اس نے خونِ تمنا کسی کا

اُٹھائی ہے کیا کیا مصیبت غریب نے
ہوا ہے بُرا حال کیا کیا کسی کا

خدا جانے کیوں اس کا طالب ہے کوئی
نہ ہے یہ کسی کا نہ ہوگا کسی کا

۱؎ بزمِ مشاعرۂ خان بہادر سید التفات رسول صاحب ہاشمی رئیس سندیلہ ضلع ہردوئی ۱۹۱۵ء ۲۵ جون

تمھیں تو نہ آتے تھے بزمِ عدو سے
ہُوا تھا ہمیں رات دھوکا کسی کا

کیا ہے جو کچھ ظلم - دل نے کیا ہے
نہ شکوہ ہے تیرا - نہ شکوا کسی کا

وہ دل تھام لینا مرا وقتِ رخصت
وہ مُڑ کر مجھے دیکھ لینا کسی کا

کوئی جلوہ فرما ہے بزمِ جہاں میں
کوئی دیکھتا ہے تماشا کسی کا

زمانہ ہمارا بُرا چاہتا ہے
بھلا کب بُرا ہم نے چاہا کسی کا

نہ دیکھا کوئی مہر سا آدمی بھی
وہ عاشق کسی کا ہے - شیدا کسی کا

ہم جھکا دیں گے ترے سر کی قسم سر اپنا
تو اُٹھائے تو سہی ناز سے خنجر اپنا

پاس ساقی جو نہیں آنکھ میں آنسو بھر کر
بھر لیا کرتے ہیں ہم آپ ہی ساغر اپنا

اِن اداؤں سے تو دل موم ہوا کرتے ہیں
کس طرح آپ نے دل کر لیا پتھر اپنا

یہ سمجھ کر کہ فلک کو نہ سمجھ لوں معشوق ،
نام رکھا ہے ستمگر نے "ستمگر" اپنا

پہلے تو چُپ رہے پچھتائے وہ کہہ بیٹھیں گے
میری شامت جو کہوں حال مکرر اپنا

اللہ اللہ رے بے جرمیٔ قاتل کا خیال
ہم نے خود نام لکھا ہے سرِ محضر اپنا

تم مجھے قتل کرو گے اِسی دل گردے پر
ہاتھ رکھو تو ذرا اپنے جگر پر اپنا

ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ قیامت آئی
فیصلہ کچھ نہ ہُوا داورِ محشر اپنا

یہ اُنھیں مست نگاہوں میں کرامت دیکھی
کر لیا غیر کو بھی جام پلا کر اپنا

بل بھی اُس کاکلِ پُرخم کے نکل جائیں گے
ہو گا تقدیر سے سیدھا جو مقدر اپنا

پھر دل رکھنے کا اقرار کیا ہے اُس نے
اُس سے دل رکھئے عزیز اب کوئی کیونکر اپنا

یہ بھی تم جانتے ہو میں نے تمھیں کیا جانا
ستم ایجاد - ستمگر - ستم آرا - جانا

ناوکِ ناز بتا تو نے کبھی سینے میں
دل کو دل - اور کلیجے کو کلیجا جانا

جو زمانہ اُسے جانے - وہ زمانہ جانے
ہجر میں موت کو ہم نے تو مسیحا جانا

دعوئ مہر و وفا پر یہ ملا ہمکو جواب
آپ نے کب سے یہ اِحسان جتانا جانا

بدگمانی کہیں ایسی تو نہ دیکھی نہ سنی
میں نے جب شکر کیا۔ آپ نے شکوا جانا

کیونکر آئی کسی مجبور کی ٹل جاتی ہے
دیکھنی ہو تو مرے پاس ذرا آجانا

اللہ اللہ رے ہمارے دلِ شیدا کی پسند
اُس پر آیا ہے جسے لاکھ میں یکتا جانا

مہرباں دل کی صفائی تو اِسے کہتے ہیں
آپ کو میں نے۔ مجھے آپ نے اچھا جانا

تا دمِ مرگ نکلنے نہ دیا دل نے اُسے
تیرے پیکاں کو بھی کیا میری تمنا جانا؟

شبِ غم تمکو بھی مضطر جو نہ کردے تو سہی
دلِ بیتاب ہے یہ۔ تم نے اِسے کیا جانا

دل سے شیدائی ہے۔ یہ دل سے تمنائی ہے
شکر صد شکر۔ مجھے آپ نے اِتنا جانا

لشکرِ رنج والم ساتھ ہے میرے ہر دم
کیا سمجھکر مجھے اغیار نے تنہا جانا

پھر اِس عشق جتانے کی ضرورت کیا ہے
رنگ لائے گا وہاں روز کا آنا جانا

مجھے اُمیدوارِ وصل تو اِک بار کرلینا
زباں سے تم نہ کرنا۔ آنکھ سے اِقرار کرلینا

جو تجھ سے ہو سکیں نالے۔ دلِ بیمار کرلینا
کبھی دو تین کرلینا۔ کبھی دو چار کرلینا

نہ تنہا جاگنا تم رات بھر دشمن کی فرقت میں
مری سوئی ہوئی قسمت کو بھی بیدار کرلینا

ابھی سے کیوں مٹے بیٹھے ہو تم میرے مٹانے پر
جو مجکو خوار کرنا ہے۔ تو مجکو خوار کرلینا

بُلانا اپنی محفل میں۔ کہ جانا بزمِ دشمن میں
کسی صورت سے ہمکو آپ کا دیدار کرلینا

یہ اچھی شرم ہے اُنکی۔ یہ اچھا اُنکا پردہ ہے
مجھے جب دیکھنا مُنھ جانبِ دیوار کرلینا

ادا ہو۔ ناز ہو۔ عشوہ ہو۔ غمزہ ہو۔ غرض کچھ ہو
ہمیں کوئی نہ کوئی تیر دل کے پار کرلینا

یقیں کیا اُنکے وعدے کا۔ کہ وعدے کی یہ صورت ہے
کبھی انکار کر دینا۔ کبھی اِقرار کرلینا

جو میرا قتل تھا منظور تو نیچی نظر کیوں کی
کہا تھا کس نے تم سے میان میں تلوار کرلینا

ہجومِ کار میں بھی کب مرا دل اُس سے خالی ہے
یہ کرلینا۔ وہ کرلینا۔ خیالِ یار کرلینا

گرے جب پھر غش کھا کر۔ کہا اُسکی تجلّی نے
یہ کوئی کھیل سمجھے تھے مرا دیدار کرلینا!

جو دل لینا تو غم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا
یہ لے دے کر بھی کم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

وہ میری جان لے کر غم مجھے پورا نہیں دیتے
جو لینا ساغرِ مے تمکو۔ لینا دستِ دشمن سے
یہ کیا کہنا ہے۔ کیا سُننا۔ نہ کہنا کچھ۔ نہ سُننا کچھ
وہ جتنا رنج دیتے ہیں۔ دعائیں اُتنی لیتے ہیں
قیامت ہے ستمگر جان کا لینا۔ قیامت ہے
ہمارے عرضِ مطلب پر وہ ہم سے ٹل کی لیتے ہیں

اُنھیں یہ بھی تو کم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا
جو دینا ہمکو۔ سم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا
نہ دل لینا۔ نہ غم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا
نہ کم لینا۔ نہ کم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا
پھر اِس کا ہے ستم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا
پھر ابرو میں بھی خم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

لگا لینا بلاؤں کا گلے اے مہر آئے دن
غمِ الفت میں دم دینا۔ یہ کیا لینا ہے کیا دینا

شکایت ظلم کی روزِ جزا کیا
ادا ہونا مہ بر سے مدعا کیا
تکلف سے نہ رکھیں واسطہ آپ
چڑھائی تیوری کیوں تم نے سنکر
گلے مل کر جو پوچھو تم مرا حال
خدا ہے۔ آپ ہیں۔ روزِ جزا ہے
نہیں ہے آج پہلو میں مرا دل
تری آنکھیں جھکیں شرمِ جفا سے
اُسے میں کوس کر پچھتا رہا ہوں
ستم کے بعد اب ناحق کرم ہے
عبث ہے رات دن گردش میں گردوں
تلافی ہے جفا میری وفا کی

کہوں میں لاکھ میں اُنکو بُرا کیا
کسی کے دل کی جانے دوسرا کیا
ادا سے جو ادا ہو۔ وہ ادا کیا
ہمارا مدعا بھی ہے گلا کیا
تو ایسے پوچھنے کا پوچھنا کیا!
نہوگا اب کبھی میرا فیصلا کیا!
بتاؤں اور میں اِسکے سوا کیا
سمجھ لے گا اِسے کوئی حیا کیا
نہو دشمن تو اُلفت کا مزا کیا
بُرا ہوکر کوئی ہوگا بھلا کیا
اُڑائے گا تری طرزِ جفا کیا
کیا کیا میں نے۔ اور اُس نے کیا کیا

نہیں ملتا کسی سے مہر کا دل
اُڑا لی اِس نے بھی تیری ادا کیا

آنا ہے اگر اُسکو تو کیوں آ نہیں جاتا
آنکھوں میں دم آیا ہُوا روکا نہیں جاتا

کیا دیکھ سکے کوئی ترا جلوۂ دیدار
جس نے تجھے دیکھا۔ اُسے دیکھا نہیں جاتا

دل آئے کبھی اَوروں پہ تو کس واسطے آئے
جو تجھ میں ہے اَوروں میں وہ پایا نہیں جاتا

مرتا ہے کہ جیتا ہے غمِ ہجر میں کوئی
اِتنا بھی تو تجھ سے کبھی پوچھا نہیں جاتا

کس شکل سے رکھے کوئی جاتے ہوئے دل کو
روکا نہیں جاتا ہے یہ باندھا نہیں جاتا

ہم کہدیں کہ حوروں کے خریدار نہیں آپ
زاہد مگر ایمان تو بیچا نہیں جاتا

وہ حُسن تمھارا ہے کہ سب دیکھ رہے ہیں
یہ حال ہمارا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا!

دیکھے تو کوئی چرخِ ستمگار کی دعوت
غم اِتنا کھلاتا ہے کہ کھایا نہیں جاتا

تیور ترے بگڑے ہوئے رہتے ہیں شبِ وصل
ایسے میں بھی تو موت کا کھٹکا نہیں جاتا

ظاہر میں تو مُنھ بولتی تصویر ہے تیری
پھر کیوں تری تصویر سے بولا نہیں جاتا

قاتل ہی جو نازک ہے تو مجبور ہیں ہم بھی
خود ہاتھ سے سر کاٹ کے پھینکا نہیں جاتا

جب مہرؔ نے لکھا ہے اُسے حالِ دلِ زار
لکھا ہے بس اتنا ہی۔ کہ لکھا نہیں جاتا

جان کا دینا غمِ اُلفت میں آساں کیا ہُوا
غیب سے یہ میرے مرجانے کا ساماں کیا ہُوا

دیکھ کر تجکو ہمارے دل کا ارماں کیا ہُوا
کچھ تجھے معلوم ہے۔ اے نازِ جاناں کیا ہُوا!

باندھکر رکھا تھا جسکو میں نے اے جوشِ جنوں
گوشۂ دامن سے وہ میرا گریباں کیا ہُوا

جس قدر تھیں آرزوئیں مل گئیں سب خاک میں
کیا کہوں دل دے کر اُسکو میں پشیماں کیا ہُوا

چار ہی دن میں بہارِ لالہ و گُل چل بسی
دیکھتے ہی دیکھتے رنگِ گلستاں کیا ہُوا

جان اپنی دی عدو نے ہم کو مرتے دیکھ کر
یوں جو وہ قرباں ہُوا تجھ پر۔ تو قرباں کیا ہُوا!

یہ تو کہیئے آج کیوں پھرتا ہے دشمن شاد شاد
قول کیا اُسکو دیا ہے؟۔ اُس سے پیماں کیا ہُوا!

غیر کے کہنے سے آئے ہو عیادت کیلئے
مجھ پر احساں کیا کیا۔ یہ مجھ پر احساں کیا ہُوا!

مجکو تو قسمت بدلنی عشق میں دشوار تھی
تجکو لیکن انقلابِ چرخِ دَوراں کیا ہُوا

ترکِ اُلفت کرکے ہم یہ سوچتے ہیں باربار
اپنا وہ دل کیا ہُوا۔ وہ اپنا ارماں کیا ہُوا

وہ تو اُسکی چیز تھی اے مہرؔ اُسکا کیا ملال
دل اگر تم نے دیا تو اسمیں نقصاں کیا ہُوا

جگر کے پار کیا تیر دل کے پار کیا
ادا ادا نے تری مجکو بیقرار کیا

تڑپ کر اس نے اُنھیں بھی جو بیقرار کیا
لگا کے دل کو کلیجے سے ہم نے پیار کیا

ہزار بار جئے ہم۔ ہزار بار مرے
ہزار بار ترا ہم نے انتظار کیا

بتا تو ہم تری اُلفت میں اور کیا کرتے
جو اختیار نہ کرنا تھا۔ اختیار کیا

تمھیں بتاؤ وہ ہے اعتبار کے قابل
جو تم نے غیر کے کہنے کا اعتبار کیا

جفا کے شکوے پہ عذرِ جفا تو تھا دشوار
ستم شعار نے مجکو ہی شرمسار کیا

یہی تو ہوتا ہے بچھڑے ہوئے جو ملتے ہیں
وہ اشکبا ہوا۔ مجکو اشکبار کیا

خرامِ ناز سے چل کر اُٹھا دئے فتنے
کسی نے حشر میں بھی حشر آشکار کیا

نگاہِ مہر تو کیا مہر پر کبھی کرتے
جہاں وہ مل گئے کچھ اور بیقرار کیا

یہاں بھی لے اُڑا دل کیا کوئی ساری خدائی کا
سرِ محشر یہ کیسا شور ہے یارب دُہائی کا!

ہُوا ہے دشمنِ ایمان و دیں وہ بُت خدائی کا
خدا حافظ ہوا اب کیونکر کسی کی پارسائی کا

یہ ساری کوششیں بیفائدہ ہیں اے دلِ محزوں
بھلا تیرے اُٹھائے سے اُٹھے گا غم جدائی کا؟

جبیں پر بل رہے۔ لب پر تبسم۔ تو مزا آئے
لڑائی میں صفائی کا۔ صفائی میں لڑائی کا

نگاہِ لطف کا خوگر ہُوں میں تو کیا سمجھ کر ہُوں
بھروسا کیا کسی نا آشنا کی آشنائی کا

مرا دل خاک میں ملتا ہے جب تو مجھ سے ملتا ہے
ستمگر رنگ ہے تیری وفا میں بیوفائی کا

ہزاروں جان دیتے ہیں بُتوں پر حضرتِ زاہد
کوئی دل پھیر دے گا کس طرح ساری خدائی کا

نکالو دل کی حسرت یا تمنا آنکھ کی پہلے
مرا ذمہ اگر جھگڑا ہو کچھ اپنی پرائی کا

نیا دل بھی خدا پیدا کرے گا میرے پہلو میں
نیا انداز تو پیدا کرو تم دل رُبائی کا

وہ آئے ہیں تو ممکن ہے تسلی تجکو دے جائیں
تڑپ اے دل یہی موقع ہے قسمت آزمائی کا

الٰہی کیا کروں اب میں کہ عذرِ جرمِ اُلفت پر
وہ کہتے ہیں کوئی شاہد بھی ہے تیری صفائی کا؟

قیامت ہیں مرے شکوے پہ یہ طرفہ قیامت ہے
خدا کے سامنے کہتے ہیں وہ "جھوٹا خدائی کا!"

کسی کو ضبطِ غم پر اب گمانِ ترکِ اُلفت ہے
وفا کر کے بھی میں مُلزم ہوا ہوں بیوفائی کا

شبِ فرقت مری تقدیر کی گرہیں نہیں کھلتیں
اے مشکل کشا یہ وقت ہے مشکل کشائی کا

اگر آنا تو یوں آنا کسی دن قہر کے آگے
ترا منہ دیکھ کر پھر منہ نہ دیکھے وہ جدائی کا

یوں عشق میں کیا گردشِ دوراں نہیں دیکھا
دیکھا نہیں تو جلوۂ جاناں نہیں دیکھا

تجھسا بھی حسیں ہم نے تو انساں نہیں دیکھا
تو ہمکو دکھا دے ترے قرباں نہیں دیکھا

جس طرح مچلتے ہوئے دیکھا انھیں دل پر
یوں دل میں مچلتے ہوئے ارماں نہیں دیکھا

کب آپ سرِ راہ کسی سے نہیں الجھے
کب آپ کی مٹھی میں گریباں نہیں دیکھا

آتا نہیں کس سمت نظر حسن کا جلوہ
تو نے ہی مگر دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

میں نے اسے جانا یہ مرے دل میں رہا ہے
جس ناوکِ دل دوز میں پیکاں نہیں دیکھا

اتنا ہے مرے ضبط کو زینت سے تنفر
اک اشک کبھی زیبِ گریباں نہیں دیکھا

پھر جائے مرے دل سے ترا تیر غلط ہے
پھرتے ہوئے اس گھر سے یہ مہماں نہیں دیکھا

یاد آ گئی وحشت میں جو وہ انجمنِ ناز
پھر ہم نے بیاباں کو بیاباں نہیں دیکھا

پھر انکے ستم پر وہی امیدِ کرم ہے
اس دل سا بھی ہم نے کوئی ناداں نہیں دیکھا

اٹھکر مری بالیں سے مسیحا بھی سدھارے
جب درد مرا قابلِ درماں نہیں دیکھا

اے قہر عدو ہیں سخنِ داغ کے قائل
ایسا بھی کوئی ہم نے سخنداں نہیں دیکھا

ذرا اے دل سمجھ کر سوچ کر عشقِ بتاں کرنا
مناسب ہے تجھے بھی اوّل اپنا امتحاں کرنا

مجھے تو فرض ہے محشر میں حالِ دل بیاں کرنا
جو کر سکتا وہاں بھی بند تم میری زباں کرنا

مرا دم تو نکالا ہے لگا کر ٹھوکریں تم نے
کہیں مٹی نہ پامالِ جفائے آسماں کرنا

عنایت سے کبھی پیش آئے یہ آساں نہیں قاصد
بہت مشکل ہے اس نامہرباں کو مہرباں کرنا

رہے گا نام تو میرا تمھارے ملنے والوں میں
کوئی آساں سمجھتے ہو مجھے تم بے نشاں کرنا؟

مرا ذمہ اگر شرما نہ دیں بتیاں اسکی
دلِ مضطر کے آگے تو ذرا تم شوخیاں کرنا؟

بہار آئے چمن میں یا کھلیں گل کوہ و صحرا میں
مگر ممکن نہیں ناشاد دل کو شادماں کرنا

شبِ فرقت یہ کہکر بیکسی سے جان ہی دینے
مری میت پہ میری حسرتوں کو نوحہ خواں کرنا

دلِ مرحوم کو روتا ہوں جب میں تو وہ کہتے ہیں
ہمیں آتا نہیں مدّے پہ مُردے کا گماں کرنا

تمہارے بھید کھل جاتے ہیں کیوں سارے زمانے پر
جو اسکا امتحاں کرنا۔ عدو کو رازداں کرنا

ڈرو تم کیوں زمینِ شعر کی پستی بلندی سے
ہمیں تو مہر آتا ہے زمیں کو آسماں کرنا

کس وقت اُسے دھیان عدو کا نہیں ہوتا
تنہا بھی وہ ہوتا ہے تو تنہا نہیں ہوتا

شرمندۂ احسانِ مسیحا نہیں ہوتا
اچھا وہ ہے جو عشق میں اچھا نہیں ہوتا

تم وعدے کے سچے ہو۔ اسے مان لیں کیونکر
وعدہ تو تمہارا کوئی سچا نہیں ہوتا

یوں داغ تو ہے آہ کے۔ لالے کے بھی دل میں
ہر داغ۔ مگر داغِ تمنا نہیں ہوتا

وہ دن گئے جب غیر سے ہوتی تھی توقع
اب تو ہمیں دل پر بھی بھروسا نہیں ہوتا

رکھدو دلِ مضطر پہ ذرا دستِ تسلی
کیا تم سے ہمارے لئے اتنا نہیں ہوتا

جیسا لبِ جاں بخش ترا عہد شکن ہے
جھوٹا کوئی ایسا بھی مسیحا نہیں ہوتا

کیوں دیدۂ مشتاق میں چھپتا نہیں کوئی
کیا دیدۂ مشتاق میں پردا نہیں ہوتا؟

دنیا میں وفادار۔ زمانے میں دل آزار
تم سا نہیں ہوتا۔ کوئی ہم سا نہیں ہوتا

کیا ذکر پرایوں کا۔ پرائے ہیں پرائے
اپنا بھی۔ برے وقت میں اپنا نہیں ہوتا

ہوتا ہے جو اقرار کبھی وصل کا ہم سے
اِس شکل سے ہوتا ہے وہ گویا نہیں ہوتا

اے مہر حسیں چاہنے والے کو بھی چاہیں
ایسا نہیں دیکھا۔ کہیں ایسا نہیں ہوتا

کبھی ناخوش دل آزاروں کا بسمل ہو نہیں سکتا
قیامت ہے بُروں سے بھی بُرا دل ہو نہیں سکتا

لگا کر آگ دل میں وہ تماشا دیکھ لیتے ہیں
جلانے سے انھیں کچھ اور حاصل ہو نہیں سکتا

یہ آخر ہر قدم پر تم مٹاتے کس کو چلتے ہو
تمہارے ہر قدم پر تو مرا دل ہو نہیں سکتا

تبسم بھی رہے لب پر نکالو مجھ پہ جب آنکھیں
نگاہِ قہر میں کیا لطف شامل ہو نہیں سکتا

اگر اب بھی نہ دل کو اعتبار آئے تو آفت ہے
وہ کہتے ہیں ہمارا عہد باطل ہو نہیں سکتا

ہمارے دل کو لے کر پُوچھنا اُنکا شرارت سے
ادائیں اپنی آئینے میں تُو کس کو دکھاتا ہے
یہ کیا کہتے ہو تم مُنھ پھیر کر ہاں پھیر ذرا کہہ دو
کہیں میرا تصور ساتھ اُسکا چھوڑ سکتا ہے
یہ حُجت کرکے مجھ سے وہ مرا دل چھین لیتے ہیں
ہمیشہ آپکی چالوں سے دل ہشیار رہتا ہے
دلِ وحشی کو کیوں رکھتا ہے کوئی اپنی زلفوں میں

تمنا کے لئے کیا دُوسرا دل ہو نہیں سکتا؟
ترا عاشق ترا مدِ مقابل ہو نہیں سکتا
"کرے جو خون ارماں کا وہ قاتل ہو نہیں سکتا"
یہ مانا میں شریکِ اہلِ محفل ہو نہیں سکتا
مرا دل ہے مرا دل ہے ترا دل ہو نہیں سکتا
کوئی غافل ہو لیکن یہ تو غافل ہو نہیں سکتا
یہ دیوانہ تو پابندِ سلاسل ہو نہیں سکتا

وہ کہتے ہیں جو ہے تُو مہر تو کیا اس سے ہوتا ہے
ترا دل میرے ارمانوں کے قابل ہو نہیں سکتا

چاہتا ہے کوئی اب فتنۂ دوراں ہونا
ہو اگر محوِ جمالِ رُخِ تاباں ہونا
پھر آئے مرے دل پر کہ قیامت ٹوٹے
کیا چھپے رازِ غمِ عشق کہ چھپتا ہی نہیں
حُسن کا رعب نہیں دیکھنے دیتا مجھ کو
قتل پر کس لئے تلوار اُٹھاتا کوئی
تم سنوارو بھی جو زلفوں کو تو کیا ہوتا ہے
وہ مراسم بھی تمھیں یاد ہیں۔ یا بھُول گئے
خود گلا کاٹ کے مرجائیں گے ہم اے قاتل
نیند آئے شبِ وعدہ تو مجھے کیوں آئے
دستِ وحشت سے ہمارے نہیں آیا اب تک
میں پشیمان ہُوا اُسکی پشیمانی سے
کسی صورت تو نظر دشت کی صورت آئے
یونھیں ارمان کا دل سے ہے نکلنا دشوار

حشر سے پہلے ہی دنیا میں نمایاں ہونا
سیکھ لیں آپ بھی آئینے سے حیراں ہونا
تم مگر اپنے کئے سے نہ پشیماں ہونا
میرے مُنھ پر مری حسرت کا نمایاں ہونا
خوب آتا ہے تجھے اپنا نگہباں ہونا
میری مشکل کو نہ ہوتا اگر آساں ہونا
اُنکی تقدیر میں لکھا ہے پریشاں ہونا
کبھی مہماں مجھے کرنا کبھی مہماں ہونا
شرم کی بات ہے شرمندۂ احساں ہونا
خواب میں بھی نہیں پُورا ترا پیماں ہونا
جَیب کو جیبِ گریباں کو گریباں ہونا
مجھ سے دیکھا نہ گیا اُس کا پشیماں ہونا
اپنے گھر کا مجھے منظور ہے ویراں ہونا
اور پھر مہر کے دل میں ترا ارماں ہونا

میں محوِ دید سامنے وہ خود فروش تھا
پیدا نگہ نگہ سے طبیعت میں جوش تھا

وہ دن بھی کیا تھے جب نہ سمجھ تھی نہ ہوش تھا
مستی تھی - بیخودی تھی - جوانی تھی جوش تھا

دیکھا تو آج ہے وہ ہمارے جگر کے پار
ترکش میں کل جو تیر ترے زیبِ دوش تھا

پھرتے ہیں مست دیکھنے والے کسی کے کیوں
جلوہ فروش تھا کہ کوئی مے فروش تھا

رکھا ہے اسکو حلقۂ کاکل میں کس لئے
یہ دل تو پہلے ہی ترا حلقہ بگوش تھا

خالی رہا نہ حُسن سے عاشق کا سوگ بھی
ماتم میں عندلیب کے گُل سُرخ پوش تھا

مرتا ہوں مر کے بھی کہ اُٹھائی تھی اُس نے تیغ
گیسو بھی نازکی سے جسے بارِ دوش تھا

دیکھا کبھی اِدھر - کبھی آہٹ سُنی اُدھر
وعدے کی شب یہ مشغلۂ چشم و گوش تھا

ناصح نے چھیڑ چھیڑ کے سُنوائی آہ آہ
ظالم مری خطا نہیں میں تو خموش تھا

ڈالی مرے مزار پر آکر صبا نے خاک
ورنہ اِسے نصیب کہاں قبر پوش تھا

رکھنے کو شمع مرقدِ مجنوں پہ بعدِ مرگ
اِک داغِ دل تھا وہ بھی چراغِ خموش تھا

اے مہر جب سُنائی تھی مجکو نویدِ وصل
کیا کیا پیامبر پہ گمانِ سروش تھا

اُلفت ہی اگر ہوتی - وعدہ ہی اگر ہوتا
نفرت نہ اُدھر ہوتی - شکوہ نہ اِدھر ہوتا

دشمن سے جُدا رہتے - تو دیکھ بھی تم لیتے
اِک شب نہ بسر ہوتی - اِک دن نہ بسر ہوتا

کیا وصل کی شب رہتا شغل اِس کے سوا اُنکو
یا فکرِ سحر ہوتی - یا ذکرِ سحر ہوتا

ماتم مرے مرنے کا عشرت مرے جینے کی
کیوں آپکے گھر ہوتی - کیوں غیر کے گھر ہوتا

زاہد کو یہ ارماں ہے - حُوروں کو یہ حسرت ہے
تیری سی نظر ہوتی - میرا سا جگر ہوتا

کچھ ناز وفاؤں پر - کچھ قدر جفاؤں کی
ہوتی تو اُدھر ہوتی - ہوتا تو اِدھر ہوتا

چُبھنے کو مرے دل میں - چلنے کو مرے دل پر
وہ تیغِ نظر ہوتی - وہ تیرِ نظر ہوتا

کچھ دردِ جگر رہتا - کچھ دل میں کسک رہتی
یہ چار پہر ہوتی - وہ چار پہر ہوتا

کیا ضبط سے ہو جاتا - کیا صبر سے بن آتی
یوں بھی نہ بسر ہوتی - یوں بھی نہ گزر ہوتا

وہ جسکی طرف ہوتا - سب اُسکی طرف ہوتے
دُنیا ہی اُدھر ہوتی - وہ شوخ جدھر ہوتا

وہ عشق میں کامل ہے وہ شوق میں پورا ہے
کچھ کور کسر ہوتی تو قہر کو ڈر ہوتا

غرورِ اوج سے اُس کا نشاں نہیں ملتا
زمیں سے جھک کے گرا گر آسماں نہیں ملتا

ہر اک زبان پہ ہیں حسن و عشق کے قصے
مگر کسی سے کسی کا بیاں نہیں ملتا

دباؤں تجھکو کہاں ہاتھ رکھکے سینے پر
ترا مقام ہی دردِ نہاں نہیں ملتا

مجھے خبر نہیں اسکی کہاں گری بجلی
مگر چمن میں مرا آشیاں نہیں ملتا

کسی پہ تہمتِ عشقِ رقیب سے حاصل
تجھے کچھ اس میں دلِ بدگماں نہیں ملتا

ہمارے دل سے شبِ غم کی داستاں سنو
جو وقتِ خواب تمہیں قصہ خواں نہیں ملتا

کرو خرید تو بازار کی ہے کیا تخصیص
جگہ وہ کونسی ہے دل جہاں نہیں ملتا

وہ تیز رو ہیں رہِ عشق میں کہ منزل تک
ہمارے آگے کوئی کارواں نہیں ملتا

پلٹ کے مجھکو دیا یہ پیامبر نے جواب
بہت پھرا۔ مگر اُس کا مکاں نہیں ملتا

جنابِ قہر کو رہتی ہے جستجو بیکار
کہاں نہیں ہے وہ جلوہ کہاں نہیں ملتا

ہم کر رہے ہیں پاس تری رسم و راہ کا
ورنہ یہ آسمان تو ہے ایک آہ کا

وعدہ کیا کسی نے جو مجھ سے نباہ کا
میں کیا بتاؤں طور ہوا کیا نگاہ کا

چلتا ہوں دیکھ دیکھ کے ہر ذرہ راہ کا
اس ڈر سے یہ نہ فتنہ ہو کہیں نگاہ کا

ہم شوق سے اٹھائیں اگر کوئے دوست میں
بیداد واجبی ہو ستم راہ راہ کا

دیکھا ہے ہم نے چیر کے پہلو کو جس گھڑی
نکلا ہے دل میں تیر تمہاری نگاہ کا

اللہ رے حسن اُس رخِ روشن کے سامنے
چمکا کبھی ستارہ نہ خورشید و ماہ کا

پھرتا ہے کس لئے مہِ کامل تمام رات
کیا پاسبان ہے یہ تری خوابگاہ کا

اے دل ملے گی کوچۂ قاتل میں کیا اماں
نادان وہ مقام نہیں ہے پناہ کا

کیا چاہتا ہے کوئی لڑائی کے واسطے
لڑتے ہیں آپ نام جب آتا ہے چاہ کا

یہ تیرگی میں کم نہ رہے گا کسی طرح
بخت سیاہ جوڑ ہے زلفِ سیاہ کا

لیتا ہے کون خاطرِ ناشاد کی خبر
ہو خاک غم اُنھیں مرے حالِ تباہ کا

پھر جائے دل مرا تو محبت میں آئے لطف
معلوم ہو اُنھیں بھی پلٹنا نگاہ کا

کیا عشق بھی خطا ہے۔ وفا بھی قصور ہے
آخر گناہگار ہوں میں کس گناہ کا؟

اپنی نگاہِ قہر سے محشر میں دیکھ کر
منہ سی دیا کسی نے ستم کے گواہ کا

چھپنے کی چشمِ شوق سے حاجت نہیں رہی
رشکِ عدو ہے پردہ تری جلوہ گاہ کا

پھر حشر کیوں بپا ہو۔ قیامت ہی آئے کیوں
تو داد رس اگر ہو دلِ دادخواہ کا

اے قہر جب وہ تیغِ نظر یاد آگئی،
اِک بار دل سے شور اُٹھا آہ آہ کا

غضب کا یہ تری چشمِ فسوں نگر میں اثر دیکھا
نہ دیکھا پھر کسی کو اُس نے جسکو اک نظر دیکھا

دعا بھی ہم نے کر دیکھی۔ گلہ بھی ہم نے کر دیکھا
نہ اِس میں کچھ اثر پایا۔ نہ اُس میں کچھ اثر دیکھا

اِدھر مجھکو تمنا ہے کہ پھر اُنکی طرف دیکھوں
اُدھر وہ اِس پہ بگڑے ہیں کہ میں نے کیوں اُدھر دیکھا

نکلتے ہیں طرفداری کے پہلو تیری باتوں میں
اُسی کا ہو گیا تو بھی۔ تجھے بھی نامہ بر دیکھا

مجھے بزمِ عدو میں اُس نے یوں دیکھا ہے چھپ چھپ کر
اِسے بھی دیکھکر دیکھا۔ اُسے بھی دیکھ کر دیکھا

لگا کر ہاتھ وہ کیا دیکھتے تھے باڑھ خنجر کی
اُٹھائی جس نے اُسکی چوٹ اُسکا بھی جگر دیکھا

مریضِ دردِ غم کا حال بدلا کب شبِ فرقت
جو وقتِ شام دیکھا تھا وُہی وقتِ سحر دیکھا

تڑپ اُٹھا کلیجا بھی ہمارا اِس تمنا میں
ترا دستِ تسلّی جب دلِ بیتاب پر دیکھا

مجھے تم دیکھکر کیوں پوچھتے ہو حال کیسا ہے
جب اتنا بھی نہ دیکھا تم نے تو کیا میرا اثر دیکھا

تمنا قتل کی پھر بھی نہیں نکلی نہیں نکلی
بڑھایا حوصلہ قاتل کا دَم خنجر کا بھر دیکھا

وہ اکثر دیکھتے رہتے ہیں شب کو چاند کی صورت
جنابِ قہر نے پھر کیا کوئی رشکِ قمر دیکھا

کہیں کیا اپنے دل پر اس ادا کا کیا اثر دیکھا
اُدھر سے پھیر کر منہ جب ستمگر نے اُدھر دیکھا

جلایا پہلے باتوں سے مٹایا پھر نگاہوں سے
وہ طرزِ گفتگو دیکھی! یہ اندازِ نظر دیکھا!

مرے دل میں نظر آئے ترے تیروں کے گھر لاکھوں
ترے دل میں اگر دیکھا تو اک دشمن کا گھر دیکھا

شبِ فرقت جو رو رو کر مجھے تو نے دکھایا ہے
وہ طوفاں کب کسی کی آنکھ نے اے چشمِ تر دیکھا

دلِ گم گشتہ کو یوں ہم نے ڈھونڈا کوئے جاناں میں
یہاں دیکھا۔ وہاں دیکھا۔ اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا

جہاں میں مرگِ عاشق کا یہ کیسا سوگ ہے یارب
نہ ماتم ہی کہیں دیکھا۔ نہ کوئی نوحہ گر دیکھا

بتایا کوچۂ جاناں۔ دکھایا چشمۂ حیواں
خضر تمکو بھی دنیا سے نرالا راہبر دیکھا

رہا کس دن نہ برپا حشر میرے گھر میں نالوں سے
جو تم نے آج دیکھا ہے۔ وہ ہم نے عمر بھر دیکھا

مرا دل لے گئیں دزدیدہ نظریں غم نہیں لیکن
مجھے تو فکر اب یہ ہے کہ ان چوروں کا گھر دیکھا

زمیں کو بھی پڑی اپنی فلک کو بھی پڑی اپنی
شبِ غم جب مرے نالوں کو مانوسِ اثر دیکھا

وہ جب منہ پھیر کر بیٹھے۔ دکھا کر دل کہا میں نے
تمہیں جانو گے۔ اب تم نے مری جانب اگر دیکھا

ہوئے پھر بھی نہ وجہِ زندگی یہ خوبرو اب تک
بہت کچھ جان دی اِن پر۔ بہت کچھ زہر کھا دیکھا

نہ پوچھے حال دل کا اور دل پہلو سے لے جائے
وہ جیسا ہے کہیں اے مہر ایسا مفت بر دیکھا

ترا یہ کب دلِ خانہ خراب ہو نہ سکا
اسے تو تجھ سے کبھی اجتناب ہو نہ سکا

جو تجھ پہ جان سے جا کر بھی جان دیتے ہیں
جواب انکا کہاں ہے جو اب ہو نہ سکا

تمہیں نہیں ہو حسیں اور بھی حسیں ہیں مگر
یہ حسن ہو نہ سکا۔ یہ شباب ہو نہ سکا

ترا خیال ہے قاصد وہ میرے گھر آئیں!
مجھے تو خواب میں بھی اسکا جواب ہو نہ سکا

جگر بھی تھام لیا میں نے عشق میں پھر بھی
سکوں تجھے دلِ پر اضطراب ہو نہ سکا

کوئی تو لا کے پلاتا جنابِ زاہد کو
مگر کسی سے یہ کارِ ثواب ہو نہ سکا

رہیں ہم انکی۔ ہماری طرح وہ فرقت میں
یہ انقلاب سے بھی انقلاب ہو نہ سکا

جو اس میں بھی تمہیں آئے نظر تو بات یہ تھی
کہ آئینے سے تمہارا جواب ہو نہ سکا

ملے گی مجکو سزا کتنے جرمِ الفت کی
حساب انکا جو روزِ حساب ہو نہ سکا

ہم اپنے دل ہی میں تم سا دکھائے دیتے ہیں
یہ کیا کہا کہ ہمارا جواب ہو نہ سکا

نگاہِ شوق سے چھپ کر بھی چھپ سکے وہ کہاں
حجاب میں بھی تو اس سے حجاب ہو نہ سکا

ستم شعار نے چپ کہہ کے کر دیا خاموش
ہماری باتوں کا جب کچھ جواب ہو نہ سکا

پھر انکے رُخ سے اِسے ہو گی قہر کیا نسبت
یہ ماہتاب اگر آفتاب ہو نہ سکا

اور کیا اُسپہ کوئی تازہ ستم توڑ دیا؟
کہ ستمگر ترے بیمار نے دم توڑ دیا

روزِ فرقت نے قیامت کوئی کم ڈھائی تھی
حشر تُو نے جو یہ مجھ پر شبِ غم توڑ دیا

پھر مجھے آئے ترے کونسے وعدے کا یقیں
تُو نے جو عہد کیا کھا کے قسم۔ توڑ دیا

وہ مری لاش پر آکر کبھی تو یہ پوچھتے ہیں،
دم چُرایا ہے کہ دمباز نے دم توڑ دیا

یہ جفا کیسی ہے ظالم۔ وہ وفا کیسی تھی
اب کرم چھوڑ دیا۔ اور ستم توڑ دیا

ابتو دنیا سے بھی اُٹھا نہیں جاتا ہم سے
اِس قدر تُو نے ہیں۔ اسے تیغِ غم۔ توڑ دیا

توڑنا کیا ہے مرے دل کا جب آیا دل میں
دے کر ابرو میں کسی شوخ نے خم۔ توڑ دیا

غیر سے پانو بلائے وہ کہیں جاتے تھے
جب برابر مرے آئے تو قدم توڑ دیا

یہ زمیں۔ ایسی زمیں۔ اور پھر اِس میں اے قہر
وہ غزل آپ نے لکھی کہ قلم توڑ دیا

کیوں نظر سے کام لیں وہ ابروئے خمدار کا
تیر سے لیں تیر کا۔ تلوار سے تلوار کا

سُن لیا ہے جب سے مژدہ اِس نے وصلِ یار کا
ہاتھ پھر کا ہے کلیجا ہجر کے بیمار کا

رُک کے چلتی ہے کبھی یہ چل کے رُکتی ہے کبھی
پھر بھی قاتل دم غنیمت ہے تری تلوار کا

جلوہ گاہِ ناز میں ہے اُسکو غش۔ اسکو سکوت
حال وہ بیہوش کا ہے۔ حال یہ ہشیار کا

دل کو ڈھونڈیں زلف میں یا گوشۂ دامن میں آپ
اور کیا ڈھونڈیں پتا ایسے خدائی خوار کا

رات بھر جاگا کئے ہم انتظارِ یار میں
ہائے وہ عالم ہمارے دیدۂ بیدار کا

دیکھئے میداں رہے آہ و نظر میں کس کے ہاتھ
ہو گیا ہے معرکہ تلوار سے تلوار کا

کر دیا ہے حشر کیوں برپا نگاہِ ناز نے
کیا کوئی آنکھوں میں تھا فتنہ تری رفتار کا

مجکو حیرت ہے چھپا کیوں اُس سے میرا دردِ دل
دیکھکر صورت بتا دے حال جو بیمار کا

وار کرنا تیغِ ابرو سے تو آتا ہے تمھیں
بوجھ اُٹھ سکتا نہیں تم سے اگر تلوار کا

کیوں ابھی خاموش رہیئے اور پڑھئے اک غزل
مہر صاحب آپ کو توڑا انھیں اشعار کا

ہائے وہ مستانہ عالم اُس بتِ میخوار کا
اور وہ اندازِ دل کش لٹ پٹی دستار کا

پوچھتے ہیں حال کیا وہ عاشقِ بیمار کا
منتظر آنکھوں میں دم ہے آخری دیدار کا

کاٹتی ہے روز سر وس بیس کا۔ دو چار کا
کیوں نہ مانے اِک جہاں لوہا تری تلوار کا

حشر سے سب ڈر رہے ہیں حشر سے ہم کیوں ڈریں
حشر تو دن ہے کسی کے جلوۂ دیدار کا

سب طرح کے خوبرو ہیں ڈھنگ ہے سب کا الگ
پیار کا۔ اطوار کا۔ رفتار کا۔ گفتار کا

خنجرِ ابرو سے میرا کام تم کرنا تمام
چلتے چلتے دم اُکھڑ جائے اگر تلوار کا

چل دیا بیہوش کر کے جلوۂ دیدار سے
مانتا ہوں۔ واہ کیا کہنا مرے ہشیار کا

اُس پہ بھی فرطِ ادب سے پانوں میں رکھتا نہیں
قابلِ تعظیم ہے سایہ تری دیوار کا

نام کو بوئے وفا۔ رنگِ وفا تجھ میں نہیں
تو کلی ہے کس چمن کی۔ پھول کس گلزار کا

بہ گیا تو بہ گیا ہو کر لہو دل ہجر میں
خیر کچھ ارماں تو نکلا دیدۂ خونبار کا

مہر سے بے مہر کہدینے پہ برہم ہو گئے
خوب یہ حیلہ نکالا آپ نے تکرار کا

ہجر کی شب کیا کہوں کیا حال تھا آزار کا
تارِ بستر بن گیا ڈورا مجھے تلوار کا

وار ہو اِک آہ کا اک ہو نگاہِ یار کا
امتحاں لازم ہے اِس تلوار اُس تلوار کا

اُنکو یہ دھڑکا کہیں مرنے سے یہ پھیرے نہ مُنھ
ہمکو یہ دعویٰ کہ ہم مُنھ پھیر دیں تلوار کا

گرمیِ خونِ شہیداں رنگ لا کر ہی رہی
آبلہ ہے ایک اِک چھالا تری تلوار کا

وہ مرا گردن جھکانا تیر کے آگے بار بار
وہ ترا ہر بار مجھ پر تولنا تلوار کا

تم نے کیوں باندھا ہے خنجر۔ تم نے کیوں باندھی ہے تیغ
وار کرتے ہیں حسیں تو حُسن کی تلوار کا

دیکھ لے بسمل ترا چہرے کے زخموں کی بہار
رکھدے اُسکے رُوبرو آب آئینہ تلوار کا

کر رہے ہو مجھ سے کیوں تاکید ضبطِ آہ کی
سہل ہے کیا روکنا چلتی ہوئی تلوار کا

بوجھ سر کا ہم نے سر دے کر اُتارا عشق میں
لیکن احساں رہ گیا سر پر تری تلوار کا

دیکھو اے قاتل وفا کہتے ہیں اسکو اہلِ عشق
دم نکلتا ہے مگر بھرتا ہوں دم تلوار کا

جس سے دریائے محبت پار کرتے ہیں شہید
گھاٹ ہے وہ کونسا ہے گھاٹ ہے تلوار کا

ایک ہیں کیا قتلِ عالم کی تمنا ہے اسے
اُف رے کس بل ۔ اُف رے دم خم آپکی تلوار کا

مہر شمشیرِ سخن تو آپ کے بھی پاس ہے
آپ بھی تو جانتے ہیں باندھنا تلوار کا

اِس تڑپنے ۔ لوٹنے ۔ مرنے سے حاصل کیا ہوا
میں نے تڑپا یا نہ قاتل کو تو بسمل کیا ہوا

نامہ و پیغام یہ جھگڑا یہ اے دل کیا ہوا
خط کے پرزے آئے اُڑ کر خط کا حاصل کیا ہوا

آپ ہی نے چھین کر مجھ سے ملایا خاک میں
آپ ہی پھر پوچھتے ہیں آپ کا دل کیا ہوا

کیوں چھُری پھرتی نہیں اب کیوں گلا کٹتا نہیں
کیا ہوا وہ زور اے بازوئے قاتل کیا ہوا

کل تو دیتا تھا ہمیں تو بے طلب جامِ شراب
آج وہ تیرا کرم ساقیٔ محفل کیا ہوا

اُف کسی کا پوچھنا مجھ سے وہ ترکِ عشق پر
کیا ہوئی وہ آنکھ تیری وہ ترا دل کیا ہوا

مار ڈالا مجکو اِس طرزِ جفا نے اور بھی
قتل کر کے پوچھتا ہے سبب قاتل کیا ہوا

دیکھکر آئینہ پہلے تو رہے وہ دم بخود
پھر کہا میں آپ اپنے سے مقابل کیا ہوا

اِسپہ کیوں بگڑے ہو ۔ کیا اِسمیں بنایا تمکو چور
میں نے اِتنا ہی تو پوچھا تھا ۔ مرا دل کیا ہوا!

ایک پہلو چین کا تھا وہ بھی اب باقی نہیں
بیقراری میں کلیجا دل کے شامل کیا ہوا

مٹ گئی اُٹھتے ہی کس کے رونقِ بزمِ نشاط
عالمِ تصویر ہے محفل کی محفل ۔ کیا ہوا!

مجھ سے کہدیتے کہ مل لیں گے ۔ ذرا سی بات تھی
وصل کا اقرار کرنا اُنکو مشکل کیا ہوا

دیدیا دل دیکھتے ہی اُس بُتِ بے مہر کو
مہر کہیئے آپ کا وہ زعمِ باطل کیا ہوا

کیا کیا تم نے مرے دل کو اگر لوٹ لیا
لوٹنے والوں نے اللہ کا گھر لوٹ لیا

دوستی بھی تو ستمگر کی قیامت نکلی
جسپہ کی اُس نے محبت کی نظر لوٹ لیا

اُنکے کوچے سے یہ آواز چلی آتی ہے
ہائے دل لوٹ لیا ہائے جگر لوٹ لیا

یہ صفائی تری نظروں کی نرالی دیکھی
کہ اِدھر آنکھ ملائی تو اُدھر لوٹ لیا

میری آہیں بھی عبث میری دعائیں بھی فضول — کہ نگاہوں نے تری اِن کا اثر لوٹ لیا
اُنکی بیباک نگاہیں کبھی خالی نہ گئیں — دل اگر ہیں نے بچایا تو جگر لوٹ لیا
اب کہاں دل ہیں کوئی بُوند لہُو کی باقی — تھا جو کچھ تُو نے وہ اے دیدۂ تر لوٹ لیا
تیری رفتار نے اندھیر مچا رکھا ہے — جو ملا اُس کو سرِ راہگذر لوٹ لیا

مہر بن ٹھن کے یئے سیر جو نکلا ہے کوئی
ہر طرف سے یہی آتی ہے خبر لوٹ لیا

توڑ کر دل ہم کو ناکامِ تمنا کر دیا — کیا کیا یہ اے ستمگر تُو نے یہ کیا کر دیا
کیا تماشا ہے کسی کے جلوۂ دیدار نے — میری چشمِ شوق کو بھی اک تماشا کر دیا
اُنکے ملتے ہی خوشی سے مر گیا اُنکا مریض — وہ یہ سمجھے ہم نے آکر اسکو اچھا کر دیا
آپ پر مرتا نہ کوئی تو جلاتے کسکو آپ — آپ کو تو مرنے والوں نے مسیحا کر دیا
ہو سکیں گے غیر کیا اپنے کہ تیرے عشق نے — دل جو اپنا تھا اُسے بھی تو پرایا کر دیا
جو نہ دیکھے تھے حسیں ہمکو دکھائے وہ حسیں — اُف رے شوقِ دید کس کس سے شناسا کر دیا
میرے نالے سے چلے گا کیا کسی کا بانکپن، — چرخِ کجرفتار کو بھی اس نے سیدھا کر دیا
دل نہ اب پھیریں گے لے کر جانتے تھے یہ تو ہم — پھر بھی جب وہ مل گئے اُنسے تقاضا کر دیا
تُو بلائے جاں بھی ہے۔ غارتگرِ ایماں بھی ہے — اک شبابِ حُسن نے اب تجکو کیا کیا کر دیا
اک تری کافر نظر نے ڈھائیں ہر سُو آفتیں — درد پیدا کر دیا۔ آزار پیدا کر دیا

مہر یہ تم نے کیا کیا۔ نالے کرکے عشق میں
خود بھی رُسوا ہو گئے اُنکو بھی رُسوا کر دیا

سنا وہ کو لسا میرے عدُو نے کام کیا — جو آج آپ نے جُھک کر مجھے سلام کیا
اگر تجھے بُتِ کافر کسی نے رام کیا — ہزار کام کا اُس نے یہ ایک کام کیا
پیا میر نے ادا جب مرا پیام کیا — مجھے یہ رشک ہوا اُن سے کیوں کلام کیا
ادا ادا سے زمانے کی جان لی اُس نے — نگہ نگہ سے ستمگر نے قتلِ عام کیا
یہ کہکے ہم نے سُنایا کسی کو قصۂ ہجر — ادھر شروع کیا اور اُدھر تمام کیا

جو بچ رہا تھا زمانے میں آسماں سے ستم — جنابِ عشق نے وہ بھی ہمارے نام کیا

دعا۔ دوا مرضِ عشق میں ہوئی بیکار — نہ اُس نے کام کیا کچھ نہ اِس نے کام کیا

جو ہم وفا میں۔ تو مشہور وہ جفا میں ہوئے — کسی نے نام نکالا۔ کسی نے نام کیا

اب آئے حشر میں وہ اب ہوا مجھے دیدار — تمام دن اِسی اُمید میں تمام کیا

وہ آکے دل میں یہ ارماں سے پوچھتے تو کبھی — مقیم کیوں ہے یہاں کس لئے مقام کیا

دوبارہ شکوۂ دشمن پہ یہ کہا اُس نے — وہی کلام ہوا پھر وہی کلام کیا

تری گلی میں رہی اِس طرح ہیں گردش — جہاں سے کوچ کیا پھر وہیں مقام کیا

بہارِ باغ کہاں اور ہم کہاں صیاد — ہمیں تو پہلے ہی تو نے اسیرِ دام کیا

چلے بھی پھر تو یوں اُٹھ کر اُس گلی سے چلے
ٹھہر ٹھہر کے ہر اک گام پر قیام کیا

میں تو مرتا ہوں کہ بے جرم و خطا مارا گیا — اُنکو پروا بھی نہیں۔ مارا گیا مارا گیا

اِک نگاہِ ناز میں کیا آپ کا مارا گیا — ہاں مگر دیکھا جسے وہ مر مٹا مارا گیا

آشنا مارا گیا۔ نا آشنا مارا گیا — سامنے تیغِ ادا کے جو گیا مارا گیا

جان اگر جاتی تو اچھا تھا کہیں جاتی بھی جان — مجکو تو رونا ہے دل کا۔ دل بڑا مارا گیا

پوچھتے ہیں قتل کرکے ہمکو وہ ایک ایک سے — مر گیا اپنی قضا سے آپ۔ یا مارا گیا

حضرتِ دل عشق میں آوارگی اچھی نہیں — کوہکن کہسار میں مارا پھرا۔ مارا گیا

باغ کے پھیرے کیے لیکن قفس کے آس پاس — کوئی جیکر بھی نہ لے بادِ صبا مارا گیا

غیر نے آکر وہاں سے یہ دیا مجکو جواب — خط ترا گم ہو گیا۔ قاصد ترا مارا گیا

عشق کرنے کا دلِ مضطر یہی انجام ہے — جو حسینوں کی ادا پر مر گیا مارا گیا

کچھ مجھے معلوم ہو۔ تو میں بتاؤں ہمنشیں — مر رہا جاکر وہاں۔ یا دل مرا مارا گیا

سر سلامت رہ نہیں سکتا طریقِ عشق میں — یہ تو وہ رستہ ہے جو اِس میں چلا مارا گیا

تیری جنبش سے ہماری جان میں جان آگئی — کیا گیا تیرا لبِ جاں بخش کیا مارا گیا

اِس طرح میں نے محبت میں بسر کی زندگی — مر مٹا۔ مرنے لگا۔ مرتا رہا مارا گیا

کھینچیے اُس پر بھی خنجر لیجیے اُسکی بھی جان
کیا عُدو پر آپ کا حقِ جفا مارا گیا؟

مدعی تیغِ ستم سے جی بچا کر چل دئے
قہرؔ بیچارہ مگر۔ مارا پڑا۔ مارا گیا

میں کس طرح کہوں کوئی ارماں نکل گیا
کب دل سے تیرے تیر کا پیکاں نکل گیا

برہم وہ میرے دیدۂ گریاں پہ ہوگئے
طوفاں اُٹھا دیا ہے کہ طوفان نکل گیا

ہمکو کہاں تھی فرصتِ نظارۂ بہار
کی آستیں رفو۔ تو گریباں نکل گیا

خوفِ خزاں نے داغِ جنوں ہی مٹا دئے
دل میں جو تھا بہار کا ساماں نکل گیا

کیا جانے اہلِ عشق پہ کرتا ہے کون ظلم
تیرا تو نام گردشِ دوراں نکل گیا

ہم نامرادِ سیرِ چمن ہی نہیں جنوں
ہم سے ہزار کوس بیاباں نکل گیا

کتنا ہے توڑ اس ترے چھوٹے سے تیر میں
دل کیا جگر سے ناوکِ مژگاں نکل گیا

ہم نے اسی کو عشق میں سمجھا مرادِ دل
دس بیس میں جو ایک بھی ارمان نکل گیا

بیٹھے بٹھائے قہرؔ کو اُچھلا یہ کیا جنوں
گھر سے جو آج سُوئے بیاباں نکل گیا

سخت جانی سے مری بیکار خنجر ہوگیا
اور یہ اُنکا نیا الزام مجھ پر ہوگیا

دیکھ کر تجھکو مرا دل اور مضطر ہوگیا
یہ ترا ملنا نہ ملنے کے برابر ہوگیا

جب کہا میں نے ستمگر اُنکو وہ بولے۔ چہ خوش
آپ کے کہنے سے کیا کوئی ستمگر ہوگیا

مجھ سے اُلفت ہے تمھیں۔ دشمن سے نفرت ہے تمھیں
ہوگیا۔ ہاں ہوگیا۔ یہ مجکو باور ہوگیا

اُسکو پہنچایا اسی نے آستانِ یار تک
میرے دل کا شوق میرے دل کا رہبر ہوگیا

کرتے رہیئے گا کرم بھی مجھپہ چوتھے پانچویں
ورنہ کیا لطفِ ستم جب کوئی خوگر ہوگیا

ہوگئی جو کچھ جفا اُلفت میں مجھ پر ہوگئی۔
ہوگیا جو کچھ ستم فرقت میں دل پر ہوگیا

کیجئے لُطف و کرم یاد کیجئے آزار و غم،
اب تو یہ دل آپ کا اے بندہ پرور ہوگیا

ہائے کب آئی ہے بیمارِ محبت کو اجل
وعدہ جب اُس نے کیا۔ وعدہ برابر ہوگیا

بہ گیا اس سے چھلک کر اپنا آنسو ایک ایک
دیدۂ تر فرقتِ ساقی میں ساغر ہوگیا

تھی جو یکتائی کی شانِ حُسن رکھی رہ گئی ،
وہ پشیماں سامنے آئینہ رکھ کر ہو گیا

کیوں نہیں اے مہرؔ تجکو خانہ ویرانی کا غم
کیا کسی بے مہر کے دل میں ترا گھر ہو گیا

میں اُسپہ دل سے جان سے قربان ہو گیا
پُورا ہزار میں جو اِک ارمان ہو گیا

گو دل میں ضبطِ گریہ سے طُوفان ہو گیا
پوشیدہ راز تو کسی عنوان ہو گیا

کیوں دم کا توڑنا مجھے آسان ہو گیا
کیا یہ بھی بے وفا ترا پیمان ہو گیا

آخر کو رہتے رہتے گریبان کے قریب
دستِ جُنُوں ہی میرا گریبان ہو گیا

پیکاں کو دیکھتا ہے اِسے دیکھتا نہیں
کیا حال میرے دل کا مری جان ہو گیا

کرتے ہیں عُذرِ جور سے کیوں آپ منفعل
میں خود ہی شکوہ کر کے پشیمان ہو گیا

یہ میں ہی جانتا ہُوں دِلِ خانماں خراب
ویران کر گیا ہے کہ ویران ہو گیا

مِلتا ہے دل تو ہوتا ہے انساں مطمئن ،
میں تم سے دل مِلا کے پریشان ہو گیا

آتے ہی اُنکے اِسکی بھی صُورت بدل گئی
دل میں ہمارے اور ہی سامان ہو گیا

میرے نصیب میں غمِ جاوید بھی نہیں
میں اپنے اِس نصیب کے قربان ہو گیا

گردن اُٹھی نہ پھر بھی گنہگارِ عشق کی
بخشا جو تُو نے جُرم تو احسان ہو گیا

وہ کیوں نکالتے ہیں مجھے بزمِ ناز سے
میں کیا دلِ رقیب کا ارمان ہو گیا

جب دیکھو اِسکو ہے رُخِ روشن کے سامنے
آئینہ بھی تو اُن کا نگہبان ہو گیا

اپنی نگاہِ ناز سے تم کیوں نہ پُوچھ لو
میں کیا بتاؤں کیا مرا نقصان ہو گیا

نکلا نہ پھر کبھی مرے ارمان کی طرح
تیرِ نگاہ دل میں جو مہمان ہو گیا

آبادِ بیکسی ہے یہاں تو شبِ فراق
کیونکر کہُوں کہ گھر مرا ویران ہو گیا

اللہ رے مہرؔ آپ کی جادُو بیانیاں
جو شعر کہہ دیا وُہی دیوان ہو گیا

ردیفِ بائے موحدہ

یوں کہہ رہے ہو درد ترا بے نشاں ہے اب
دل سے ہٹا دو ہاتھ تو ڈھونڈوں یہاں ہے اب

کیوں لطف کے عوض ستم ناگہاں ہے اب
پہلے جو آسماں تھا وہی آسماں ہے اب

کہتے ہو یہ کہ حسن کا سودا گراں ہے اب
یہ بھی تو سوچ چاہنے والا کہاں ہے اب

پہلے تو بات بات پہ یہ گالیاں نہ تھیں
کیا آپ کے دہن میں عدو کی زباں ہے اب

یہ کہہ کے چپ کیا مجھے ظالم نے روزِ حشر
تیری زباں سے میری جفا کا بیاں ہے اب

مٹھی عدو کی باندھ کر اپنا دکھا کے ہاتھ
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں ترا دل کہاں ہے اب

اس ڈر سے وہ نہ آئے دلِ بیقرار میں
سمجھے کہ زلزلے میں ہمارا مکاں ہے اب

تسکین دے کے وہ تو بڑی چال کر گئے
مجکو خبر نہ تھی کہ مرا امتحاں ہے اب

روتے تھے ہم تو ایک ہی دشمن کی جان کو
اُسپر شریکِ حال عدو آسمان ہے اب

تم سے ملے تو خاک میں سب لطف مل گیا
وہ ولولہ۔ وہ شوق۔ وہ حسرت کہاں ہے اب

دیکھی ہے بزمِ ناز میں کوئی تو ایسی بات
میری طرح عدو بھی مرا بدگماں ہے اب

زندہ تھا دل تو مرنے کی تھی آرزو ہمیں
ہر دم ہمارے لب پہ فغاں ہی فغاں ہے اب

دیتے ہم انکو دل کی طرح اپنی جان بھی
یہ کیوں نہ کہدیا کہ ترا امتحاں ہے اب

نیرنگئ چمن سے چمن کا یہ رنگ ہے
جس گل کو دیکھتا ہوں وہ برگِ خزاں ہے اب

بے چین کرتے رہتے ہیں اسکے سلوک بھی
اپنی وفا پہ تیری جفا کا گماں ہے اب

اسکو بھی ہجرِ غیر نے مجھ سا بنا دیا
بیتاب میں یہاں ہوں وہ مضطر وہاں ہے اب

ہم مرمٹوں کی قبر نہ پامال کیجئے
کوئی نشاں نہیں ہے بس اتنا نشاں ہے اب

اے مہر لاگ بھی ہے اُسے کچھ لگاؤ بھی
نامہرباں جو تھا کبھی - وہ مہرباں ہے اب

میں ہوں گردش میں ادھر اور اُدھر جام شراب
بن گیا ہے مری تقدیر مگر جام شراب

رات بھر کے لئے وہ جشن تھا میخانے کا
نظر آیا نہ مجھے وقتِ سحر جام شراب

اے فلک یاد ہیں اُن مست نگاہوں کی مجھے
ہیں چھلکتے ہوئے یہ دیدۂ تر جام شراب

رحم ساقی کو نہ آیا۔ تو نہ آیا۔ مجھ پر
کر لیا تو نے بھی پتھر کا جگر جام شراب

میکدے سے نہ تعلق ہے نہ ساقی سے غرض
جب سے آنکھوں میں سمائی ہیں وہ بدمست آنکھیں

میں اُدھر پھرتا ہوں پھرتا ہے جدھر جامِ شراب
ہم نے دیکھا ہی نہیں بھر کے نظر جامِ شراب

حضرتِ قہرؔ کا ایمان نہیں جا سکتا
توبہ کر لی ہے۔ پیا بھی ہے اگر جامِ شراب

ہیں تو پیاری وہ ادائیں سب کی سب
کس طرح دل میں سمائیں سب کی سب

قہر ہیں اُن کی ادائیں سب کی سب
یہ جفائیں۔ وہ جفائیں سب کی سب

وہ نہ مانیں بات۔ یہ ہے اور بات
کر تو لیں ہم التجائیں سب کی سب

اِس لئے زندہ ہُوں میرے بعد اُنھیں
رنج دیں گی یہ وفائیں سب کی سب

اُن اداؤں سے بچائے جان کون
بجلیاں دل پر گرائیں سب کی سب

ایک بھی دشمن کی قسمت میں نہ تھی
آئیں مجھ پر ہی بلائیں سب کی سب

کیا نزاکت۔ کیا شرارت۔ کیا حیا
کُھب گئیں دل میں ادائیں سب کی سب

رحم مجھ پر اُن کو آپ آجائے گا
ہو چکیں گی جب جفائیں سب کی سب

تیر بن جائیں گی ظالم کے لئے
دردمندوں کی صدائیں سب کی سب

جب سُنا یہ بند ہے بابِ قبول
ہو گئیں آہیں دعائیں سب کی سب

تم نے چاہا۔ تم نے چھیڑا اُسکو قہرؔ
ہیں تمہاری ہی خطائیں سب کی سب

ہر گھڑی رہنے لگا ہاتھ میں خنجر کیا خوب
ہو گیا نام ترا شوخ ستمگر کیا خوب

سنبھلو سنبھلو کہ نکل جائے نہ ہاتھوں سے مزاج
تم تو آپے سے ہوئے جاتے ہو باہر کیا خوب

آپ کو میری کسی بات کا آئے نہ یقیں
اور مجھکو سخن آپ کا باور کیا خوب

طعن اِسے سمجھوں کہ تعریف بھلا کیا سمجھوں
وہ کہے جاتے ہیں ہر بات کو گُھنکر کیا خوب

ابھی راضی تھے۔ ابھی ہو گئے مجھ سے ناراض
بات کرنے میں بگڑ جاتے ہیں تیور کیا خوب

اِس کا مُنھ دیکھو۔ ذرا اِس کا کلیجا دیکھو
آئینہ رہنے لگا اُن کے برابر کیا خوب

زلف برہم بھی نہیں جس سے سنواری جاتی
وہ اُٹھاتے ہیں اُسی ہاتھ سے خنجر کیا خوب

پھر کچھ زور ہے۔ اُٹھئے۔ نہیں ہلتا کوئی
آپ تو بیٹھے ہیں دھنّا دئے در پر کیا خوب

ہو جو منظور امتحانِ رقیب
لیجئے دل سے پہلے جانِ رقیب

پوچھتا کون اُسے زمانے میں
تم بڑھاتے اگر نہ شانِ رقیب

اِس قدر میں ہُوں عشق میں بدظن
مجھکو تم پر بھی ہے گمانِ رقیب

میری آہوں نے کر دیا برباد
مل چکا اب تمھیں نشانِ رقیب

کیا وہ کھولے گا مُنہ مرے آگے
بند ہو جائے گی زبانِ رقیب

آتے آتے کدھر گیا کوئی
ہے سرِ راہ کیا مکانِ رقیب

آپ کا دوست ہے۔ مرا دشمن
ہے یہ کیا خوب چیستانِ رقیب

میں پھروں تجھ سے تو خدا سے پھروں
قول میرا نہیں بیانِ رقیب

آپ تعریف کر چکے اُس کی؟
سُنیئے اب مجھ سے داستانِ رقیب

ایک عالم کی جان لی تم نے
کیوں نکالی گئی نہ جانِ رقیب

پھر اِسی بات پر وہ بگڑے ہیں
کیوں کہا اُن کو مہربانِ رقیب

ردیفِ بائے فارسی

جذبِ اُلفت جو دکھائے گا اثر آپ سے آپ
وہ چلے آئیں گے کھنچکر مرے گھر آپ سے آپ

دمِ نظّارہ پھرے ہیں وہ جدھر آپ سے آپ
پھر گئی دیکھنے والوں کی نظر آپ سے آپ

ہو گیا عشق و محبت کا اثر آپ سے آپ
آپ ہی آپ اُدھر اور اِدھر آپ سے آپ

آپ رکھیں تو سہی ہاتھ مرے سینے پر
اُبھر آئیں گے مرے داغِ جگر آپ سے آپ

اُس نے کیا تیز نگاہوں سے اِدھر دیکھا ہے
دل ہُوا ہے ہدفِ تیرِ نظر آپ سے آپ

حالِ غم کی مرے ہوتی نہیں کیوں اُنکو خبر
دل کی ہوتی ہی اگر دل کو خبر آپ سے آپ

دیکھ قاتل رہِ تسلیم اِسے کہتے ہیں
تیغ اُٹھتے ہی جُھکا ہے مرا سر آپ سے آپ

وہ چھپاتے ہی رہے اور یہ مشہور ہوئی
شرم سے نیچی رہیں گی وہ نگاہیں کب تک
جس قدر خاک اُڑائی تھی وہاں ڈھیر ہوئی

اُڑ گئی غیر سے ملنے کی خبر آپ سے آپ
مل ہی جائے گی کسی روز نظر آپ سے آپ
بن گیا کوچۂ دلدار میں گھر آپ سے آپ

کیوں بگڑتے ہو تمھیں مہر نے کب دیکھا ہے
اچھی صورت پہ تو پڑتی ہے نظر آپ سے آپ

کام لیتے ہی نہیں کچھ اپنے اِحسانوں سے آپ
لطف جب ہے ایک کی نیچی نظر ہو ایک سے
میں نے چھیڑا اُنکی زلفوں کو تو وہ کہنے لگے
پاس رہنے میں بھی ہو جاتا ہے اُلفت کا اثر
غیر بھی انساں ہیں کچھ وہ فرشتے تو نہیں،
آیئے دل میں تو ارمانوں کو میں رخصت کروں

دل میں بھی آئے تو آئے کتنے ارمانوں سے آپ
ہم وفاؤں سے کریں شرمندہ احسانوں سے آپ
چھیڑ کیوں کرتے ہیں ناحق ان پریشانوں سے آپ
بچتے رہیئے گا ذرا اپنے نگہبانوں سے آپ
ہو کے رشکِ حور کیوں ملتے ہیں انسانوں سے آپ
ہر طرح بڑھکر ہیں مجکو میرے مہمانوں سے آپ

کیوں جناب مہر اُسکو دیکھ کر گھبرا گئے
کام لیتے کچھ تو اپنے تازہ اوسانوں سے آپ

کیا جوانی نے سنوارا رنگ رُوپ
ہو گئی تم کو رقیبوں کی نظر
کیوں نہ دیکھوں چاند سورج کی طرف
میری نظروں میں وہ عالم کھپ گیا
ہے جوانی کی جوانی تک بہار
اپنی صورت پر تصدق تم بھی ہو
کیوں نہ آئے پیار تجکو دیکھ کر

رنگ لایا ہے تمھارا رنگ رُوپ
لُٹ گیا محفل میں سارا رنگ رُوپ
مانگ لائے ہیں تمھارا رنگ رُوپ
بن گیا آنکھوں کا تارا رنگ رُوپ
آ نہیں سکتا دوبارا رنگ رُوپ
تم پہ صدقے ہے ہمارا رنگ رُوپ
پیاری صورت ہے پیارا رنگ رُوپ

کہہ رہا ہے اُنکا بچپن آج مہر
دیکھنا اک دن ہمارا رنگ رُوپ

ردیفِ تائے فوقانی

کبھی نہ آپ نے کی بانکپن سے خالی بات
نرالے آپ ہیں۔ ہے آپ کی نرالی بات

ستم ہے تیرے لئے کھیل اور گالی بات
اُسی کی بات ہے جس نے تری اٹھالی بات

جو دل دیا تھا تو اپنا جگر بھی دیدیتے
یہ ایسی بات ہی کیا تھی جو تم نے ڈالی بات

وہ چُپ تھے محفلِ دشمن میں کوئی بات نہ تھی
مگر ہمیں نے انھیں چھیڑ کر بڑھالی بات

سوالِ وصل پہ ظالم نے کس صفائی سے
عُدو کے ہجر کا افسوس کر کے ٹالی بات

الٰہی اُنکے فرشتے تو میرے ساتھ نہیں
اُدھر پہونچ گئی مُنھ سے اِدھر نکالی بات

خدا کے واسطے اِنکارِ وصل سے نہ کرو
تمھارے ہونٹھ ہلے اور ہم نے پالی بات

نہو سکے گا کسی کے کئے سے کچھ ناصح
کہ ہو کے رہتی ہے آخر کو ہونے والی بات

تری نگہ نے اُڑا ہی لیا تھا دل میرا
خدا نے خیر کی۔ بگڑی ہوئی بنالی بات

عُدو کے بھیس میں سب حالِ ذوق و شوق کہا
بڑی ہی گھات سے ہم نے وہاں جمالی بات

وہ سوچ کر بھی کسی کا جواب دے نہ سکا
جنابِ مہرؔ نے ہر بات میں نکالی بات

بھولنے کی نہیں یہ مُرغِ گرفتار کی بات
رہ گئی ساتھ ہی گلزار کے گلزار کی بات

دل میں کیوں زخم نہ ڈالے نگہِ یار کی بات
بات بھی تیغ کی پھر تیغِ ستمگار کی بات

پوچھ لے چل کے بتا دے گی قیامت تجکو
جانتی ہے وہ تری شوخیِ رفتار کی بات

دل ہی ٹھہرا ہے تری ایک نظر کی قیمت
اِس نے بازار میں رکھی ہے خریدار کی بات

پھانس کر زلف دلِ زار کو بل کی پھر لے
پہلے پوچھے تو ذرا اپنے گرفتار کی بات

کر کے پیمان وہ جس وقت مکر جاتے ہیں
بات اِقرار کی ہوجاتی ہے اِنکار کی بات

کچھ کہا میں نے تو مُنھ پھیر لیا کیوں تم نے
کیا اُدھر سُنتے تھے بیٹھے ہوئے دیوار کی بات

روز جھگڑے جو اِسی طرح رہیں گے تجھ سے
آئے دن جائے گی درباں دلدار کی بات

شکوۂ غیر کیا جب تو کہا جھنجھلا کر
بس جی بس۔ ہم نہ سنیں گے کوئی تکرار کی بات

کیوں نہ مسرور ہو۔ مغرور ہو۔ وہ اے ساقی
ایک ساغر سے بنے جب کسی میخوار کی بات

وہ جگا کر مجھے آنکھوں سے ہوئے ہیں اوجھل
خواب میں بھی جو ہوئی ہے کبھی دیدار کی بات

کیا کریں کرتی ہے اُنکو تو محبت مجبور
اُنسے ڈالی نہیں جاتی کبھی اغیار کی بات

ہجر میں دھوم مچانے کو بُرا کہتا ہے
ہے زمانے سے نرالی مرے غمخوار کی بات

جب اُٹھاتے وہ اُٹھائے ہیں جہاں سے لاکھوں
کبھی بیجی نہ پڑی خنجرِ دلدار کی بات

مہر دل سے جو اسے لوگ پڑھیں اور نہیں
ایسی کیا تیری غزل ہے کوئی اخبار کی بات

تھی قیامت کی بیقراری رات
ہات دل پر رہا ہے ساری رات

چشمِ بیمار کے تصور میں
دلِ بیمار پر تھی بھاری رات

یہ خبر آپ کو بھی ہے کہ نہیں
کوئی کرتا تھا آہ و زاری رات

یاد ہے وصل کا سماں ابتک
وہ سہانی وہ پیاری پیاری رات

کوئی کیونکر جیئے گا فرقت میں
دن چھری ہو تو ہو کٹاری رات

کی سحر تو نے شمع رو رو کر
یوں گزاری کہ تو نے کیا گزاری رات

تم رہو شاد۔ ہم رہیں ناشاد
اِک ہماری ہو اک تمہاری رات

وہ نہ آئے تو ہم نے فرقت میں
کیا کہیں کس طرح گزاری رات

مہر کو دیکھ کر کہا اُس نے
آپ رہتے کہاں ہیں ساری رات!!

اب نہ دینا مجھے غم بار دگر ہجر کی رات
تو ہی جانے کی پھر آئی جو اِدھر ہجر کی رات

اور ہوتا ہے سوا دردِ جگر ہجر کی رات
شام سے کرتے ہیں مر مر کے سحر ہجر کی رات

موت سے کم نہیں ایک ایک گھڑی میرے لئے
جان آجائے وہ آجائیں اگر ہجر کی رات

وہ تو اے دل گئے ہنستے ہوئے اغیار کے گھر
تیرے نالوں نے کیا خاک اثر ہجر کی رات

میں شبِ وصل یہ اِترا کے کہا کرتا ہوں
بھول کر اب کبھی آئے نہ اِدھر ہجر کی رات

سرنگوں غم سے ہوں یا مجھپہ فلک ٹوٹ پڑا
کہ اٹھائے سے بھی اٹھتا نہیں سر ہجر کی رات

وہ اُدھر جانے نہ پائے یہ ادھر آبیٹھی
جیسے باندھے ہُوئے بیٹھی تھی کمر ہجر کی رات

پھر کیوں ایسے پریشان ہُوئے جاتے ہو
آخر انسان ہی کرتے ہیں بسر ہجر کی رات

آغاز ہیں کیونکر کُھلے انجامِ محبت
کچھ صُبحِ محبت تو نہیں شامِ محبت

دم دیتے ہیں گھٹ گھٹ کے تہِ دامِ محبت
یہ کام بڑا کرتے ہیں ناکامِ محبت

سمجھے کوئی کیا اُسکو ے آشامِ محبت
جس نے کبھی چھوٹوں نہ پیا جامِ محبت

ہم عشق میں تکلیف اُٹھا کر ہی جیئں گے
دشمن کو مُبارک ہے آرامِ محبت

ہر وقت مری یاد میں دم ہیں نظر میں
اللہ رے۔ اللہ رے ایامِ محبت

جب پُوچھتے ہیں مجھ سے وہ کیا نام ہے تیرا
کہتا ہُوں جگر تھام کے بدنامِ محبت

اغیار پہونچ جائیں نہ گر پڑ کے وہاں تک
اُونچا ہوا بھی اور ذرا بامِ محبت

عاشق ہیں کہ معشوق ہیں کوئی نہ رہیں گے
رہجائے گا دُنیا میں فقط نامِ محبت

عاشق جو کسی پر ہو تو معلوم ہو ناصح
یہ رنجِ محبت ہیں یہ آلامِ محبت

کس طرح کروں ترکِ وفا مجکو یہ ڈر ہے
بدنام نہ ہو جائے کہیں نامِ محبت

اللہ اثر دے مرے قاصد کے بیاں میں
کہنا ہے کسی سے اُسے پیغامِ محبت

پھر پھر نہ کیوں چھیڑ کے ہر بات یہ سُنئے
معشوق کی گالی تو ہے دُشنامِ محبت

تمکو ہو میرے ملنے کا ارماں بجا درُست
جی ہاں بجا درُست ہے۔ جی ہاں بجا درُست

چُبھتی نہیں ہیں آپ کی مژگاں بجا درُست
میں نے ہی دل میں توڑے ہیں پیکاں بجا درست

تم اور مجھ سے وصل کا پیماں بجا درُست
ہاں ہیں کہو تو کہدوں کہ ہاں ہاں بجا درست

نکلے ہیں اپنے گھر سے وہ میرے ہی واسطے
میرے ہی گھر تو آئیں گے مہماں بجا درُست

سچ ہے وہ تم پہ آپ ہی قربان ہو گئی
تم تو نہیں تھے جان کے خواہاں بجا درُست

تم اور تم سے ہو مجھے اُمید وصل کی
دل اور دل سے نکلے یہ ارماں بجا درُست

پاسِ ادب سے حضرتِ ناصح کی بات پر
کہتا ہوں ہاتھ باندھ کے جی ہاں بجا درُست

تکلیف آسماں سے کرتے ہیں کیوں مسیحؑ
ہو اُن سے میرے درد کا درماں بجا درست

رو کوں جو اشک ناصحِ ناداں تو فائدہ
تھم جائیں میرے دیدۂ گریاں بجا درست

مجھ سے وفا و مہر کے دعدے غلط دروغ
تیرا عدو سے وصل کا پیماں بجا درست

اے مہر کچھ وہ کہتے تو کھلتا کبھی حالِ دل
تکیہ کلام اُنکا رہا۔ ہاں بجا درست

جان کھونی ہے ترے عشق میں آساں بہت
مشکلیں یہ ہیں تو ہو جائیں گے قرباں بہت

اُٹھ کے تم صبح شبِ وصل کہاں جاتے ہو
حسرتیں دل میں بہت ہیں ابھی ارماں بہت

پانو پر اُن کے گرائیں جو گرا غش کھا کر
جا کرا وساںؔ ہے ہیں مرے وسان بہت

کیوں نکلتا نہیں اب خارِ تمنا دل سے
کہ کھٹکنے کے لئے ہیں ترے پیکاں بہت

وادیٔ عشق کی راہوں سے خبردار نہیں
حضرتِ خضر نے چھانے تو بیاباں بہت

وہ ستمگر نہ ستم سے کہیں توبہ کر لے
دیکھ کر مجکو وفاؤں سے پشیماں بہت

خُلد میں حور کی جانب ہو کشش کیا دل کو
اُس سے اچھے نظر آئے مجھے انساں بہت

کیا کہا پھر کہو۔ ارمان تمہارا کیا ہے
جان کر تم تو بنے جاتے ہو انجان بہت

ہجر کے دن کی مصیبت کو اُٹھاؤں کس پر
میرے سر پر ہیں شبِ وصل کے احساں بہت

دیکھ کر اُنکو نہ کہتا ہے نہ کچھ سُنتا ہے
آپ ہی آپ ہوا آئینہ حیراں بہت

کیا ہوا زلف سے اُلجھے کہ لڑے دشمن سے
آپ آتے ہیں نظر آج پریشاں بہت

وصل قسمت میں لکھا ہے تو نہیں غم اے مہر
خود بخود ملنے کے ہو جائیں گے ساماں بہت

ردیف تائے ہندی

اُف ترے خنجرِ اَبرو کا اشارا جھٹ پٹ
ایک ہی وار میں دو چار کو مارا جھٹ پٹ

روز کے جور اُٹھائے دلِ محزوں کب تک
جان لینی ہے تو لے لے ستم آرا جھٹ پٹ

یا تو دل پھیریئے یا دیجئے دل کی قیمت
فیصلہ کیجئے للہ ہمارا جھٹ پٹ

گرتے ہی خاک میں کیوں اشک ہمارے ملتو — دستِ مژگاں انھیں دیتا جو سہارا جھٹ پٹ
وصل کی رات تو لے چرخ کٹی یا تو نہیں — ہجر کا دن بھی کبھی تو نے گزارا جھٹ پٹ
محفلِ ناز میں قدموں پہ گرا میں جو کبھی — اُس نے گھبرا کے رقیبوں کو پکارا جھٹ پٹ
عمر بھر جلتے ہیں اس آگ میں جلنے والے — سوزِ غم کا کہیں بجھتا ہے شرارا جھٹ پٹ
تم جو بگڑو تو بگڑ جائے زمانہ فوراً — تم بنا دو تو بنے کام ہمارا جھٹ پٹ
حسرتِ قتل ترے کشتوں کی اللہ اللہ — پھر بھی خواہش ہو کہ زندہ ہوں دوبارا جھٹ پٹ
میری میت پہ بھی تم آئے بڑی دیر کے بعد — دفن کر کے بھی کیا تم نے کنارا جھٹ پٹ
چمکی جلوے کی جو اُس روزنِ در سے بجلی — کر لیا دیکھنے والوں نے نظارا جھٹ پٹ
بحرِ اُلفت کا کنارا تھا بہت دور مگر — میری ہمت نے مجھے پار اُتارا جھٹ پٹ

قہرؔ سے وہ کے برتاؤ تو برسوں نہ کئے
ہو گیا غیر مگر آپ کا پیارا جھٹ پٹ

دل کی دبی تو اُبھری ہمارے جگر کی چوٹ — یہ دیکھ چارہ گر ادھر آئی اُدھر کی چوٹ
یوں کیا بتاؤں کیسی ہے تیرِ نظر کی چوٹ — دیکھے اگر کوئی تو دکھاؤں جگر کی چوٹ
پھوڑا کسی سے سر کبھی پھوڑا کسی سے سر — مجھ پر اُچٹ کے آگئی دیوار و در کی چوٹ
اُلفت میں اور کون کرے گا مقابلہ — دل ہی اُٹھائے گا نگہِ فتنہ گر کی چوٹ
فرہاد تو نہیں ہوں جو ظاہر ہو چارہ گر — کیا میرے دل کی چوٹ بھی ہے اسکے سر کی چوٹ
دل میں ہے اسکا زخم جگر میں ہے اسکا داغ — خالی گئی نہ کوئی تمھاری نظر کی چوٹ
واعظ پھر ایسی بات کے کہنے سے فائدہ — جس سے لگے کسی کے نہ دل پر اثر کی چوٹ

دل میں بٹھا کے ناوکِ مژگانِ یار کو
ہم نے اُٹھائی قہرؔ یہ اک عمر بھر کی چوٹ

ردیفِ ثائے مثلثہ

اُس جفاکار سے ہے وصل کا اصرار عبث — یہ ترا شوق، تری ہٹ ہے دلِ زار عبث

جب اسے جانتے ہو تم کہ ہے بیکار عبث
پھر وفا تم سے کرے کوئی وفادار عبث

ناوکِ ناز کے بسمل یونہیں مر جائیں گے
اِن غریبوں پر اُٹھاتے ہیں وہ تلوار عبث

دل ہی رکھنا نہیں آتا جو کسی کا تم کو
دل کے گاہک ہو عبث دل کے خریدار عبث

قصۂ روزِ جزا کون سُنے گا ناصح
آپ ہوتے ہیں اِسے کہکے گنہگار عبث

اِس سے ہوتی ہے مریضانِ محبت کو شفا
لوگ کہتے ہیں تری آنکھ کو بیمار عبث

کوُئے اُلفت میں یونہیں لوگ مٹے جاتے ہیں
تم دکھاتے ہو انھیں شوخیِ رفتار عبث

حُور و کوثر پہ تو تم جان دیئے دیتے ہو
زاہدو ہے مے و معشوق سے اِنکار عبث

چشمِ عاشق سے ملے دیدۂ عاشق پہلے
چھُپتی پھرتی ہے دلوں میں نگہِ یار عبث

جب یہ عادت ہے کہ تم وعدہ کرو اور نہ آؤ
کر لیا کرتے ہو پھر وصل کا اقرار عبث

دشمنوں سے کبھی ہوگی نہ وفا یاد رہے
مُنھ لگایا ہے اُنھیں آپ نے سرکار عبث

کوئی مصرع نہیں معیارِ محبت سے الگ
منتخب کرتے ہیں وہ مہرؔ کے اشعار عبث

یہ کیوں ہے ظلم مجھ پر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث
بتا تو اے ستمگر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

کبھی تیری جبیں سے ہم نے بل مٹتے نہیں دیکھے
کھچے رہتے ہیں خنجر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

مرے دل کی تمنا تو نہیں ہے مُہرِ خاموشی
وہ چُپ ہیں اس کو سُن کر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

کبھی بھُولے سے تم نے ہاتھ رکھ کر میرے سینے پر
نہ پُوچھا کیوں ہو مضطر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

انھیں میں دیکھ کر حیراں۔ مجھے وہ دیکھ کر حیراں
نہیں کھُلتا کسی پر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

عُدو کی بزم میں جاتے ہو ہمسائے میں آتے ہو
نہیں آتے مرے گھر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

جو کچھ مجھ پر محبت میں گزرتی ہے گزرتی ہے
کہوں اے بندہ پرور کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

زباں سے حرفِ مطلب تو رقیبوں نے نکالا تھا
چھُری نکلی ہے مجھ پر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

کہو اے مہرؔ اُلفت میں تمہارا حال کیسا ہے
رہا کرتے ہو مضطر کیا سبب کیا وجہ کیا باعث

ردیفِ جیم تازی

کیا وعدۂ فردا کا مجھے آئے یقیں آج
جب کل کی تمھاری وہ نگاہیں نہ رہیں آج

دشمن نے کیا ہے ترے کچھ ذہن نشیں آج
ہم تاڑ گئے وہ تری نظریں ہی نہیں آج

نکلیں گے تو ہم مر ہی کے نکلیں گے یہاں سے
چھٹتی ہے کوئی آپ کے کوچے کی زمیں آج

کیا تفرقہ ڈالا ہے محبت نے الٰہی
میں اور کہیں دل ہے مرا اور کہیں آج

کرنے ہیں کچھ اُس بُت کو مجھے شکر کے سجدے
مل جائے تو مانگوں کسی زاہد کی جبیں آج

میں حشر میں دل اپنا طلب کرکے تو دیکھوں
ہاں مُنھ سے نکلتی ہے تمھارے کہ نہیں آج

کندہ ہیں اسی پر ہے ترا نقشِ محبت
یہ دل بھی ہمارا ہے سُلیماں کا نگیں آج

مانگی تھیں دُعائیں تری شوخی کی ہمیں نے
کرتے ہیں شرارت کی شکایت بھی ہمیں آج

ہے آپ کے ملنے کا کوئی دن بھی مقرر
جس روز گئے ہم تو سُنا گھر میں نہیں آج

دُہرا شبِ فرقت ہے الم جانِ حزیں پر
وہ میرے قریں آج نہ دل میرے قریں آج

یارب مرے اُنکے لئے کیوں آئے قیامت
ہونا ہے جو کل حشر میں ہو جائے یہیں آج

کیا تم اِسی خنجر سے مجھے قتل کروگے
بیٹھے ہو بڑی دیر سے کیوں چین بجبیں آج

وہ قہر تھا جس نے ترے آزار اُٹھائے
اب نازِ اُٹھائے کوئی اتنا بھی نہیں آج

ہو نرالے اِک شخص کیا نازنیں نازک مزاج
اور دنیا میں نہیں کیا نازنیں نازک مزاج

پھرتے ہیں آنکھوں میں پھرتے ہیں نگاہِ شوق میں
اور ہیں پھر دلنشیں کیا نازنیں نازک مزاج

وصل میں پاسِ نزاکت سے نکلنا قہر تھا
حسرتیں دل میں تھیں کیا نازنیں نازک مزاج

جھک گئی جس وقت پھر یہ جھک کے اُٹھتی ہی نہیں
ہے نگاہِ شرمگیں کیا نازنیں نازک مزاج

قتل پر کیوں تیغ اُٹھانے میں تامل ہے تمھیں
ہم نے دیکھے ہی نہیں کیا نازنیں نازک مزاج

جان نکلی جسم سے تو پھر نہ آئی جسم میں
اِس مکاں کا ہے مکیں کیا نازنیں نازک مزاج

ہم نے دیکھے۔ ہم نے چاہے ہم نے برتے ہیں بہت
کیا حسیں کیا مہ جبیں۔ کیا نازنیں نازک مزاج

بارِ غم کا بھی اُٹھانا اِس کو مشکل ہو گیا
ہے دلِ اندوہگیں کیا نازنیں نازک مزاج

قتلِ دشمن سے تجھے اغماض کیوں ہے اس طرح
تیغ اُٹھ سکتی نہیں کیا نازنیں نازک مزاج

حالِ دل سُن کر تو ہو جاتا ہے پیدا سر میں درد
پھر کہے مہرِ حزیں کیا نازنیں نازک مزاج

ہے مری بیماریٔ غم لاعلاج
چارہ گر کیسی دوا کیسا علاج

سوچتے ہیں جو مرے دل کا علاج
سب سے پہلے وہ کریں اپنا علاج

ٹالتے ہو کیوں مریضِ ہجر کو
صاف کہہ دو ہو نہیں سکتا علاج

جانتا ہوں میں ضرر آئے گا وہ
دل کی بیتابی کا لیکن کیا علاج

ڈالدی جس پر نظر وہ مر گیا۔
یہ نکالا آپ نے اچھا علاج

جان کھو کر ہجر میں پائی شفا
آپ ہم نے کر لیا اپنا علاج

وہ یہاں آئے ہیں لے کر غیر کو
کیا نکالا ہے شکایت کا علاج

کہتے ہیں۔ ہم تجکو اچھا کر دیں
تو سنو اچھا تو پھر تیرا علاج

اِک مریضِ غم نہ اچھا ہو سکا
جائیے بس آپ کا دیکھا علاج

آج وہ کرتے ہیں مجھ سے عہدِ وصل
کل مکر جائیں تو اسکا کیا علاج

دردِ الفت مِٹ نہیں سکتا کبھی
مہر صاحب یہ مرض ہے لاعلاج

ردیف جیم فارسی

سہہ سکا دل بھی نہ آخر نگہِ یار کی آنچ
سچ تو یہ ہے کہ بُری ہوتی ہے تلوار کی آنچ

جل بجھے سیکڑوں آزار اُٹھانے والے
نہ بجھی پھر بھی ستمگر ترے آزار کی آنچ

لے ذرا سینک لے تو ہی مرے دل کی چوٹیں
کہ ترے پاس تو ہے شعلۂ رُخسار کی آنچ

میں نے سو بار بچانے کو بچایا لیکن
دل پر آہی گئی برقِ نگہِ یار کی آنچ

سوزِ دل۔ داغِ جگر۔ رشکِ عُدو۔ آتشِ ہجر
جی جلاتی ہے ہمارا اِنھیں دو چار کی آنچ

دیکھ اے چرخ ذرا دور ہی رہنا اس سے — پھونک ہی دے گی مری آہِ شرربار کی آنچ

اسکے آگے کوئی ٹھہرے گا تو ہم ٹھہریں گے — غیر سے اُٹھ نہ سکے گی تری تلوار کی آنچ

خاک کر دے نہ مرے دل کو جلا کر یارب — آنچ پھر آنچ بھی عشقِ بتِ عیار کی آنچ

مہر کے سینے پہ تم ہاتھ سنبھلکر رکھنا
ہے بہت شعلہ فشاں داغِ دلِ زار کی آنچ

ردیفِ حائے حُطّی

یونتو ہونے کو شبِ غم کی بھی ہو جاتی ہے صبح — ہو کے لیکن تیرے بیماروں کو رو جاتی ہے صبح

کون کہتا ہے شبِ غم جلد ہو جاتی ہے صبح — جس قدر میں جاگتا ہوں اُتنی سو جاتی ہے صبح

وصل کی شب بھی نکلتی ہیں کہاں سب حسرتیں — جلد اُنکے عارضِ روشن سے ہو جاتی ہے صبح

اور بڑھ جاتی ہے کچھ آرائشِ صحنِ چمن — گریۂ شبنم سے یوں موتی پرو جاتی ہے صبح

ہجر ساقی میں جو روتا ہوں صبوحی کے لئے — اشکِ حسرت سے مرے ساغر کو دھو جاتی ہے صبح

شامِ وصل آئے گی پھر بھی میں اسے کیوں مان لوں — دوسرے دن وہ نہیں آتی ہے جو جاتی ہے صبح

آئے تنہا میرے گھر اُنکو بھی لیجاتی ہے ساتھ — کیا غضب ہے ایک آتی ہے تو دو جاتی ہے صبح

ہجر کی راتوں میں مجکو تو مدد دیتی نہیں، — پردۂ ظلماتِ شب میں آپ سو جاتی ہے صبح

اور بڑھ جاتی ہے دن کو خارِ حسرت کی کھٹک — یہ ہمارے حق میں کانٹے خوب بو جاتی ہے صبح

جلد یا کرتے ہیں خوابِ ناز سے وہ جاگ کر — صبح ہوتے ہی ہمارے گھر میں ہو جاتی ہے صبح

قہر کرتی ہے کرن سورج کی میری جان پر — ہجر میں یہ اور بھی نشتر چبھو جاتی ہے صبح

وقتِ رخصت اُنکا بن جاتا ہے موجِ بحرِ غم — مجکو سیلِ اشک میں آ کر ڈبو جاتی ہے صبح

چونکنا دشوار دونوں کا ہوا فرقت کی رات — جس طرح تقدیر سو جاتی ہے سو جاتی ہے صبح

شامِ غم کی تیرگی کو دور کر دیتا ہے یہ
کیا سمجھ کر مہر سے روپوش ہو جاتی ہے صبح

عشقِ دشمن میں وہ کرتے ہیں فغاں میری طرح — ناز اُٹھتے ہیں مگر اُن سے کہاں میری طرح

کس سے ہو سکتی ہے فرقت میں فغاں میری طرح
کون اُٹھا سکتا ہے سر پر آسماں میری طرح

التجائے شوق سُنکر کچھ تو دو مجکو جواب،
تم بھی آخر مُنہ میں رکھتے ہو زباں میری طرح

ڈھونڈتے ہو سب میں کیوں طرزِ وفا حُسنِ مزاج
غیر ممکن ہے کہ ہو سارا جہاں میری طرح

اُس نے آہِ سرد و اشکِ گرم پر مجھ سے کہا
تم یہ کیوں کرتے ہو ٹھنڈی گرمیاں میری طرح

دُور ہوں اُنسے تو میں ہوں وہ تو اُنکے پاس ہے،
جاگتا ہے رات بھر کیوں پاسباں میری طرح

بات کرنے کا سلیقہ بھی اِسے آتا نہیں،
ہو چکا قاصد سے حالِ دل بیاں میری طرح

میں نے پوچھا۔ آسماں سا بھی ستمگر کوئی ہے
بولے۔ کیا ہوگا ستمگر آسماں میری طرح

عشق میں برعکس ہے یوں بیقراری سکوں
میں یہاں اُنکی طرح ہوں وہ وہاں میری طرح

تُو نے آکر دل لیا۔ میں نے بُلا کر دل دیا
میہماں تیری طرح ہو میزباں میری طرح

یہ بھی کیا عاشق تمھارا ہے کہ ٹلتا ہی نہیں
جم گیا کیوں در پہ سنگِ آستاں میری طرح

تمکو رکھنے کا نگاہوں میں نہ لیجاؤ اِسے
ہے دلِ بدظن بھی میرا بدگماں میری طرح

چٹپٹے اشعار سُنکر مہر سے کہتا ہے وہ
آپ بھی لیتے ہیں دل میں چٹکیاں میری طرح

ردیفِ خائے معجمہ

ہیں اور بھی دُنیا میں بہت ماہ لقا شوخ
لیکن کوئی تجھ سا تو نہ دیکھا نہ سُنا شوخ

انداز نہ کم شوخ نہ کم تیری ادا شوخ
وہ اِس سے سوا شوخ ہے یہ اِس سے سوا شوخ

آفت ہے ترا حُسن۔ قیامت تری آنکھیں
پھر اُسپہ غضب ہے نگہِ ہوش رُبا شوخ

شوخی تو حسینوں کی نہیں عیب میں داخل
کیوں اُسپہ بگڑتے ہو اگر تمکو کہا شوخ

دیکھی نہ کسی اور میں یہ شوخ مزاجی
یا تیری نظر شوخ ہے یا دل ہے مرا شوخ

میرے ہی سکھانے سے تو آئی ہے یہ شوخی
دو مجکو دُعائیں کہ تمھیں میں نے کیا شوخ

کیا شرم ہے آئینے ہیں وہ عکس سے اپنے
فرماتے ہیں ہٹتا نہیں۔ تو بھی ہے بڑا شوخ

صحبت کا اثر بھی تو کوئی چیز ہے آخر
کیا ہوگی نہ رہ کر تری آنکھوں میں حیا شوخ

پھرتا ہے نگاہوں میں مرے دل سے نکلکر
اِس سے جو بچے گا تو دل اُس سے نہ بچے گا

رکھّا جسے پردے میں وہ پھر اور ہوا شوخ
ہر ناز ترا شوخ۔ ہر انداز ترا شوخ

اللہ یہ کس شوخ کی شوخی کا اثر ہے
جو شعر کہا مہرؔ نے وہ شعر ہوا شوخ

ردیفِ دال مہملہ

دے کے دل عشق میں مٹّی ہوئی اپنی برباد
یہ مثل وہ ہے "گنہ لازم و نیکی برباد"

اب نہ ارمان ہے دل میں۔ نہ تمنا دل میں
ہو گئی ترکِ محبت سے یہ بستی برباد

لو وہ کہتے ہیں صبا خاک اُڑا آتی تھی۔ کہ ہم
جس نے برباد کیا تجکو۔ وہ ہو گی برباد

نہ تو مرتے ہیں کسی پر نہ یہ مر جاتے ہیں
زندگی خضر کیا کرتے ہیں اپنی برباد

لوٹنے کو دل و دیں کوئی ستمگر آیا
ہو نگے کیا اہلِ قیامت بھی الٰہی برباد

آتشِ غم سے کیا پہلے جلا کر مجھے خاک
اور پھر خاک بھی تم نے مری کر دی برباد

وہ ہیں چپ دیکھ کر الفت میں تباہی میری
یوں مٹا بھی کوئی۔ یوں کوئی ہوا بھی برباد

فتنہ گر تیری نظر سے مرا جی ڈرتا ہے
خرمنِ دل کہیں کر دے نہ یہ بجلی برباد

یہ قیامت۔ وہ بلا۔ یہ ہے غضب۔ وہ ہے ستم
لے گئی جان حیا۔ کر گئی شوخی برباد

نالے بیکار گئے۔ دیکھ لیا حضرتِ مہرؔ
آپ کہتے تھے کہ محنت نہیں جاتی برباد

مجکو محفل میں جو آنے سے کیا سرکار بند
کیا خطا مجھ سے ہوئی اب کیوں ہوا دربار بند

اپنے قبضے ہی میں رکھو تم نگاہِ تیز کو
چل کے ہو سکتی نہیں پھر یہ کبھی تلوار بند

ہر گھڑی رہتی ہے در پر دیکھنے والوں کی بھیڑ
ہو سکے کب تجھ سے تیرے طالبِ دیدار بند

جب نظر اٹھی تمھاری دل پہ بجلی بھی گری
تم نے کر رکھی تھی کیا تلوار میں تلوار بند

ہے جوانی جوش پر یہ ایک دن کام آئیں گے
ٹانک لو اپنی قبا میں اور بھی دو چار بند

اُسکو جو کچھ مجھ سے کہنا تھا وہ کہتا ہی رہا
بند کرنے سے ہوا کب ناصحِ غمخوار بند

پھر کرسکے نہیں چھپ چھپ کے بھی اب تاک جھانک
کردئے اُس شوخ نے سب روزنِ دیوار بند

ہمکو وفا پسند۔ تو اُن کو جفا پسند
یہ اُن کو ناپسند ہے۔ وہ ہمکو ناپسند

کیا بات ہوگئی جو ہُوا آپ یہ ناپسند
تم کر چکے تھے دل کو مرے بار ہا پسند

ملنا ہے یا کسی کو مِلانا ہے خاک میں
ہے اُس ستم شعار کو کیا جانے کیا پسند

بھرتے ہو دم رقیب کا تم بات بات پر
یہ ہمکو ناگوار ہے یہ ہم کو ناپسند

ہوتا ہے اب جو حُسن پرستی کا تذکرہ
کہتا ہوں میں مجھے بھی کبھی کوئی تھا پسند

دُنیائے عاشقی میں مزا جب ہے چاہ کا
تجھسا جفا شعار ہو مجھ سا جفا پسند

اللہ رے کسی کی تلوّن مزاجیاں
جو آج ہے پسند وہی کل ہو ناپسند

عُشاق کی پسند بھی کوئی پسند ہے
جس پر نگاہ پڑ گئی وہ آگیا پسند

آیا ہے جب سے دل مرے دل کا یہ حال ہے
غم ہے عزیز۔ درد گوارا۔ جفا پسند

بھیجو تو پھر اُن کو دلِ بیقرار تم
یا ناپسند اس کو کریں گے وہ۔ یا پسند

شدّتِ غم سے مری آنکھوں میں کیا آئے گی نیند
اُبتو پلکوں تک بھی آنے کی قسم کھائے گی نیند

وصل میں جاگا ہوں۔ کیونکر ہجر میں آئے گی نیند
اُسکو ترسایا ہے میں نے مجکو ترسائے گی نیند

صدمۂ دردِ جُدائی دل اُٹھائے تو سہی
میری آنکھوں سے جو اُڑ جائے گی۔ اُڑ جائے گی نیند

انتظارِ خواب میں سونا مرا دشوار ہے
موت آجائے تو آجائے نہیں آئے گی نیند

جاگنے پر بھی کئے ہوں اس لئے آنکھوں کو بند
پھر نہ آئے گی جو قابو سے نکل جائے گی نیند

ہجر میں آتی تو ملتی اُسکو آنکھوں میں جگہ
وصل کی شب کیونکر آنکھوں میں جگہ پائے گی نیند

خیر یوں بھی شامِ فرقت کی سحر ہو جائے گی
دیدۂ بیدار سے کافور ہو جائے گی نیند

ہے سکونِ خواب پر موقوف اسکا بھی سکوں
آنکھ میں ٹھہرے گی تو دل کو بھی ٹھہرائے گی نیند

ہم سمجھتے تھے کہ فرقت میں نہ پوچھے گی قضا
نیند کہتے ہیں جسے اُسکو بھی آجائے گی نیند

ہے حیا دشمن تمھاری پھر وصل و ہجر میں
آج شرماتے ہیں وہ۔ کل تم سے شرمائے گی نیند

ردیفِ ڈال ہندی

بلا ہیں غمزہ و عشوہ غضب غرور گھمنڈ
عجب ہے آپ کی تمکیں۔ عجب غرور گھمنڈ

اسی زمانے میں کرتے ہیں سب غرور گھمنڈ
شباب پر نہ کریں کیوں وہ اب غرور گھمنڈ

وہ عرضِ حال پہ مجکو جواب کیونکر دیں
کہ کھولنے نہیں دیتا ہے لب غرور گھمنڈ

دماغ حُسن یہ زیبا نہیں حسینوں کو
بشر کے واسطے لازم ہے کب غرور گھمنڈ

جو ناز ہے بھی تو اپنی وفا یہ ہے مجھ کو
مگر یہ آپ کو ہے بے سبب غرور گھمنڈ

وہ اُس سے کرنے لگا اب بہت گھمنڈ غرور
مرے رقیب کا نکلے گا اب غرور گھمنڈ

ہمیشہ ہم سے تنے ہی رہے۔ کھچے ہی رہے
ستم ہے ناز تمھارا۔ غضب غرور گھمنڈ

خدا کرے مرے دل کی کبھی ضرورت ہو
نکالے آپ کا اِسکی طلب غرور گھمنڈ

نظر جو آئے گا اے مہرؔ کوئی غیرتِ مہر
دھرا رہے گا تمھارا یہ سب غرور گھمنڈ

ردیفِ ذال معجمہ

مجکو اُس شوخ نے لکھ کر نہیں بھیجا کاغذ
نامہ بر لایا ہے تو پھیر کے میرا کاغذ

غیر تو خط و کتابت نہیں رکھتا تم سے
اور جو میں نے دکھایا کوئی اُسکا کاغذ؟

ترکِ اُلفت کو جو کہتا ہوں تو وہ کہتے ہیں۔
ہم نے کب تجھ سے محبت کا لکھایا کاغذ

مُشتہر ہوگی کسی دن مرے مرنے کی خبر
اس لئے پڑھتے ہیں وہ روز خبر کا کاغذ

کیا شرارت ہے کہ بھیجا مجھے خط غیر کے ہاتھ
اور پھر اُسپہ لفافے میں ہے کورا کاغذ

میں یہ سمجھا کہ نہیں ہوگا قلم سر میرا
سامنے میرے جو اُس شوخ نے کاٹا کاغذ

اِس قدر میں نے اُسے شوق کے مضموں لکھے
کہ کمی سے ہوا بازار میں مہنگا کاغذ

غیر کا نامۂ پُرشوق یہ کیا ہاتھ میں تھا؟
دیکھتے ہی مجھے تم نے جو چھپایا کاغذ

نامہ بر ہوتی کدورت جو نہ اُسکے دل میں
اُسکے خط کا بھی نہ ہوتا کبھی میلا کاغذ

مجھ سے خطِ غیر کا ظالم نے یہ کہکر چھینا
آپ کیوں دیکھتے ہیں مہرؔ پرایا کاغذ

رنگ میں شوخ جو تھا لعل و گہر کا تعویذ — دل میں گھر کر گیا اُس رشکِ قمر کا تعویذ

تم پہ سب اپنے پرایوں کی نظر پڑتی ہے — باندھ لو تم کوئی لکھوا کے نظر کا تعویذ

تیرے بیمارِ محبت کے لئے ہے درکار — کوئی مل جائے اگر دردِ جگر کا تعویذ

میں دبا دوں کبھی پتھر سے تو وہ بُت آجائے — ایسی تاثیر ہو۔ ایسے ہو اثر کا تعویذ

یوں تو تعویذ ہے خود ایک طرح کا جادو — اور تعویذ پھر اُس شعبدہ گر کا تعویذ

کھُل کے کاکُل سے تو میرا دلِ ناکام گرا — وہ یہ بولے کہ اُٹھا دو مرے سر کا تعویذ

اِس نزاکت پہ جو ہے آپ کو شوقِ تسخیر — ڈالئے اپنے گلے میں گُلِ تر کا تعویذ

صورتِ سنگِ ستم مہرؔ کے مرقد پہ رہا
نہ ہلائے سے ہلا اور نہ سر کا تعویذ

ردیفِ رائے مُہملہ

یوں جلوہ گر ہیں داغ دلِ داغدار پر — جیسے دھرے ہوں پھول کسی کے مزار پر

کچھ اور قہر ڈھائیں نہ بیتابیاں مری — ٹوٹی ہوئی ہے برق دلِ بے قرار پر

تم وعدہ کرکے بیٹھ رہے کیا خبر تمھیں — کیا کیا گزر گئی کسی اُمیدوار پر

وحشت میں رہ سکا نہ ہمارا قدم کہیں — دستِ جنوں رہا تو گریباں کے تار پر

جاؤ صفائیوں سے تو دل کیا کروگے صاف — ڈالی نہ تم نے خاک بھی دل کے غبار پر

بعدِ فنا بھی ہے یہ اثر سوزِ عشق کا — اُگتا نہیں ہے سبزہ ہمارے مزار پر

میں اُن پہ مرگیا یہ وفا کا قصور ہے — وہ کیوں برس رہے ہیں مرے سوگوار پر

میں سادہ دل عبث ہوں شبِ وعدہ بیقرار — وہ کیا مری قضا ہیں جو آئیں قرار پر

تسکیں سے غرض۔ نہ تسلی سے واسطہ — دل کوئی تمکو دے بھی تو کس اِعتبار پر

مجھ کشتۂ فراق کی اللہ رے بیکسی — پروانہ بھی نہیں مری شمعِ مزار پر

صیّاد کو یہ فکر کہ بے پر کرے مجھے
مجکو یہ آرزو کہ رہیں بر قرار پر

کیا اے شبِ فراق فرشتے بھی مر گئے
آتا فلک ہی سے کوئی میری پکار پر

دیکھیں مصیبتیں وہ شبِ غم کہ صبح تک
آنکھیں لگی رہیں گرُہم کر دگار پر

پہلے تو مہر ہم نے نہ کی اِسکی روک تھام
اب ہاتھ رات دن ہے دلِ بیقرار پر

مِلنے کو یوں ملیں سرِ دربار بار بار
ہونگے کبھی نہ عاشق و اغیار یار یار

ہونے لگا جو دل قدِ دلدار پر فدا
آواز دی جگر نے خبردار دار دار

روئے گا میرے دل کو کہ روئے گا جان کو
خونبار ہوگا دیدۂ خونبار بار بار

پائے کہاں سے اشکِ طرب اُسکی چشمِ شوق
جسکو رُلائے عشق کا آزار زار زار

اچھا ہُوا کہ حضرتِ واعظ چلے گئے
میخوار کرتے جُبّہ و دستار تار تار

ٹھہرے گا کون سامنے کس کی مجال ہے
نکلے گی کہہ کے جب تری تلوار وار وار

آئے یہ دن بھی دورِ فلک سے خدا کرے
ہوں مہر اور وہ بُتِ عیّار یار یار

کیا ایک ہی کے ہیں یہ ستم میری جان پر
چھ آسمان اور ہیں اِس آسمان پر

تم لاکھ اُسکو لاؤ نہ اپنی زبان پر
ظاہر ہے رازِ عشقِ عُدو اِک جہان پر

یہ کیا خبر تھی۔ یہ بھی بنائے گی جان پر
زندہ رہے تھے ہم تو تمھاری زبان پر

چونکیں نہ پھر بھی آپ کے آسودگانِ خاک
چلّائے شورِ حشر اگر اُن کے کان پر

اُس شوخ کی حیا بھی ہوئی جان کا عذاب
نیچی نظر سے اور بنی میری جان پر

اے نامہ بر بتا۔ وہ ملے تھے تجھے کہاں
اپنے مکان پر؟ کہ عُدو کے مکان پر؟

ترکِ وفا کا مجھ سے تو ہے آپ کو گلہ
قائم رہے ہیں آپ کب اپنی زبان پر

وہ کہہ رہے ہیں غیرتِ خورشید کیوں کہو
اِتنا چڑھاؤ تم نہ ہمیں آسمان پر

کرنی پڑے گی تم کو مُدارات غیر کی
یہ میں نہیں کہ ٹال دیا بھول یا ان پر

چھُو لیں تو کچھ وہ مُنھ سے دمِ عرضِ مدعا
یہ کیا کہ کوئی حرف نہ لائیں زبان پر

زاہد چھپٹیں یہاں کے حسیں ہم سے کس طرح
کیا چھوڑ کر زمیں کو رہیں آسمان پر؟

آگر ہمارے دل میں خریدارِ دل بنو،
یہ مال وہ نہیں جسے رکھیں دُکان پر

سُنتا ہی کیا کسی کی کوئی بزمِ حشر میں
سب کے لگے تھے کان مری داستان پر

وہ کیا دکھا سکے گی مری بیقراریاں
بجلی تڑپ رہی ہے عبث آسمان پر

اے قہر میں ہُوں یا ہے کوئی اور جاں نثار
اِس کا کھُلے گا حال اُنھیں امتحان پر

آیا وہ سامنے مجھے بے زار دیکھ کر
دیکھا اُسے تو آہی گیا پیار دیکھ کر

زندہ رہا جو عشق میں آزاد دیکھ کر
کیا مر نہ جائیں گے مجھے اغیار دیکھ کر

یوں آرزوئے قتل ہماری نکل گئی
دم ہی نکل گیا تری تلوار دیکھ کر

آنکھوں سے میری آگ برستی ہے یا لہُو
جلتے ہیں غیر دیدۂ خونبار دیکھ کر

خورشید و ماہ میری نگاہوں سے گر گئے
آنکھیں سی کھُل گئیں ترے رخسار دیکھ کر

جب تک نہ آئیں گے وہ اجل بھی نہ آئیگی
جائے گی جان جلوۂ دیدار دیکھ کر

ہمکو مریض آپ کی آنکھوں نے کر دیا
بیمار ہو گئے اِنھیں بیمار دیکھ کر

گاہک اگر ہو دل کے تو آؤ بھی سامنے
ہم بیچتے ہیں مال خریدار دیکھ کر

رہبر کے ساتھ ہیں۔ کبھی رہزن کے ساتھ ہیں
چلتے ہیں ہم زمانے کی رفتار دیکھ کر

چپکے سے خضر جان بچا کر نکل گئے
مرنا کسی کے عشق میں دشوار دیکھ کر

کچھ کہہ سکے نہ داورِ محشر کے سامنے
آنکھیں بھر آئیں اُن کو گنہگار دیکھ کر

یہ سنگ میں شرر ہے تو یہ گُل میں رنگ ہے
حیرت ہے مجکو حُسن کے انوار دیکھ کر

روزِ جزا سماے ہماری نظر میں کیا
آئے ہیں ہم حسینوں کا دربار دیکھ کر

بیٹھے بٹھائے بزم میں سُوجھی یہ کیا تمھیں
فتنے اُٹھا دیئے سُوئے اغیار دیکھ کر

دل جا گرا انکی زلف میں دھوکے سے پھنس گیا
ہوتا ہے ورنہ کوّن گرفتار دیکھ کر

مجبوریوں نے خوگرِ بیداد کر دیا۔
چُپ ہو گیا ہُوں آہ کو بیکار دیکھ کر

اِس وہم سے وہ قہر دکھاتے نہیں جمال
نکلے کہیں نہ حسرتِ دیدار دیکھ کر

پڑی ہے آنکھ جب اندر کسی کے رُوئے روشن پر
تجلی باہر آکر بن گئی ہے پردہ چلمن پر

سُبکدوشی ہوئی حاصل یہ یوں بھی مجکو مقتل میں
جو سر گردن سے اُترا تو یہ بارِ احسان گردن پر

مرے دل کی محبت کا الٰہی کچھ ٹھکانا ہے
گمانِ دوست ہوتا ہی مجھے ہر پھر کے دشمن پر

لہو ہی کب رہا تھا دل میں چاکِ دل کے سینے تک
نظر کیا خاک آتا قطرۂ خوں نوکِ سوزن پر

ترے دیوانۂ اُلفت کی نئی دھج ہی نرالی ہو
گریباں آستیں پر آستیں رہتی ہے دامن پر

کلیجا مُنھ کو آئے گا۔ تڑپ اُٹھے گا دل اُنکا
کسی دن میرے شیون سے کسی دن میرے شیون پر

لگا رکھا ہے داغِ دل کو میں نے اسلئے دل میں
نہ رکھے گا فنا کے بعد کوئی شمع مدفن پر

مجھے عادت ہے غم کھانے کی۔ پی لیتا ہوں اے ناصح
مری آنکھوں کے آنسو گر نہیں سکتے ہیں دامن پر

تہ و بالا کیا دونوں کو میری سخت جانی نے
کبھی گردن تھی خنجر پر کبھی خنجر تھا گردن پر

گری بعدِ اسیری چرخ سے کیوں ٹوٹ کر بجلی
کوئی پر رہ گیا تھا کیا مرا شاخِ نشیمن پر

اُڑا اس شوق میں کیا کیا غبارِ ناتواں میرا
کہ لے اُسکے قدم جو سیر کو نکلا ہے توسن پر

پہونچتی ہے نگاہِ غیر اب بھی جلوۂ رُخ تک
مری آنکھوں کے پردے ڈال دو تم اپنی چلمن پر

بڑا عیّار ہے وہ بچتے رہنا اُسکی چالوں سے
گمانِ سادہ لوحی تم نہ کرنا مُہر پُرفن پر

کیوں پھرے جاتے ہو آنکھیں مرا دم دیکھکر
آگئے ہو آپ تو جانا سیرِ ماتم دیکھکر

دیکھنا ہم کیوں نہ چاہیں تجکو پیہم دیکھکر
شوق تیرے دیکھنے کا جب نہ ہو کم دیکھکر

ہوگئے غمگیں وہ مجکو مورد غم دیکھکر
دل بھر آیا اُنکا میری چشم پُرنم دیکھکر

غم تو دیکھا عشق میں ہم نے خوشی کے واسطے
دیکھئے اب دیکھتے ہیں اور کیا غم دیکھکر

اُسکو ہم کیونکر بتائیں اُسکو ہم کیونکر کہیں
ہوگیا جو اپنا عالم اُن کا عالم دیکھکر

قتل کی مجھ ناتواں کو اُس سے کیا اُمید ہو
جان بھی لیتا ہے جو دل دیکھ کر دم دیکھکر

وہ بڑا تقدیر والا ہے بہت ہی خوش نصیب
وصل کا جو عیش دیکھے ہجر کا غم دیکھکر

گُل ہوا ہے حُسن کا بھی عشق کے غم میں چراغ
بجھ گئی ہے شمع پروانوں کا ماتم دیکھکر

آپ سے کیا واسطہ دل نے تو جھگڑے اٹھائیں
آپ کیوں برہم ہوئے زلفوں کو برہم دیکھکر

امتحانگاہِ وفا میں آئیں گے کیا بوالہوس
عشق میں چھاتی پر آخر ہم نے پتھر دھر لیا
جُھک گیا جس دم سرِ تسلیم اُنکے سامنے
وہ پکار اُٹھا کسی کا "ہم نہیں تم سے خفا"
ہجر کا غم دیکھکر جو حال میرا ہو گیا
دل نہ مانا ڈگڈگا کر جامِ اُلفت پی گیا

دَم نکلتا ہے تری تلوار کا دَم دیکھکر
روز کے رنج والم ہر وقت کے غم دیکھکر
قتل کی سُوجھی اُنھیں گردن کی خم دیکھکر
میرے سینے میں مرا رُکتا ہُوا دم دیکھکر
وہ تمھیں معلوم ہوگا غیر کا غم دیکھکر
میں یہ کہتا ہی رہا۔ سَم ہر یہ ہر سَم۔ دیکھکر!

زندگی اے مہرؔ کیا ہو جب وہ پہلو میں نہو
ہم جیا کرتے تھے جسکی شکل ہر دم دیکھکر

کیا کریں اے دلربا اب دل کا عالم دیکھکر
آئے دُنیا میں تو سیرِ خُلد۔ آدم دیکھکر
حسرتِ دیدار میں بیٹھے ہیں در پر آپ کے
دعویِ عشق ووفا پر یہ دیا اُس نے جواب
اُف رے اُنکی دلستانی۔ اُف رے اپنی بیکسی
دل لیا کرتے ہو تم کیا دیکھ کر عشاق میں
داغِ دِل جیسی بہاریں لالہ وگل میں کہاں
میری یہ کوشش ہُوا بھی اسکی میں اُنکو نہ دُوں
کیا قیامت ہے چُراتا ہو وہ اب ہم سے نگاہ
آپ ہی کہیئے سرِ محشر پریشاں کون تھا
تم نہیں ہوتے خبر بھی دیکھ کر یہ اضطراب
وصل کی شب ہی نہ دیکھی جب تو کیا دکھلاؤ گا
دیکھکر اِن کے فریب اپنی بھی آنکھیں کھل گئیں
راہ پر تیری نظر آتی۔ نظر آتی نہیں
شربتِ دیدار کیسا۔ زہر بھی مِلتا نہیں

ہاتھ ہی جب دل سے دھو بیٹھے تجھے ہم دیکھکر
جائیں دُنیا سے کہاں محفل تری ہم دیکھکر
آپ کے در سے اُٹھیں گے ایک ہم دیکھکر
ایسی باتوں کا تو کرتے ہیں یقیں ہم دیکھکر
لے گئے وہ دل اُڑا کر۔ رہ گئے ہم دیکھکر
دل دیا کرتے ہیں دلبر میں وفا ہم دیکھکر
کیا کریں اے باغباں تیرا چمن ہم دیکھکر
اُنکو یہ کاوش رہیں گے دل ترا ہم دیکھکر
رکھ لیا کرتے تھے تم آنکھوں میں جسے ہم دیکھکر
آپ ہم کو دیکھکر؟ یا آپ کو ہم دیکھکر؟
ہمکو دیکھو۔ ہوگئے مضطر تمھیں ہم دیکھکر
کیا ہُوا آئے اگر روزِ جزا ہم دیکھکر
آنکھ والے ہوگئے آنکھیں تری ہم دیکھکر
کر چکے سو بار اس کا اِمتحاں ہم دیکھکر
آج اُٹھے ہیں الٰہی کس کا مُنہ ہم دیکھکر

مار ہی ڈالا تھا چشمِ سامری فن نے ہمیں
جی گئے تیرے لبِ عیسیٰ نفس ہم دیکھکر

قہرؔ سے کہتے ہیں وہ دل تو ترا کیا چیز ہے
توڑ دیں آئینۂ فولاد بھی ہم دیکھکر

یہاں دم میں دم آنا منحصر ہے اُنکے آنے پر
وہاں چلنے پہ حیلہ ہے۔ بہانہ ہے بہانے پر

ہُوا کچھ اس طرح ماتم وہاں میرے فسانے پر
کہ رو یا داستاں گو خود بھی غیروں کو رُلانے پر

تمہاری بزمِ دل کش ہیں عجب عالم ہمارا ہو
نہ بیٹھے ہیں بٹھانے سے نہ اُٹھیں گے۔ اُٹھانے پر

کسی کے ہجر میں کیونکر کسی کی جان جاتی ہو
اِسے تم جان جاؤ گے ہماری جان جانے پر

ہمیں اُس وقت بھی رونا تھا اپنی نامرادی کا
زمانے میں تو پچھتاتے ہیں سب لگلے زمانے پر

وہ کھولیں اپنی مٹھی یا نہ کھولیں اب نہیں چھپتی
مرے دل کی تو چوری کھُل گئی انگشت حنا نے پر

ابھی کیا ہے مزا عشقِ عُدو کا تم کو آئے گا
کوئی دن رنج سہتے پر۔ کوئی دن غم اُٹھانے پر

سرِشکِ غم مرے دل میں عجب تاثیر رکھتا ہے
یہ قطرہ ہے دہانے پر یہ دریا ہے بہانے پر

یہاں عُذرِ ستم پر اور بھی دل لوٹ کر آیا۔
ستم یہ کیا کیا تُو نے ستم سے باز آنے پر

ہدف ہو بھی تو کیا ہو دل مرا ترچھی نگاہوں کا
وہ آخر تیر ہی کیا ہیں پہونچیں جو نشانے پر

نکل جائیں مرے دل سے وہ آنسو ہی تو اچھا ہو
مٹے بیٹھے ہیں جو داغِ محبت کے مٹانے پر

یہ قسمت دیکھئے جب جب بہار آئی ہے گلشن میں
گری ہے کوند کر بجلی ہمارے آشیانے پر

جو دینا تھا ہمیں دل خوبرویوں کو۔ تو دینا تھا
اِسے بھی آزمانے پر۔ اُسے بھی آزمانے پر

ہمارے عشق و اُلفت کا تمہارے حسن و نخوت کی
کہانی ہے کہانی پر۔ فسانہ ہے فسانے پر

نبھائی اُس ستمگر سے۔ محبت قہرؔ کی دیکھو،
جفا کرنے پہ۔ آفت توڑنے پر۔ ظلم ڈھانے پر

نالے دلِ پُرغم سے نکل جاتے ہیں کیونکر
کیا جانیں یہ تیر آپ ہی چل جاتے ہیں کیونکر

اب وہ ہیں نہ وہ اُنکی محبت ہے الٰہی
دو روز میں انسان بدل جاتے ہیں کیونکر

جب خارِ تمنا ہی نکلتا نہیں دل سے
کانٹے مرے تلووں سے نکل جاتے ہیں کیونکر

دیکھیں وہ بُلا کر تو کبھی بزم میں اپنی
ہم بیٹھکے یاروں میں بہل جاتے ہیں کیونکر

کل وہ مرے مہمان رہے۔ آج سدھارے
آج آئیں۔ تو معلوم ہو۔ کل جاتے ہیں کیونکر

ہے جی میں یہ اُس چشمِ فسوں ساز سے پوچھوں
جادو ترے دل والوں پہ چل جاتے ہیں کیونکر

جل کر یہ کہا طور نے جلوے سے کسی کے
یوں جلتے ہیں یوں جلتے ہیں جل جاتے ہیں کیونکر؟

حیرت ہے مجھے آپ کے جو خیر طلب ہیں
آکر وہ یہاں زہر اُگل جاتے ہیں کیونکر

ہٹ کرنے کی ضد کرنے کی عادت تو نہیں ہے
دل دیکھ کے پھر آپ مچل جاتے ہیں کیونکر

ہم عشق میں اُفتاد اُٹھا کر بھی نہ سنبھلے
کھاتے ہیں جو ٹھوکر وہ سنبھل جاتے ہیں کیونکر

پہلو میں بٹھا کر مجھے دیکھو یہ تماشا
خنجر دلِ اغیار پہ جا چل جاتے ہیں کیونکر

جو ملنے نہ دیتے تھے مجھے پاؤں سے آنکھیں
وہ ہاتھ مرے مرنے پہ مل جاتے ہیں کیونکر

ہم تو کبھی ہرگز نہ سُنیں غیر کے طعنے
یہ زہر کے گھونٹ آپ نگل جاتے ہیں کیونکر

کھائیں تو قسم غیر کی پھر مہر بھی دیکھے
اقرار سے اپنے وہ بدل جاتے ہیں کیونکر

کیوں نہ ہر وقت محبت میں بڑھے بات کچھ اور
میرے کچھ اور ہیں اور اُنکے خیالات کچھ اور

کہہ رہی ہے تری مستانہ نظر بات کچھ اور
محفلِ غیر میں کیا شغل رہا رات کچھ اور

تھی یہی رات مگر وصل میں تھی بات کچھ اور
اب ترے ہجر میں آتی ہے نظر رات کچھ اور

تم ملو ہم سے۔ ملے دل بھی تمھارا ہم سے
اس ملاقات میں ہے لطفِ ملاقات کچھ اور

وصل کی بات پہ چپ ہو۔ یہ کوئی بات بھی ہے
بات تو جب ہے کہ تم اب نکرو بات کچھ اور

کر تو اُس بُت کا ذرا دل میں تصور زاہد
میرا ذمہ جو نہوں تیرے خیالات کچھ اور

ایک دل تھا مرے پہلو میں وہ میں دے ہی چکا
اب نہیں اس سے زیادہ مری وقعات کچھ اور

اِن بتوں کو نہ برا کہیئے جناب واعظ
ہم سمجھتے ہیں انھیں قبلۂ حاجات کچھ اور

بدگمانی سے وہاں شکر بھی شکوہ ٹھہرا
بات کچھ اور تھی سمجھے وہ مگر بات کچھ اور

خواہشِ حور میں زاہد کو ہے اللہ کی یاد
دل میں کچھ اور دعا لب پہ مناجات کچھ اور

اور کیا بھیجوں اُسے نامہ رساں کیا لے جائے
کہ مرے دل سے تو اچھی نہیں سوغات کچھ اور

ہاں یہ سچ ہے تمھیں کیا کام کہیں جانے سے
خواب میں ہم نے تو دیکھا ہے مگر رات کچھ اور

ایک دو جام سے سیری نہیں ہوتی میری
بول بالا ہو ترا پیرِ خرابات ۔ کچھ اور

رکھدئے لختِ جگر تیر نظر کے آگے
نہوئی مہر سے جب اُسکی مدارات کچھ اور

ردیفِ راے ہندی

ہو رہی ہے یوں بہم اُس فتنہ گر سے چھیڑ چھاڑ
کچھ اُدھر سے روک ٹوک اب کچھ اِدھر سے چھیڑ چھاڑ

حبِّ اُلفت میں بشر کی ہو بشر سے چھیڑ چھاڑ
تو کرے کیا کوئی پھر دیوار و در سے چھیڑ چھاڑ

دل نے چھیڑا تھا تمھیں یا دل میں چٹکی تمنے لی
لو تمھیں کہدو ہوئی پہلے کدھر سے چھیڑ چھاڑ

لطف تو جب ہے جو اُنکی میری یوں چوٹیں چلیں
دل کی ہو دل سے جگر کی ہو جگر سے چھیڑ چھاڑ

دیکھئے ناحق لڑائی مول لیتے ہیں رقیب
راہ میں کرتے ہیں میرے نامہ بر سے چھیڑ چھاڑ

اب قیامت میں قیامت کا مزا آنے لگا
دادگر کی ہو گئی بیدادگر سے چھیڑ چھاڑ

رات بھر روتی رہی خاموش خود ہو جائے گی
کر رہی ہے کیوں صبا شمعِ سحر سے چھیڑ چھاڑ

پھر تہ و بالا زمین و آسماں ہونے کو ہیں
پھر مرے نالوں کی ہوتی ہے اثر سے چھیڑ چھاڑ

اور ہو گی آئینے میں کس سے اُنکی نوک جھوک
وہ کریں گے اپنے ہی پیشِ نظر سے چھیڑ چھاڑ

نامہ بر کہتا ہے وہ دشمن سے پیماں کر چکے
آپکو کرنی تھی اپنی پیشتر سے چھیڑ چھاڑ

وہ جو چھپ جائے تو آنکھوں میں جہاں تاریک ہو
ہے بری لے مہر اُس رشکِ قمر سے چھیڑ چھاڑ

دل سے جھگڑا اور دلبر سے بگاڑ
ہو گیا اُلفت میں گھر بھر سے بگاڑ

ظاہر و باطن ترا یکساں نہیں
میل باہر سے ہے اندر سے بگاڑ

کوئی بھی مجھ سخت جاں سے خوش نہیں
تیغ سے اَن بَن ہے خنجر سے بگاڑ

یہ تمھاری وضع کوئی وضع ہے
سات سے ہے میل ستّر سے بگاڑ

اب نہیں ساقی سے اپنا میل جول
رنج شیشے سے ہے ساغر سے بگاڑ

اُن سے پھر ہوتا ہے دشمن سے ملاپ
مجھ سے پھر ہو گا نئے سر سے بگاڑ

دل اِدھر۔ ناوک اُدھر اب خیر ہو
ہے برابر کا برابر سے بگاڑ
ایک سے بھی آپ کی بنتی نہیں
بلکہ ہو جاتا ہے اکثر سے بگاڑ
ہجر اے دل لکھ گیا تقدیر میں
اِسکو اشکِ دیدۂ تر سے بگاڑ

دل میں اُلفت اور یہ دل سے خفا
مہرؔ کا ہے مہرپرور سے بگاڑ

ردیفِ زائے منقوطہ

چھُپ کے کیوں تم نے پسِ پردہ سُنائی آواز
کیا نظر کو مری دیتی ہے دکھائی آواز
دل کو تڑپا گئی جب کان میں آئی آواز
ہائے کیا میرے خوش آواز نے پائی آواز
پھر چھُپائے نہ چھُپا رازِ محبت دل میں
ہو گئی مُنہ سے نکلتے ہی پرائی آواز
ایک انداز رہا ہجر کی شب نالوں کا
نہ گھٹائی کبھی میں نے نہ بڑھائی آواز
کبھی درباں کو بھی میں نے جو پُکارا تو کہا
کون ہے کس نے مرے در پہ لگائی آواز
پھر بھی مجکو کسی بے درد نے پہچان لیا
لاکھ میں نے دمِ فریاد بنائی آواز
ہر خوش آواز سے کہتے ہیں وہ ناخوش ہو کر
میری آواز سے کیوں تُونے مِلائی آواز
سُن کے نالے شبِ غم اُس نے یہ کہلا بھیجا
تُو ہی جانے گا اگر اب ترِی آئی آواز

مہرؔ نالوں سے مرے۔ اُسکے ترانے نہ بڑھے
لاکھ گلزار میں بُلبُل نے اُٹھائی آواز

رکھتے جو ہم نہ دل میں تیرا خیال ہرگز
ایک ایک دن نہ ہوتا ایک ایک سال ہرگز
میری زبان رکھے اپنے ذہن میں قاصد
تجھ سے نہ ہو سکے گا اظہارِ حال ہرگز
میں تمکو بھُول جاؤں۔ دل تمکو بھُول جائے
تم بھُول کر نہ کرنا ایسا خیال ہرگز
سوزِ تپِ دُروں میں میرے کمی نہیں کیوں
رہتا نہیں کسی کا جب ایک حال ہرگز
قتلِ عدو کا وعدہ تو آپ کر چکے ہیں
اب کیجئے نہ اس میں کچھ قیل وقال ہرگز
بدلا نہیں ہے ابتک پلٹا نہیں ہے ابتک
میرا گُمان ہرگز۔ اُن کا خیال ہرگز

مرجھا کے گل چمن میں غنچوں سے کہہ رہے ہیں
رہتا نہیں ہمیشہ حسن و جمال ہرگز

بیٹھے ہیں بن سنور کر میں آئینہ دکھا دوں
یوں تو نہ مل سکے گی اُن کی مثال ہرگز

ایسا نہ ہو کہیں وہ کمبخت جان دیدے
تم قہر سے نہ رکھنا دل میں ملال ہرگز

ردیفِ سین مہملہ

باہر بھی ہے ہجوم کسی پُر محن کے پاس
اِک اور انجمن ہے تری انجمن کے پاس

میں رہ چکا ہوں اک بتِ نازک بدن کے پاس
پھولوں کا ڈھیر چاہیئے میرے کفن کے پاس

اللہ رے رعبِ حسن نہ نکلی زبان سے
آآ کے رہ گئی ہے شکایت دہن کے پاس

ہاں اے نگاہِ ناز کوئی تیر اور بھی
بیتاب ہے جگر بھی دلِ پُر محن کے پاس

نازک مزاج مجکو بنایا تو کیا ہوا
رکھا نہ چرخ نے کسی نازک بدن کے پاس

کہتے تھے آپ دل کی خبر کچھ نہیں ہمیں
آخر یہ کیا ہے زلفِ شکن در شکن کے پاس

رشکِ رقیب نے مجھے رکھا ہے دُور دُور
پھر پھر گیا ہوں آ کے تری انجمن کے پاس

جادو تھے جس قدر مرے دل پر ہوئے وہ ختم
رکھا ہی کیا ہے اب نگہِ سحر فن کے پاس

کیا اپنے دل کو دیکھئے جب دل کو دیکھئے
اِک اور زخم تازہ ہے زخمِ کہن کے پاس

تھا اور کیا جو دے کے اجل کو وہ ٹالتا
لے دے کر ایک جان تھی بس کوہکن کے پاس

اے قہر اپنی آہ میں ہے بوئے داغِ دل
گل کی مہک اگر ہے نسیمِ چمن کے پاس

کیا خبر کیوں دل میں گھٹ کر رہ گئی بسمل کے پاس
آہ ناوک ہے تو رہنا تھا اسے قاتل کے پاس

پاس سے دیکھا ہے انکو بزم آرا دل کے پاس
یوں تصور میں رہے ہیں ہم بھی اُس محفل کے پاس

اُف رے نخوت کھینچتے ہیں کس قدر دُور آپ کو
دل میں ہو کر بھی نہیں ہوتے وہ میرے دل کے پاس

اِک بگولے کا کرشمہ تھا یہ دشتِ نجد میں
ورنہ کب مجنوں کو لیلیٰ دیکھتی محمل کے پاس

ایک دل تھا میرے پہلو میں وہ تم لے ہی چکے
اب نظر کس چیز پر ہے اب رکھا ہی کیا بیدل کے پاس

دور تا ہیں ناتواں تو کیا طریقِ عشق میں
لے گئی ہے دُور ہی منزل مجھے منزل کے پاس

اُس طرف کی ہے نظر تو اس طرف بھی ہو نگاہ
اک جگر بھی ہے تمنائی تمہارا دل کے پاس

بخشدیتا اور کیا انکا رُخِ روشن اُسے
داغ کیا کچھ کم نشانی ہو مہ کامل کے پاس

کیوں نہ ہیں قربان جاؤں اس کشش اس جذب کے
اب وہ میرے دل میں ہیں جو تیر تھے قاتل کے پاس

بحرِ اُلفت سے گزرنا تو بہت دشوار تھا
مجکو میرے شوق نے پہونچا دیا ساحل کے پاس

تمکو خالِ رُخ پر اپنے اس قدر کیوں ناز ہے
اک سُویدا ہے اسی صورت کا میرے دل کے پاس

میں تو ہوں جلوے سے بیخود۔ وہ ہیں اسکی تاک میں
اب مجھے دل کس طرح ہشیار ہے غافل کے پاس

دیکھ تو اندر سے قاتل یہ تماشا جھانک کر
باہر اک ہنگامہ برپا ہے ترے بسمل کے پاس

کیا غضب ہے مجکو بحرِ غم میں تنہا چھوڑ کر
موجیں کرنے کیلئے موجیں چلیں ساحل کے پاس

اس میں آتی ہے نظر صورت کسی کی یا نہیں
دیکھ تو لوں میں ذرا آئینہ رکھکر دل کے پاس

دیکھنا پھر اُسکو لیلیٰ تجکو دھوکا ہو گیا
ناتواں مجنوں تو آسکتا نہیں محمل کے پاس

کیا کہیں پہلو میں کیسا چین آتا ہے اسے
ہاتھ رہتا ہے تمہارا جب ہمارے دل کے پاس

اس جفا پر اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی جفا
جمع ہے خلقت مگر قاتل نہیں بسمل کے پاس

غرقِ دریائے محبت دیکھتے رہ جائیں گے
ڈوب کر ابھرے گی جب کشتی مری ساحل کے پاس

ہم تو مرنے کے لئے تیار تھے سو جان سے
کیا کریں قسمت سے خنجر ہی نہ تھا قاتل کے پاس

مہر وہ اس پر نگاہِ ناز ڈالیں کس لئے
اک محبت کے سوا ہے کیا تمہارے دل کے پاس

اسکی خوشی ہو کیا مجھے کی ہے یہ چال بس جی بس
ورنہ عدو سے اور ہو تمکو ملال بس جی بس

اور نہ مجھ سے پوچھ کہا۔ اچھی طلب ہے واہ وا
تم نے تو آتے ہی کیا دل کا سوال بس جی بس

بہرِ عیادت آئے وہ۔ آکے یہ مجھ سے کہہ گئے
دیکھ لیا۔ سمجھ لیا آپ کا حال بس جی بس

اُسکے کہے سے ترک کی ہم سے جو رسم دوستی
تمکو رقیب کا ہوا اتنا خیال بس جی بس

قتل کیا کسی کو کیا۔ ذبح کیا کسی کو کیا
آپ کی تیغ آج ہی خون سے لال بس جی بس

مل گئے ہم تو خاک میں آپ سے بے ملے ہوئے
مل کے تو آپ سے کوئی ہوگا نہال بس جی بس

شکلِ رقیب میں بھلا ایسے لگے تھے لعل کیا
دیکھتے ہی رہے جو تم اُسکا جمال بس جی بس

میرے نصیب میں لکھا رنج شبِ فراق تھے
مجکو نصیب ہو چکا روزِ وصال بس جی بس

کل جو تمھاری زلف میں باندھ دیا تھا دل
وہ بھی تو آج ہو گیا تمکو وبال بس جی بس

مجکو نہ صبر آئے گا۔ تمکو نہ رحم آئے گا
یہ بھی محال بس جی بس۔ وہ بھی محال بس جی بس

قہرؔ کا دل تو پھنس چکا گیسوئے پیچدار میں
اور کہیں بچھائیے جا کے یہ جال بس جی بس

ردیفِ شین مُعجمہ

دل لے کے کیئے دل کے سب ارمان فراموش
تم سا بھی نہ دیکھا کوئی احسان فراموش

ہر بات پہ کہتے ہو مری جان فراموش
اب تم سے بدے کیا کوئی نادان فراموش

آنکھوں میں سما جاتی ہے جو آن کسی کی
ہوتی نہیں دل سے وہ کسی آن فراموش

مر کر بھی تو مٹتی نہیں مرنے کی تمنا
مٹکر بھی تو ہوتا نہیں ارمان فراموش

راحت ہو مسرت ہو۔ الم ہو۔ کہ ستم ہو
کر دیتا ہے دو روز میں انسان فراموش

انداز وہ ہیں جو کبھی آنکھوں کو نہ بھولیں
آواز وہ ہے جو نہ کریں کان فراموش

ایمان کی کہنا کہ اُسے دیکھ کے زاہد
ہوتا ہے کہ ہوتا نہیں ایمان فراموش

ظالم تجھے تڑپیں کی رہی یاد یہاں تک
بھولو نہیں بھی میرے نہ کیا یاں فراموش

پھرتا ہے نگاہوں میں نگاہوں کا پکڑنا
ہوتا نہیں یہ موت کا سامان فراموش

بھولے گا مجھے وہ تجھے لے کر۔ مگر اے دل
تو مجکو نہ کرنا۔ ترے قربان فراموش

آتا ہے مرے دل ہی میں ہر پھر کے ترا تیر
کرتا نہیں اس گھر کو یہ مہمان فراموش

خلوت میں بھی دل سے کبھی اُنکے نہیں ہوتے
دربان فراموش۔ نگہبان فراموش

دیکھا ہی نہیں قہرؔ ابھی جلوۂ جاناں
دیکھو گے تو ہو جائیں گے اوسان فراموش

میرا ہی جی جلا کر ہو گا جو دل ترا خوش
تو اے بتِ ستمگر میں خوش مرا خدا خوش

ہر وقت ظلم ڈھانا ہر لحظہ جور کرنا
اُسکی بلا سے اسمیں خوش ہو کوئی کہ ناخوش

مرنا ہے اُس کا مرنا جو مر گیا کسی پر
جینا ہے اُس کا جینا جو عشق میں جیا خوش

غمزہ ہو یا کرشمہ، عشوہ ہو یا اشارہ
کرتی ہی میرے دل کو اک اک تری ادا خوش

اظہارِ مدعا نے لطفِ اُمید کھو یا
جب ہو گئے وہ ناخوش تو ہونگے ہم سے کیا خوش

وہ اسکو چھینکتا ہے۔ یہ اُسکو چھینکتا ہے
یہ طرفہ دل لگی ہی دل خوش نہ دل رُبا خوش

ہو وصل کل کہ فرقت۔ اب ہے، یہ اپنی قسمت
اُس نے تو وعدہ کرکے دل آج کر دیا خوش

میں پوچھتا نہیں ہوں کچھ اور تجھ سے قاصد
اتنا مجھے بتا وہ ناخوش ہی مجھسے یا خوش

دل لینے ہی تک اُسکی ساری لگاوٹیں تھیں
ہوتی ہے اب کسی سے بے درد کی بلا خوش

اُس سے بھی لڑ چکے ہو۔ مجھ سے بھی تم لڑوگے
کچھ مجکو خوش کروگے۔ کچھ غیر کو کیا خوش

اے مہرؔ اب اکیلے دل ہے نڈھال اپنا
جمگھٹ میں مہوشوں کے جبتک رہا خوش

ردیفِ صاد مُہملہ

اور دیکھے رُوئے تاباں کوئی شخص
ہے اب آئینے میں حیراں کوئی شخص

دل کو کیوں کرتا ہے ویراں کوئی شخص
ہے اِسی گھر میں تو مہماں کوئی شخص

اِس طرف گردن ہے خنجر اُس طرف
اب منائے عیدِ قُرباں کوئی شخص

عرضِ مطلب پر وہ ہوتے ہیں خفا
کیا نکالے اپنے ارماں کوئی شخص

دل نہ دونگا میں کہ دل ہی جان ہے
جان دے کر کیوں ہو بیجاں کوئی شخص

کون تھا وہ حشر میں۔ کیا آپ تھے؟
تھا بہت دل میں پشیماں کوئی شخص

ہاں۔ بجا ہے دل کے طالب تم نہیں
اور ہوگا اِس کا خواہاں کوئی شخص

مہرؔ دل میں شاد ہیں بشاش ہیں
کر گیا کیا اِن سے پیماں کوئی شخص

ردیفِ ضاد مُعجمہ

مطلب نہ لُطف سے ہے نہ آزار سے غرض
دیدار والے رکھتے ہیں دیدار سے غرض

آنکھوں سے دیکھ لوں تو مجھے کچھ یقین آئے
یہ کیا کہا نہیں ہیں اغیار سے غرض

رُوٹھے جو وہ تو ہم نے یہ کہہ کر منا لیا
رنجش سے ہمکو واسطہ تکرار سے غرض

ہم کیوں کریں رقیب کی دربار داریاں
ہم کو اگر غرض ہے تو سرکار سے غرض

آنکھیں ہوں۔ دل ہو۔ پردہ ہو۔ دیوار ہو کہ گھر
چھُپنا اُسے تو طالبِ دیدار سے غرض

اُمیدوارِ وصل کو مطلب ہے وصل سے
انکار سے نہ کام نہ اقرار سے غرض

اٹکی ہے کیا مسیح کی جو چارہ ساز ہوں
ہو کیوں کسی کو آپ کے بیمار سے غرض

خونریز ہو گی جس ستم ایجاد کی نگاہ
ہو گی اُسے نہ تیر نہ تلوار سے غرض

اے مہرؔ جسکو ہو نہ محبت سے واسطہ
کیا اُسکے شوق کو مرے اشعار سے غرض

ردیفِ طائے مُہملہ

تم تو کہتے تھے نہ ہو گا اب کسی سے ربط ضبط
ہو گیا کیوں دو ہی دن میں مدعی سے ربط ضبط

آج ان بن ہو گئی تو ہو گئی پروا نہیں
کل مجھی سے صُلح بھی ہو گی مجھی سے ربط ضبط

کیسی اُلٹی ہے الٰہی خوبرویوں کی سمجھ
دوستی سے اِن کو نفرت دشمنی سے ربط ضبط

تم ابھی کم سن ہو ان باتوں سے واقف ہی نہیں
کیا کریں تم سے بڑھا کر ہم ابھی سے ربط ضبط

جسکو کہتے ہیں ستم ایجاد سب میرے سوا
بس اُسی سے رسم ہے بس ہے اُسی سے ربط ضبط

دل ہلا کر مجھ سے ملئے دل سے ہنسئے بولئے
آدمی کرتا ہے پیدا آدمی سے ربط ضبط

لو وہ کہتے ہیں کہ پہلے ہے یہ ہونا ہی محال
اور ہو گا بھی تو ہو گا کیا کبھی سے ربط ضبط

ربط ضبط اغیار سے رکھنا نہیں ہمکو پسند
اُنکو رکھنا ہو تو رکھیں وہ خوشی سے ربط ضبط

کیوں نہ واقف ہوں یہ رسمِ عشق سے اچھی طرح
مہرؔ کا بھی تھا کبھی آخر کسی سے ربط ضبط

ردیفِ ظائے معجمہ

خوبرویوں کو ہی زیبا ہے لحاظ
آنکھ میں اچھوں کی چھا ہی لحاظ

کیا تماشا ہے کہ میرے سامنے
وہ نہیں آتے ہیں۔ آتا ہے لحاظ

نیچی نظروں سے مجھے دیکھا کرو
یوں کرو۔ تمکو جو کرنا ہے لحاظ

ہے نہیں دشمن تو آخر کون ہے
آپ کو پھر اور کس کا ہے لحاظ

آئینے سے انکو شرم آنے لگی
وہ انکو کھے ہیں انکو کھا ہے لحاظ

کیوں نہوں بیباک بچپن میں حسیں
ہوش آتا ہے تو آتا ہے لحاظ

کون پوچھے کون چھیڑے ذکرِ غیر
مجکو انکا۔ انکو میرا ہے لحاظ

شرم کے ہمراہ کچھ شوخی بھی ہو
آپ نے اِسکا بھی رکھا ہے لحاظ

کوئی ایسوں سے بھی چھپتا ہی کہیں
چاہنے والوں سے بیجا ہے لحاظ

پردہ کرتے ہو مری تصویر سے
یہ زمانے سے نرالا ہے لحاظ

شکر ہے اُس کم سخن کا قہر سے
مدّتوں میں آج ٹوٹا ہے لحاظ

ردیفِ عین مہملہ

یہ بھی سوچا تُو نے جب جلنے لگا پروانہ شمع
تجکو ایسا چاہئے۔ یا چاہئے ایسا نہ شمع

انقلابِ سوزِ غم سے کیوں رہے بیگانہ شمع
شمع ہو پروانہ جل کر۔ اور ہو پروانہ شمع

دھوم پروانوں سے شب کو اُسکے صدقے میں رہی
میری تُربت پر تپِ غم سے جلی کیا کیا نہ شمع

اِس سے بڑھکر اور اِس جلنے کا مِلتا کیا صِلہ
رات بھر تو شمع رُویوں سے رہا یارانہ شمع

آپ نے دیکھا پتنگوں کے جلانے کا مآل
جل بجھی آخر کو خود بھی صورتِ پروانہ شمع

اُس رخِ روشن کے آگے ہو کے روشن گُل گئی
اور کیا تھا بس یہ تھا اِس جُرم کا جُرمانہ شمع

اُنکو اپنے حسن پر کیوں کر نہ ہو نازِ غرور
شمع ہیں وہ انجمن میں اور ہے پروانہ شمع

تجکو ہے جلنے سے مطلب۔ تجکو ہر روپیسے کام
کیسہ سو دل سے تصدق کس پہ سوجھی ہے نثار
رات بھر رہ کر وہاں دیکھے ہیں کیا کیا رنگ ڈھنگ
صبح کے ہوتے ہی بزمِ ناز سے تو چل بسی

عیش خانہ ہو کسی کا یا ہو ماتم خانہ شمع
کس کا دیوانہ ہے پروانہ۔ ترا دیوانہ شمع
کس لئے چپ ہے سنا اُس بزم کا افسانہ شمع
بھر گیا کیا جلد تیری عمر کا پیمانہ شمع

ہوشوں کے رُوئے روشن کی اگر پروانہ ہو
تو نہیں بجھنے کا تیرا قہر سے یارانہ شمع

ردیفِ غین معجمہ

دل میں بھی جا ہے داغ جگر میں بھی جا ہے داغ
چھوڑا ہے اسمیں سوزِ محبت نے اور کیا
کھو کر دل و جگر کوئی کس کس کا غم کرے
دل سے کبھی ہوا نہ مرا داغ دل جدا
روتی ہیں حسرتیں دلِ عاشق کی لاش پر
رکھا تھا دل میں داغ کو میں مثلِ داغِ عشق
گلزار و یادگار ہیں۔ گلزار و یادگار
مہتاب و آفتاب ہیں۔ مہتاب و آفتاب

دل دے کر اسکو میں نے ہزار دل اٹھائے داغ
رکھا ہے اور کیا مرے دل میں سوائے داغ
اس کا اٹھائے داغ کہ اُس کا اٹھائے داغ
تمکو جو سیکھنی ہے تو سیکھو وفائے داغ
دشمن کو بھی خدا نہ کسی کا دکھائے داغ
اب داغ مر گیا داغ ہی دل میں بجائے داغ ق
ایک ابتدائے داغ ہے۔ ایک انتہائے داغ
کیا رات دن ہی بزمِ سخن میں ضیائے داغ

سنتا ہوں اب جو قہر کوئی شعر داغ کا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے کہتا ہوں ہائے داغ!

ردیفِ فا

ہو اُن سے کچھ تو گفتگو یا اس طرف یا اُس طرف
یا قتل وہ مجکو کریں یا وصل ہو انکا مجھے
دشمن نے بھڑکا یا نہو۔ ناصح نے بہکایا نہو

پردے میں ہو یا ڈھونڈو یا اِس طرف یا اُس طرف
نکلے تو کوئی آرزو یا اِس طرف یا اُس طرف
کوئی نہ کوئی ہو عدو یا اس طرف یا اُس طرف

اب عشقِ بدانجام میں وہ ہوں کہ جنوں میں
جا کر رہے گی آبرو یا اِس طرف یا اُس طرف

تیرے لئے اے دل لڑوں لڑنے سے پہلے سوچ لوں
ہوگا کدھر اُس وقت تو یا اِس طرف یا اُس طرف

آئے ترا تیرِ نظر۔ دل ہو کہ ہو بسمل جگر
دونوں میں اُسکے روبرو یا اِس طرف یا اُس طرف

حوروں کا سودائی ہوا۔ پریوں کا دیوانہ بنا
دل کی کروں میں جستجو یا اِس طرف یا اُس طرف

سائل درِ میخانہ پر زاہد بھی ہے میخوار بھی
اُٹھے کدھر دستِ سبو یا اِس طرف یا اُس طرف

اے مہر اُن میں غیر میں ہو جبکہ یوں حجت بڑھی
کوئی تو ہوگا تند خو یا اِس طرف یا اُس طرف

دردِ اُلفت سے کہیں شوخ حسیں ہیں واقف
اِس کو ہم جانتے ہیں اِس سے ہمیں ہیں واقف

اُسکے وعدے پہ جئیں اہلِ وفا کیا حاصل
بیوفائی سے تری جانِ حزیں ہیں واقف

نالہ کرنا کسے کہتے ہیں۔ کسے مرجانا
اِن طریقوں سے محبت میں ہمیں ہیں واقف

دل جلانے سے، ستانے سے، ستم ڈھانے سے
ابھی کم سن ہیں۔ ابھی آپ نہیں ہیں واقف

اے فلک ایک ہمیں کشتۂ آزار نہیں
تیری بیداد سے سب اہلِ زمیں ہیں واقف

کِس طرح خاک میں انسان مِلا کرتے ہیں
ہمسے پُوچھے کوئی ہم خاک نشیں ہیں واقف

ہم یہ کہتے ہیں کہ تم سے بہت آگاہ ہیں ہم
وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تم سے نہیں ہیں واقف

دیکھ لو ہے دلِ مضطر بھی مرا شوخ و شریر
اب نہ کہنا کہ شرارت سے ہمیں ہیں واقف

اپنی محفل ہی میں تم پُوچھ لو ہے کون بُرا
غیر سے مجھ سے بہت لوگ یہیں ہیں واقف

دُور اُفتادہ اُسے ڈھب پہ لگائیں کیونکر
اِن قرینوں سے جو رہتے ہیں قریں ہیں واقف

ایسی شہرت نہ کسی کی کہیں دیکھی نہ سُنی
مہر کے نام سے سب ماہ جبیں ہیں واقف

ردیفِ قاف

دیتا جو رنج و غم سے رہائی شبِ فراق
ایسا دیا نہ کوئی دکھائی شبِ فراق

آئے نہ تم نہ موت ہی آئی شبِ فراق
ہم سے تو سب نے آنکھ چرائی شبِ فراق

جب اور کچھ نہ ہم سے بن آئی شبِ فراق
دیتے رہے سحر کی دہائی شبِ فراق

سر سے بلائے ہجر کا ٹلنا محال ہے
جانے کے واسطے نہیں آئی شبِ فراق

یہ انقلاب میرے مقدر کا دیکھئے
بدلے ہیں روزِ وصل کے پائی شبِ فراق

دیتے ہیں جانِ عاشقِ ناکام سیکڑوں
لیتی ہے اپنے سر یہ برائی شبِ فراق

نالے بھی ہیں فضول دعائیں بھی ہیں عبث
ہوتی ہے کب کسی کی رسائی شبِ فراق

صبحِ شبِ فراق وہ آکر یہ کہہ گئے
کمبخت تجھکو موت نہ آئی شبِ فراق

مجھکو مرے رقیب نہ مُردہ سمجھ سکے
نالوں نے ایسی بات بنائی شبِ فراق

یہ کہکے روزِ وصل وہ گھر اپنے چل دیئے
"آئی وہ آئی۔ دیکھ وہ آئی شبِ فراق"

اے قہرؔ سرگذشتِ غمِ ہجر کیا کہوں
آفت ہیں دونوں روزِ جدائی شبِ فراق

یہ قول تھا زندگی میں جنکا بنائینگے یادگارِ عاشق
ستم تو دیکھو مٹا رہے ہیں وہی اب آکر مزارِ عاشق

کہاں کس افسوس سے کسی نے اڑا جو سر پر غبارِ عاشق
یہ ہمنے کیا خاک میں ملا کر بڑھا دیا ہے وقارِ عاشق

بڑھے گھٹے۔ اس سے بحث کیا ہے رہیگی لیکن بہارِ عاشق
حیاتِ عاشق ممات عاشق سرورِ عاشق خمارِ عاشق

فراقِ جاناں نے مار ڈالا غمِ محبت نے دم نکالا
رہیں جو صبر و قرار سے اب نہیں وہ صبر و قرارِ عاشق

نہ دل سے وہ دوست جانتے ہیں نہ اپنا دشمن ہی مانتے ہیں
نہ ہے اِنمیں۔ نہ ہے اُنمیں نہیں کسیمیں شمارِ عاشق

بہار کا انتظار کب تک۔ جو سیرِ گلزار دیکھنی ہے
تو دیکھتے کیوں نہیں وہ آکر ابھی ہے دل داغدارِ عاشق

وہ زندگی کیسی زندگی تھی۔ یہ موت ہے کیسی موت یارب
نہ تھا کوئی غمگسارِ عاشق نہ ہے کوئی سوگوارِ عاشق

مجھے یہ ڈر ہے جنابِ ناصح کہیں نہ رسوائے دہر کردیں
ہوئے تو ہیں حالِ دل سے واقف۔ تو ہیں بڑے رازدارِ عاشق

غضب کی ہے چتون بلا کی نظریں ستم ہے پھر اس پہ ہیں یہ مژگاں
یہ تیر ہوں جسکے پاس وہ پھر کرے نہ کیونکر شکارِ عاشق

وہ کہتے ہیں میرے نامہ بر سے کیا تغافل کا اس نے شکوہ
جفا پہ کیا جانیں کیا کریگا ہمیں نہیں اعتبارِ عاشق

جو سر ہو زانوئے مہ جبیں پر۔ تو قہرؔ اترائے کیوں نہ دل میں
کرے نہ کیوں افتخارِ عاشق اگر ہو یوں افتخارِ عاشق

ردیفِ کافِ تازی

اِے نجومی وہ حسیں مجھ سے ملے گا کب تک
مَورِدِ طعنہ و دشنام رہوں گا کب تک
اب قسم ہے تمھیں ملنے کی نہ مِلنا مجھ سے
جان لینی ہے تو لے لیجئے ۔ آخر میں بھی
اِس قدر جلوۂ دیدار سے بیہوش رہے
ہے قیامت کیلئے ایک ہی دن کی میعاد
اُن کو چاہوں گا مگر یہ تو بتا دیں مجھکو

پُوری ہوگی دلِ مضطر کی تمنا کب تک
وہ بُرا مجکو کہے جائیں گے اچھا کب تک
میں بھی دیکھوں تو نہ ہوگا مرا چاہا کب تک
حسرتِ قتل میں بیتاب رہوں گا کب تک
نہیں معلوم کہ ہم نے انھیں دیکھا کب تک
حشر کوچے میں رہے گا ترے برپا کب تک
رنج و غم دیں گے محبت میں وہ کتنا کب تک؟

شاد ہونا بھی مقدر میں لکھا ہے کہ نہیں
قہرؔ ناشاد رہے مَوردِ ایذا کب تک

یہ نہ سمجھو مرے ارمانِ دلی ہیں دو ایک
آہ کی ہے کبھی میں نے کبھی کی ہے فریاد
سب نگاہیں نہیں اُٹھتیں تری جانب اچھی
شوخیاں کر کے بھی شوخی نہیں جاتی تیری
یوں نکلنے کو شبِ وصل ہزاروں نکلیں
اور کیا بات تھی آئیں جو بلائیں دل پر
محفلِ ناز تری غیر سے خالی نہ رہی
کیوں خفا ہو گر اک آدھ کیا ہے نالہ

ابھی دو ایک تھے پھر اور ابھی ہیں دو ایک
اور کیا کی ہیں خطائیں یہی کی ہیں دو ایک
ایک دو ہیں اگر اچھی تو بُری ہیں دو ایک
کی ہیں دس بیس جو تو نے تو گنی ہیں دو ایک
حسرتیں پھر بھی مرے دل میں رہی ہیں دو ایک
ہاں مگر اس نے بلائیں تری لی ہیں دو ایک
کبھی دو چار اگر ہیں تو کبھی ہیں دو ایک
مہرباں میں نے دعائیں بھی تو دی ہیں دو ایک

کیوں نہ دے قہرؔ جگہ دل میں غمِ دوراں کو
اُسکے مونس ہیں تو لے دے کے یہی ہیں دو ایک

ردیفِ گاف فارسی

مژگانِ یار وا ہوئے خمدار سے الگ
دل تیر سے جدا رہے تلوار سے الگ

محفل میں کبھی نکل نہ سکی میری آرزو
بیٹھا وہ اپنے طالبِ دیدار سے الگ

دل ہاتھ پر ہے اور کھڑا سوچتا ہوں میں
رکھوں اسے کہاں نگہِ یار سے الگ

رکھے ہزار کوئی اسے روک تھام کر
ممکن نہیں کہ دل رہے دلدار سے الگ

جس وقت کی تھی میرے رقیبوں نے سرکشی
سر کر دیا نہ آپ نے تلوار سے الگ

دشمن بھی ہیں نگاہ میں۔ تم بھی نظر میں ہو
دربار سے جدا ہوں نہ سرکار سے الگ

پوچھے وہ خاک بیٹھ کے پہلو میں دردِ دل
بیٹھے جو میرے سامنے اصرار سے الگ

جب دیکھتے ہیں بزم میں بیٹھا ہوا مجھے
باتیں وہ اُٹھ کے کرتے ہیں اغیار سے الگ

کچھ دل ہی رہ گئے ہیں۔ کچھ ارماں نکل گئے
دو چار سے قریب ہوں۔ دو چار سے الگ

کہتے ہیں جس کو دردِ محبت سب اہلِ درد
مشکل ہے وہ ہو مہر کے اشعار سے الگ

ردیفِ لام

عدو ہوں تیری بزمِ ناز میں توقیر کے قابل
خدا کی شان۔ ایسے! اور اس تقدیر کے قابل!

وہ دل کیوں ہو جفائے آسمانِ پیر کے قابل
جو ہو اس تیغ کے لایق۔ جو ہو اس تیر کے قابل

ستم ہے ضبطِ الفت حالِ دل کہنے نہیں دیتا
زباں رکھتے ہیں پھر بھی ہم نہیں تقریر کے قابل

جو چاہا تم کو تو اس میں خطا کی کون سی میں نے
مجھے سمجھے ہو کس تقصیر پر تعزیر کے قابل

فلک پر منہ چھپا کر کس لئے جا بیٹھتے عیسیٰ
اگر ہوتا ہمارا دردِ دل تدبیر کے قابل

فغاں کمزور۔ آہیں ناتواں بیمارِ فرقت کی
نہ یہ تاثیر کے قابل نہ وہ تاثیر کے قابل

نہ رکھوں کیوں اسے دل میں نہ دیکھوں کیوں اسے دل میں
یہی تو ہے اک آئینہ تری تصویر کے قابل

دلِ دیوانۂ الفت کو میں کیا باندھ کر رکھوں
جو اسکے پاؤں ہوں تو یہ بھی ہو زنجیر کے قابل

فروغِ بزمِ دشمن ہو تمہارے روئے روشن سے
وہ محفل اور ہو اس شمع کی تنویر کے قابل؟

یہی ہے شرح اسکی۔ شرح اسکی ہو نہیں سکتی
زیادہ اس سے حالِ دل نہیں تفسیر کے قابل

دمِ آخر نہ دیکھا جائے گا رستہ قیامت کا
نہیں یہ وقت تو اے حیلہ جو تاخیر کے قابل

یہی ہے سادگی تو کیوں شکارِ دل کا ارماں ہے
کوئی ناوک بھی ہے چٹکی میں اس نخچیر کے قابل

لکھے بھی قہر اُسے خط تو لکھے بھی کیا اُسے خط میں
وہ ہو تحریر کیونکر جو نہو تحریر کے قابل

یہ کہہ کر وہ میرا اُڑا لے گیا دل
ذرا میں بھی دیکھوں۔ مجھے تو دکھا دل

جو دل لیکے تم مجھسے کہتے ہو لا دل
مرے پاس رکھا ہے کیا دوسرا دل

کبھی تو نے رکھا نہیں دل کسی کا
اگر دے بھی کوئی تو دے تجکو کیا دل

ہمارا ہے دل۔ یا یہ دل ہے تمہارا
عبث کہہ رہے ہو مرا دل مرا دل

کہیں مارے باندھے سے رہتا ہے یہ بھی
بہت ہمنے رکھا مگر کب رہا دل

وہ کہتے ہیں مجھ سے کمی کیا ہے مجھ کو
کوئی مل ہی جائے گا اچھا برا دل

کہوں کیا شبِ غم وہ آزار دیکھے
کہ بن بن گئی دم پہ ہل ہل گیا دل

سبب ترکِ الفت کا کیا پوچھتے ہو
ملا دل ملا دل۔ کھنچا دل کھنچا دل

وہ کہتے ہیں مجھ سے کہ پھر کیا کرے تو
اگر چھین لے تجھ سے کوئی ترا دل

شرارت میں تم سے کچھ کم نہیں ہے
اگر شوخ ہو تم۔ تو ہے چلبلا دل

دل آزار تو ہے۔ دل افگار ہم ہیں
ہمارا جدا ہے۔ جدا ہے ترا دل

ملا اس طرح وہ ملے اس طرح ہم
ملی آنکھ سے آنکھ۔ دل سے ملا دل

گئی چیز کا قہر کرتے ہو کیا غم
گیا دل۔ گیا دل۔ گیا دل گیا دل

وہ نہیں کرتے دوائے دردِ دل
دل ہی اب مٹکر مٹائے دردِ دل

آئے گی پھر لذتِ تسکیں کسے
جان تو لے کر نہ جائے دردِ دل

دیکھ کر وہ دل ہمارا کیا کریں
کچھ نہیں دل میں سوائے دردِ دل

دل ہی جب ہو دردِ دل سے بیقرار
کس جگہ پھر چین پائے دردِ دل

پھر مرا دل کیوں نہ تڑپے جب کوئی
اُٹھکے پہلو سے اُٹھائے دردِ دل

خود مٹے گا۔ یا مٹائے گا مجھے
کچھ تو ہو گی انتہائے دردِ دل

یوں تو مل سکتی نہیں اس سے نجات
موت آجائے تو جائے دردِ دل

دردِ دل کا وہ مُداوا کیا کرے
جو کہے دل ہے برائے دردِ دل

حالِ دل ہی جب نہیں وہ دیکھتے
پھر کوئی کیونکر دکھائے دردِ دل

مرتے دم تک یہ مرا ہمدم رہا
آپ نے دیکھی وفائے دردِ دل!

پھر اسے سُن کر وہ برہم ہو گئے
اور کہیئے ماجرائے دردِ دل!

ردیفِ میم

اُس سے اُٹھتے کہیں اُٹھتے ہیں خنجر کے ستم
دیکھئے تو مرے دشمن پہ کبھی کر کے ستم

اُس سے کیا خاک اُٹھیں تم سے ستمگر کے ستم
اُٹھ سکیں جس سے نہ اپنے دلِ مضطر کے ستم

آہِ مظلوم سے شاید ترا جی ڈرتا ہے
اسلئے تو نے مرے دل پہ کئے ڈر کے ستم

ناز۔ انداز۔ ادا۔ عشوہ۔ کرشمہ۔ شوخی
ایک دل اور پھر اُسپر ہیں یہ دلبر کے ستم

اور دھیان ہے کوئی دم کا مریضِ فرقت
اور بیمارِ محبت یہ ہیں دم بھر کے ستم

ذبح کرتا ہے تو آنکھیں بھی نکال اے قاتل
اِن سے دیکھے نہیں جاتے ترے خنجر کے ستم

نہ یہ مضطر ہے زیادہ۔ نہ وہ کم ہے بیتاب
دل جگر دونوں اُٹھاتے ہیں برابر کے ستم

اور کیا خاک ہے میرے لئے میخانے میں
کبھی شیشے کے ستم ہیں کبھی ساغر کے ستم

کچھ تو دلبر نے ستایا۔ دلِ بیتاب نے کچھ
مجھپہ کچھ ظلم ہیں باہر کے۔ کچھ اندر کے ستم

سچ تو یہ ہے کہ دل اُنکا ہے کلیجا اُنکا
جو اُٹھاتے ہیں ترے عشق میں عمر کے ستم

عشق میں میرے سوا کون بد اختر وہ ہے
جسکی تقدیر میں ہیں چرخِ بد اختر کے ستم

کوئی صورت ہو وہ اے قہر کہاں جاتے ہیں
جو ہیں تقدیر کے غم جو ہیں مقدر کے ستم

مانو کہا۔ عدو کے کہے میں نہ آؤ تم
یہ ماننے کی بات ہے یہ مان جاؤ تم

کیا قہر ہے کہ پہلے مرا دل چُرا لیا
اب کہتے ہو یہ اور کو چوری لگاؤ تم

جبتک ہے دل مٹے گا نہ دل سے ہجومِ شوق
اسکو اگر مٹاؤ تو اُسکو مٹاؤ تم

یہ اچھی لاگ اور یہ اچھا لگاؤ ہے
دل میں نہ آؤ اور نظر میں سماؤ تم

اچھی کہی رقیب کو ہم جانتے نہیں
ہم جانتے ہیں ہم سے نہ باتیں بناؤ تم

دل سے تو حسرتیں مرے دل کی نکال دو
میں تم کو روکتا نہیں جاتے ہو جاؤ تم

تلوار تیز ہے کہ نہیں یہ تو دیکھ لو
پہلے رقیب پر ہی اسے آزماؤ تم

کیا اس ستم کو پہلوئے دشمن میں دل نہیں
کچھ فرض ہے کہ میرے ہی دل کو ستاؤ تم

دل پر ستم کئے ہیں تو فریاد بھی سنو
کس نے کہا تھا دوست کو دشمن بناؤ تم

کوئے بتاں بھی غیرتِ جنت ہے زاہدو
لیکن نہ جاؤ تم تو جہنم میں جاؤ تم

وہ بے وفا تو پھر نہ رہے گا تم سے کیا
تمکو نباہنی ہے تو اُس سے نبھاؤ تم

دیکھنا کہتے ہیں کیا کیا داورِ محشر سے ہم
حشر میں چپ رہ نہیں سکتے تمہارے ڈر سے ہم

تنگ آئے ہیں یہاں بھی تو دلِ مضطر سے ہم
اب کہاں جائیں الٰہی کوچۂ دلبر سے ہم

خیر رستے ہی میں مل جائیں کسی دن اس طرح
آپ اپنے گھر سے نکلیں اور اپنے گھر سے ہم

کیا خبر تھی عشق میں پڑ جائیں گے یہ تفرقے
ہم سے دل نا آشنا ہو جائے گا دلبر سے ہم

قتل ہو کر بھی نہ مرجھائے گلِ داغِ جگر
کس قدر سیراب ہیں آبِ دمِ خنجر سے ہم

تیز رو ایسا بھی دیکھا کوئی راہِ شوق میں؟
ہر قدم پر منزلوں آگے رہے رہبر سے ہم

تجکو رونا ہے فقط ناصح ہماری جان کا
اور کیا معلوم دے بیٹھے ہیں کیا کیا گھر سے ہم

اے شبِ غم ایسے نظارے سے کچھ حاصل نہیں
صُبح تک آنکھیں لڑائیں دیدۂ اختر سے ہم

ساقیِ کمظرف تو دل توڑ کر چلتا ہُوا
خونِ دل پیتے رہے ٹوٹے ہوئے ساغر سے ہم

اب ترے ہی سنگِ در کی کچھ خصوصیت نہیں
اپنی قسمت پھوڑتے پھرتے ہیں ہر پتھر سے ہم

تو بتا ۔ ہے اور دنیا میں ٹھکانا کونسا
جائیں تو جائیں کہاں ہیں گھر سے ہم اِس در سے ہم

اپنے در سے اُس نے یہ کہہ کر اُٹھایا ہے مجھے
تو نہیں ہٹتا تو کیا نکلیں ترے سر پر سے ہم!

اُس زمیں پہ پاؤں رکھتے ہی تو سر جاتا ہے قہر
چل سکیں کیا خاک قاتل کی گلی میں سر سے ہم

وہ رنج دیں کہ مسرت یہ مجکو کیا معلوم
دکھائے کیا مری قسمت یہ مجکو کیا معلوم

نظر کے سامنے سے آئینہ نہیں ہٹتا
تجھی کو ہے تری حسرت یہ مجکو کیا معلوم

ستم کریں گے ستائیں گے ظلم توڑیں گے
وہ مجھپہ ڈھائیں گے آفت یہ مجکو کیا معلوم

تمہاری بزم ہے ایسی۔ یہ میں نہ سمجھا تھا
فلک سے اُتری ہے جنّت یہ مجکو کیا معلوم

جو دیکھتا ہے انھیں اُسکے دم پہ بنتی ہے
بُری ہے اچھوں کی صورت یہ مجکو کیا معلوم

ستم ہے دل کا لگانا غضب ہے دل کی لگی
عذاب ہے غمِ فرقت یہ مجکو کیا معلوم

کبھی لحد پہ وہ روئیں گے۔ یا وہ اشکوں سے
بہائیں گے مری تربت یہ مجکو کیا معلوم

یقیں ہو کیا شبِ فرقت سحر کے آنے کا
وہ آئے گی کہ قیامت یہ مجکو کیا معلوم

کبھی جو تذکرہ آیا تو ہو گئے برہم
تمھیں ہے قہر سے نفرت یہ مجکو کیا معلوم

ٹالے سے جو ٹل جائیں کچھ آفت تو نہیں ہم
کیوں اُٹھیں ترے در سے قیامت تو نہیں ہم

ہونے دو اگر شکوۂ بیداد ہے دل میں
کرتے کبھی کچھ مُنھ سے شکایت تو نہیں ہم

کیوں کھانے کو ملتا ہے نیا غم نہیں ہر روز
مہمان ترے اے شبِ فرقت تو نہیں ہم

آتی جو نہیں نیند تو موت آئے شبِ ہجر
بیدار رہیں غیر کی قسمت تو نہیں ہم

بیتاب ہیں بےچین ہیں مضطر ہیں بلا سے
لیکن تری آنکھوں کی شرارت تو نہیں ہم

مشکل جو ہوا بیٹھ کر اُٹھنا ترے در سے
ظالم کہیں تیری ہی نزاکت تو نہیں ہم

رُوٹھے ہوئے دشمن کو تمھیں جا کے مناؤ
ہم سے نہ کہو۔ کرنے کے منّت تو نہیں ہم

کیوں ہمکو نکلواتے ہیں وہ بزم سے اپنی
ارماں تو نہیں ہم۔ کوئی حسرت تو نہیں ہم

دل لینے میں کیوں آپ کو اتنا ہے تامّل
ٹھہراتے ابھی آپ سے قیمت تو نہیں ہم

کیوں جی سے بھلا کرنے لگا کوئی محبت
ہیں قہر تو ہوں۔ قابلِ اُلفت تو نہیں ہم

ردیفِ نون

میں کیوں خضر کے آبِ بقا پر مٹا رہوں
تجھ میں فنا رہا ہوں۔ تجھی میں فنا رہوں

تیرے سوا سمائے نہ جب کچھ نگاہ میں
پھر خاک محوِ خال و خطِ ماسوا رہوں

پھر بھی نہ مٹ سکے مری مٹنے کی آرزو
تیری ادا ادا پر اگر میں مٹا رہوں

رہتا وہ جلوہ پردۂ وحدت میں کس طرح
اُسکو ازل سے شوق تھا کثرت نما رہوں

بھرتے ہیں گھاؤ جب تری شمشیرِ ناز کے
دل چاہتا ہے زخمیِ تیرِ ادا رہوں

میرے لئے تو زندگیِ ہجر موت ہے
کب تک اُمیدوار ترے وصل کا رہوں

حسرت ہے مجکو بھی صفتِ عکسِ آئینہ
آجائے تُو نظر تو تجھے دیکھتا رہوں

اے قہر مجکو دردِ جدائی عذاب ہے
اُس سے جدا رہوں بھی تو کب تک جدا رہوں

کرتے ہیں جو حجاب۔ رہیں وہ حجاب میں
لیکن نہ جلوہ رُخ کا چھُپے گا نقاب میں

واعظ جو تُو نے صرف کیا ہے شراب میں
ہے وہ حساب پیرِ مُغاں کی کتاب میں

میری نہ سُنئے اِسکی طرف کیجئے نگاہ
کہنا ہے مجکو آپ سے کچھ دل کے باب میں

یہ ڈھنگ شوخیوں کے نہ آتے کسی طرح
تم دیکھتے اگر نہ مجھے اضطراب میں

لکھیں گے خط وہ مجکو اب اِسکی اُمید کیا
قاصد بھی تو پلٹ کے نہ آیا جواب میں

دکھاتا نہیں ہے ظلم جوانی میں عشق ہی
ہوتا ہے قہر حُسن بھی عہدِ شباب میں

زاہد گھٹا اُٹھی ہے جو ساقی نہیں تو کیا
تُو ہی پِلا کر آج ہو داخل ثواب میں

سوچو تو درج ہونگے یہ ظلم و ستم کہاں
میرے حساب میں؟ کہ تمہارے حساب میں؟

ہو کیوں نہ مجکو ناز دلِ بے قرار پر
آیا ہے اک یہی تو ترے انتخاب میں

اے خود نما بتا تو یہ طرزِ حیا ہے کیا
رہ کر حجاب میں بھی نہیں تُو حجاب میں

مجکو فسانہ کہکے سُلا دے شبِ فراق
ممکن ہے قصہ گو چلے آئیں وہ خواب میں

گردش نصیبِ عشق میں مجھ سا کوئی نہیں
جب دیکھو مجکو میں ہُوں نئے انقلاب میں

ہو آنکھ تو یہاں بھی نظر کیوں آئے کچھ — سب کچھ ہے۔ کیا نہیں ہے جہانِ خراب میں
جُرم و گناہ میں کبھی میں نے نہ کی کمی — تو بھی نہ کر کمی کرمِ بے حساب میں

ناشاد و نامراد تو کہتے ہیں قہر کو
اب دیکھیے بڑھائیں وہ کیا اس خطاب میں

ناکامِ محبت ہوں گرفتارِ بلا ہوں ، — پھر بھی یہ مجھے ناز ہے عاشق تو ترا ہوں
یہ کیا کہوں کیسا ہوں۔ مگر تجھ پہ فدا ہوں — اچھا ہوں تو اچھا ہوں۔ بُرا ہوں تو بُرا ہوں
بیہوش مجھے کر کے یہ ہوش انکے اڑے ہیں — یہ بھی نہیں معلوم کہ میں ہوش رُبا ہوں
چلتا ہوا کہتا ہے ترا فتنۂ رفتار — کہتا ہے کہ میں آپ کے قدموں سے لگا ہوں
غفلت تری عادت ہے جفا تیری ادا ہے — کس ظلم کا پھر دادِ طلب روزِ جزا ہوں
کیا حال کہوں آپ سے میں اور کسی کا — خود مجکو نہیں اپنی خبر۔ کون ہوں کیا ہوں
یارب وہ گنا کرتے ہیں کیوں میری خطائیں — میں ہوں بھی تو بس ایک گنہگارِ وفا ہوں
آگ اسنے لگائی نہ گئی بزمِ عدو میں — کیا کیا شبِ فرقت کی دعاؤں سے جلا ہوں
اُلفت میں یہ آپس کا معمّا نہیں کھلتا — دل مجھ سے ہے ناراض کہ میں دل سے خفا ہوں
پھر کس کے اشارے سے قیامت نہ اُٹھے گی — ہر فتنہ یہ کہتا ہے اُن آنکھوں میں رہا ہوں

اے قہر عبث ہے کسی بے مہر پہ مرنا
جو مجکو نہ چاہے اُسے میں کس لئے چاہوں

یوں یقیں سوزِ دروں کا تم کو آسکتا نہیں — داغِ دل میں چیر کر پہلو دکھا سکتا نہیں
آسماں عشاق پر یہ ظلم ڈھا سکتا نہیں — ہے تو ظالم وہ بھی لیکن تجکو پا سکتا نہیں
کیا سناؤں حالِ دل تم کو سنا سکتا نہیں — جو مجھے کہنا ہے وہ کہنے میں آسکتا نہیں
کوئی ہمدم کیا شبِ غم آئے۔ آسکتا نہیں — وہ مری بیتابیوں کی تاب لا سکتا نہیں
کیا سمجھ کر میں نظر ڈالوں تری تصویر پر — عکس تیرا میری آنکھوں میں سما سکتا نہیں
چاہنے والے ہی پر معشوق کرتا ہے ستم — جو نہ چاہے وہ اُسے ہرگز ستا سکتا نہیں
جان جانی ہے محبت میں تو ناصح جائے گی — تو مری تقدیر کا لکھا مٹا سکتا نہیں

اُن سے دل کا مدّعا کہہ دے زبانِ غیر میں
بھول جائے وہ مجھے میری بلا سے بھول جائے
اوستمگر یہ ہوا معلوم مرجانے کے بعد
ایک وہ ہیں جو بلا سکتے ہیں مجکو خاک میں
کیوں عدو پر ظلم ڈھائیں وہ مرے ہوتے ہوئے
ایک دن مرنا تھا پھر میں کیوں نہ اُس دم مرگیا

نامہ بر اتنا بھی میرے کام آسکتا نہیں
میں تو اے ناصح اُسے دل سے بھلا سکتا نہیں
میری مٹی بھی ٹھکانے تو لگا سکتا نہیں
ایک میں مُنھ اُنسے آنکھیں بھی ملا سکتا نہیں
میں اُٹھا سکتا ہوں صدمے وہ اُٹھا سکتا نہیں
جیتے جی یہ رنج میرے دل سے جا سکتا نہیں

اُس بُتِ بے مہر پر اے قہر دل کیوں آگیا
کیا بتاؤں اِسکو میں یہ میں بتا سکتا نہیں

اب شدّتِ گریہ سے کہاں خون جگر میں
دیکھا یہ اثر میں نے نیا تیر نظر میں
میں انکو بچاؤں بھی تو کیا خاک بچاؤں
اُس تیر کے آگے تو یہی سینہ سپر ہے
کرتی ہے گراں قدر حسینوں کو نزاکت
ہر نقشِ قدم پر ہے گماں لوحِ جبیں کا
کمبخت شبِ ہجر تو کاٹے نہیں کٹتی
یہ چھیڑ تو اچھی ہے مگر سوچ رہا ہوں
مر کر بھی مٹی دل سے نہ مرنے کی تمنّا
کیا بات ہے اے چرخ یہ عُقدہ نہیں کُھلتا

یہ دیکھئے خاک اُڑنے لگی دیدۂ تر میں
یعنی تری آنکھوں میں ہے وہ میرے جگر میں
دل اُسکی نظر میں ہے جگر اُسکی نظر میں
چھنتی ہے غرض خوب نظر اور جگر میں
تُلتے ہیں جو پھولوں میں وہ تُلتے ہیں نظر میں
سجدے کئے یہ کس نے تری راہ گذر میں
پتھرا گئیں آنکھیں مری اُمیدِ سحر میں
رکھوں مژۂ یار کو دل میں کہ جگر میں؟
پھرتی ہے مری رُوح تری راہ گذر میں
کیوں دیر ہوئی میری دعاؤں کے اثر میں

اے قہر مجھے دیکھ کر اُن کا رُخِ روشن
آتی ہیں نظر چھائیاں رُخسارِ قمر میں

وہ عاشق کون ہے تیرا وہ شیدا کون ہے میں ہوں
نہ آئے صبر ہی جس کو نہ آئے موت ہی جسکو
نگاہیں تو تمھاری کہہ رہی ہیں اور کچھ دل سے

جو غم سر کر دعا دے تجکو ایسا کون ہے میں ہوں
محبت میں وہ مایوسِ تمنّا کون ہے میں ہوں
کہے جاؤ تم اپنے مُنھ سے اچھّا کون ہے میں ہوں

کہیں یار دنیں ذکر آیا تھا "جھوٹوں سے خدا سمجھے"
وفا کیسی۔ کرم کیسا۔ محبت کیا۔ عنایت کیا
زمانے بھر سے جو کرتا ہے پردہ کون ہے۔ تم ہو
قرینِ شمع و گل پروانہ و بلبل بھی رہتے ہیں
جفا کا نام ہے تم سے۔ وفا کا نام ہے مجھ سے
جو مجھکو آزمانا ہو تو خنجر سامنے رکھدو

وہ تیر بھر ہو کے بولے "ادھر جھوٹا کون ہے۔ میں ہوں"
پھر اسیر بھی وہ جس نے تمکو جانا کون ہے میں ہوں
زمانے بھر میں جو ہوتا ہے رُسوا کون ہے میں ہوں
مگر وہ دور جسکو تم نے رکھا کون ہے میں ہوں
اب ایسا کون ہے تم ہو اب ایسا کون ہے میں ہوں
گلا خود کاٹ کر مر جائے تنہا کون ہے میں ہوں

کہاں کی بیخودی اے مہر آنکھیں کھل گئیں اپنی
کہا جب یہ کسی نے "تو نے دیکھا! کون ہے میں ہوں"

یہاں یہ حال ہوتا ہے وہ گھر سے جب تک آتے ہیں
کیا تھا وعدہ کل آنے کا لیکن اب تک آتے ہیں
ہجومِ یاس ہیں امید ہو کیا دم نکلنے کی
وہی ہیں ایک جو پوچھیں نہ پچھوائیں مجھے ورنہ
دفورِ غم سے ہم اظہارِ غم بھی کر نہیں سکتے
ہمیشہ یوں نہیں آزار دیں گے کون کہتا ہے
خدائی خوار دن بھر یوں کوئی پھرتا ہے الفت میں

کلیجا منھ کو آتا ہے تو نالے لب تک آتے ہیں
یہ ہمکو دیکھنا ہے کہ اب وہ کب تک آتے ہیں
بڑی دشواریوں سے رکھکے نالے لب تک آتے ہیں
جہاں میں نامہ و پیغام سب کے سب تک آتے ہیں
زباں ہوتی ہے اپنی بند جب مطلب تک آتے ہیں
کئے جاتے ہیں مجھ پر ظلم انکو جب تک آتے ہیں
سحر کے نکلے نکلے اپنے گھر ہم شب تک آتے ہیں

لڑائے مہر سے آنکھیں قریب آ کر وہ مشکل ہے
یہ دیکھا ہے کہ اُسکو دور ہی سے سب تک آتے ہیں

کیوں جائے کوئی جھگڑا محشر کے شور و شر میں
دل ہیں ادھر سمائی اُتری اُدھر جگر میں
ہیں خلد کے حسیں بھی زاہد مری نظر میں۔
پردے میں چھپکر کب پردے میں رہ سکے تم
دے کر پیام میرا اُس شوخ کے قدم لے
اِس ناز اِس ادا نے عالم کو مار ڈالا

آؤ یہیں نہ کرلیں ملتے مل کے گھر کے گھر میں
کیا لوٹ کر بھری ہے بجلی تری نظر میں
حوروں میں وہ کہاں ہے جو بات ہے بشر میں
پوشیدہ ہو نظر سے۔ پھر ہو مری نظر میں
لیکن کہاں ہے اتنی جرأت پیامبر میں
تلوار باندھتے ہو کس کے لئے کمر میں

جاتا ہوں روز چل کر۔ آتا ہوں روز پھر کر
قاتل کی رہگذر سے۔ قاتل کی رہ گذر میں

اِتنی اگر سمجھ ہے تو کیوں نہیں سمجھتے
کرتے ہیں غیر کیوں شر کیا فائدہ ہے شر میں

کھویا غمِ عُدو نے سب رنگ رُوپ تیرا
کیا جائیں کیا بلا تھی کمبخت کی خبر میں

کچھ پیار کچھ محبت۔ کچھ قہر۔ کچھ عداوت
کیا کیا بھرا ہُوا ہے کافر تری نظر میں

اُلفت میں کوئی دم بھی آرام سے نہ بیٹھے
مثلِ نفس رہے ہیں ہر وقت ہم سفر میں

یوں عاشقی کے فن میں ہوتی ہے کس کی شہرت
پایا ہے نام تم نے اے قہرؔ اس ہُنر میں

تری محفل میں جانے پر بھی یوں اغیار بیٹھے ہیں
ابھی دو چار اُٹھے ہیں ابھی دو چار بیٹھے ہیں

ہزاروں صورتیں تو ہر جگہ ہیں دید کے قابل
وہ جا کر طُور پر کیوں طالبِ دیدار بیٹھے ہیں

الٰہی خیر کرنا رات کو یہ خواب دیکھا ہے
ہمارا سر ہے وہ کھینچے ہوئے تلوار بیٹھے ہیں

رہا کرتے ہیں اُن آنکھوں کے آگے پھُول نرگس کے
تماشا ہے لئے بیمار کو بیمار بیٹھے ہیں

خدا رکھّے عجب مجمع ہے میخانے میں رِندوں کا
یہاں دو چار بیٹھے ہیں وہاں دو چار بیٹھے ہیں

ستم کیوں توڑتا ہے ظلم کیوں صیّاد ڈھاتا ہے
قفس میں آپ ہی ہم جان سے بیزار بیٹھے ہیں

بتائیں کیا کسی کو قہرؔ اب نام و نشاں اپنا
بڑی مُدّت سے ہم چھوڑے ہوئے گھر بار بیٹھے ہیں

چمن پر موسمِ گُل میں گھٹائیں چھائی جاتی ہیں
بہت اِترائی پھرتی ہیں بہت اِترائی جاتی ہیں

اِدھر ہم ہیں۔ اُدھر وہ بیچ میں دیوار حائل ہے
ترستی ہیں نگاہیں دید کو ترسائی جاتی ہیں

جفاؤں میں مزا آنے لگا کچھ کچھ وفاؤں کا
تغافل میں توجہ کی ادائیں پائی جاتی ہیں

اِدھر اقرارِ فردا کا یقیں مطلق نہیں آتا
تسلّی کو اُدھر قسموں پہ قسمیں کھائی جاتی ہیں

پہونچتا بھی نہیں گلچیں کا ہاتھ اب اس گُل تک
تماشا ہے کہ کلیاں خود بخود شرمائی جاتی ہیں

جگہ پاتیں نہیں جب کلفتیں دشمن کے بھی دل میں
تو دیکھیں یہ کہاں پھینکی کہاں پھکوائی جاتی ہیں

تمنائیں نکلنے کو کبھی گھبرائی جاتی تھیں
دعائیں اب نکلنے کے لئے گھبرائی جاتی ہیں

مسرّت اِس کو کہتے ہیں مسرّت ایسی ہوتی ہے
جو باتیں خوش کریں دل کو زباں پر آئی جاتی ہیں

دیا اللہ نے اے مہرؔ عالیجاہ[1] کو بیٹا،
مبارکبادیاں بزمِ طرب میں گائی جاتی ہیں

شکوۂ ظلم و ستم ہم کیا کریں
غم جو ہو قسمت میں تو غم کیا کریں

ساری دُنیا دل لگا کر مرگئی
ساری دنیا کا وہ ماتم کیا کریں

وصف سُنکر ہی یہ عالم ہو گیا
دیکھکر ہم اُنکا عالم کیا کریں

اور ہم کس کو سُنائیں حالِ دل
آپ ہی جب یہ کہیں "ہم کیا کریں"!

بھُولے بسرے تم سے ملجاتے ہیں ہم
راہ و رسم اب اِس سے بھی کم کیا کریں

چھُپ نہیں سکتا ہمیں سے رازِ عشق
جب یہ صورت ہے تو محرم کیا کریں

زُلفِ برہم کچھ تمھیں تو ہی سبا
جب کوئی ہوجائے برہم کیا کریں!

اُنکو حاصل عیشِ بزمِ غیر ہے
وہ مرا ماتم - مرا غم کیا کریں

کہہ گئے تھک کر پیامی مہرؔ سے
وہ تو آتے ہی نہیں ہم کیا کریں!

رہ کے دیکھو جو تڑپنے کا تماشا دل میں
دل کلیجے میں نظر آئے کلیجا دل میں

مہرباں پا کے جو پوچھا کبھی ہے کیا دل میں
تو کہا اُس نے کہ ہے تیرا کلیجا دل میں

خاک اے دیدۂ تر حوصلہ تیرا نکلے،
خُون رونے کو نہیں خون کا قطرا دل میں

جلوۂ عشق نہ تھا جب تو یہ عالم بھی نہ تھا
اب نظر آتی ہے کچھ اور ہی دُنیا دل میں

کیا قیامت ہے جو ہے درد کا دینے والا
درد رکھتا ہے زمانہ نہیں اُسی کا دل میں

کھیل جائے گا عُدو جان پہ ممکن ہی نہیں
پہلے پیدا تو کرے اِتنا کلیجا دل میں

وہ سمجھتے ہیں کہ خنجر ہے اُٹھانا مشکل
ہو مرے قتل کی حسرت بھی تو ہو کیا دل میں

خارِ حسرت کوئی کیا جلد نکل جاتا ہے
تا دمِ مرگ کھٹکتا ہے یہ کانٹا دل میں

تم تو کہتے ہو کہ ہم سا نظر آتا ہی نہیں
اور جو ہم نے دکھایا کوئی تم سا دل میں!

وہ ہمیں دل سے سوا تھا جو نکلتا دل سے
مگر ایسا کوئی ارمان نہ نکلا دل میں

[1] ہز ہائی نس مہاراجہ کرنل سر مادھو راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر بہ القابہ والیٔ ریاست گوالیار

خوبرویوں کو سوا اِسکے کوئی کام نہیں
کبھی آنکھوں میں سمانا کبھی رہنا دل میں

ایک دو اشک اگر ہوں تو کوئی ضبط کرے
بند ہو کر نہ رہے گا کبھی دریا دل میں

اور کیا مہر کو حسرت ہے یہی حسرت ہے
سر میں سودا ہو ترا۔ درد ہو تیرا دل میں

اب کہاں مجمعِ اُمید و تمنا دل میں،
ایک رہنے نے ترے کچھ بھی نہ رکھا دل میں

باعثِ رشک ہُوا آپ کا رہنا دل میں
دل کو خوش دیکھکے جلتا ہے کلیجا دل میں

چین لینے نہیں دیتی کہیں شوخی اُسکو
وہ کبھی دل میں بھی آیا تو نہ ٹھہرا دل میں

یہ بھی کہنا کہ کرو صاف دل اپنا ہم سے
اور پھر یہ بھی کبھی صاف نہ ہونا دل میں

نیل تو ناخنِ وحشت کے نظر آتے ہیں
لطف جب ہے نظر آنے لگے صحرا دل میں

دل جو لے لیں گے تو کس دل سے یہ چاہے گا ہمیں
مہربان آپ نے اِتنا بھی نہ سوچا دل میں

اپنے گھر میں بھی تو نچلا نہیں بیٹھا جاتا
کبھی ہوتا ہے کبھی وہ نہیں ہوتا دل میں

آتشِ عشق نے کچھ بھی نہیں رکھا باقی
ہم نے گھر پھونک کے دیکھا یہ تماشا دل میں

ضبطِ فریاد و فغاں پر بھی کسی نے یہ کہا۔
چُپکے چُپکے مجھے پھر آپ نے کوسا دل میں

جان جب جسم میں آئی تو محبت آئی
ساتھ ہی دل کے ہُوا درد بھی پیدا دل میں

تم تو وہ ہو کہ کسی کو نظر آتے ہی نہیں
کیا نظر ہے مری میں نے تمھیں دیکھا دل میں

سُرخ آنسو مری آنکھوں میں نظر آتے ہیں
کر دیا یاس نے کیا خونِ تمنا دل میں؟

داغِ دل مہر بنا مہر کبھی۔ ماہ کبھی
کبھی ایسا اِسے دیکھا۔ کبھی ویسا دل میں

زندہ رہتے ہیں یہ زہر آب جو پی جاتے ہیں
جو ادا پر تری مرجاتے ہیں جی جاتے ہیں

دردِ دل ہمکو وہاں کھینچ کے لے جاتا ہے
ورنہ کیا غیر کے گھر اپنی خوشی جاتے ہیں

ایسی جلدی میں نہ نکلے گی تمنا کوئی
ابھی آتے ہیں مرے گھر وہ ابھی جاتے ہیں

کس قدر سہل ہے عشاق کو مرنا۔ جینا
روز مرجاتے ہیں یہ روز ہی جی جاتے ہیں

کر دیا ہم کو محبت نے کچھ ایسا مجبور
گالیاں بھی کوئی دیتا ہے تو پی جاتے ہیں

بات کرنے کیلئے آپ سے ہم آئے تھے
کیا کریں اسکے سوا دستِ جنُوں کی تدبیر
اُنکے حقے کی پیالے سے چھلک جاتی ہے
مر رہے ہیں یونہیں بے موت مریضِ اُلفت
کیا ہُوا ہم سے جو ظاہر ہیں وہ منہ بول لئے

آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی جاتے ہیں
بخیہ گر روز گریباں مرا سی جاتے ہیں
پینے والے تو نہ خاک بھی پی جاتے ہیں
آپ کیوں اُنکے لئے لیکے چھُری جاتے ہیں
دل سے غیروں کے کہیں رنج کی جاتے ہیں

عشق میں بحر کی ہے زندگی و موت نئی
آپ ہی مرتے ہیں پھر آپ ہی جی جاتے ہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ میں کچھ سرِ محشر نہ کہوں -
دل کو پتھر نہ کہوں ۔ آنکھ کو کافر نہ کہوں
سروِ قد کہنے سے تو ٹیڑھ کی تم چلتے ہو
ڈالدو زلف کا سایہ مجھے نیند آجائے
وہ بھی چاہیں تو ہو وصل کی تدبیر دُرست
فیصلہ تُو نے تو سب کہنے پہ اُسکے رکھا
سنگدل کہنے سے اُس بُت کا بگڑتا ہے مزاج
مانئے بات مری تو کہوں میں بھی کوئی بات
تم جو چھیڑو تو کہوں کیوں نہ کہانی اپنی

جو ہے کہنا مجھے وہ لاکھ میں کیونکر نہ کہوں !
اور پھر تجکو بھی اے شوخ ۔ ستمگر نہ کہوں
کیا قیامت کو بھی قامت کے برابر نہ کہوں
رات بھر مجھ پہ جو گزری ہے وہ دن بھر نہ کہوں
کیا کہوں ۔ اسکو اگر اپنا مُقدر نہ کہوں
کچھ کہوں میں بھی کہ اے داورِ محشر نہ کہوں
کیا قیامت ہے کہ پتھر کو بھی پتھر نہ کہوں
اور آئے نہ اگر آپ کو باور ۔ نہ کہوں
جب مجھیں پوچھو تو حالِ دلِ مضطر نہ کہوں ؟

بیٹھ پیچھے اُسے کیوں لاؤں زباں پر اے بحر
مجکو کہنا ہے جو کچھ غیر کے مُنہ پر نہ کہوں ؟

کوئی ناشاد یوں بیٹھا ہے اُس قاتل کی محفل میں
نہ دل ہے اُسکے گیسو میں نہ گیسو ہے مرے دل میں
اگر ہے بھی کہیں تو داغ تیرے عشقِ صادق کا
قضا کو بھی شبِ غم کس قدر اعماض تھا مجھسے
گلا کیوں کاٹنا اُن کو نہیں منظور عاشق کا

دلِ مجروح پہلو میں ہے اُمیدِ قتل بھی دل میں
نہیں معلوم پھر رہتا ہوں کیوں میں سخت مشکل میں
مگر دل میں ہے ۔ یا لالے میں ہے یا ماہِ کامل میں
بڑی مشکل سے وہ بھی کام آئی میری مشکل میں
وہ کیا اسکو وفا سمجھے ہیں اپنے زعمِ باطل میں

جو وہ نکلے تو یہ نکلے جو یہ نکلے تو غم نکلے
یہاں ہے مدعا دل میں وہاں ہے مدعی دل میں

پئے مشقِ ستم کیا کم تھا دل کی خاک کا تودہ
ہوا قاصد مرا کیوں ڈھیر جا کر کوئے قاتل میں

کبھی باہر نکلتے قیس نے اس کو نہیں دیکھا
الٰہی آرزو ہے دل میں یا لیلیٰ ہے محمل میں

زباں ہیں میری لغزش بل جبیں پر اُس ستمگر کی
پھر اس پر طولِ عرضِ مدعا مشکل ہے مشکل میں

خیال آئے کسی کو کس طرح میری رہائی کا
فغاں سنتا ہے یارب کون اس شورِ سلاسل میں

جنابِ خضرِ راہِ عشق و اُلفت خاک طے ہوگی
کہ تھک کر رہ گئے ہیں آپ تو پہلی ہی منزل میں

تامل ہے جو آنے میں انھیں تو موت آجائے
نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں پڑا ہوں سخت مشکل میں

ذرا اے مہر سوچو دل میں کیوں دل کی بلاتے ہیں
نہیں رکھتے ہیں تم کو حضرتِ سائل[1] اگر دل میں

خدا جانے اثر کیا تھا نگاہِ یاسِ بسمل میں
کہ خود شمشیر کھنچ کر آگئی ہے دستِ قاتل میں

جو دیکھی اُس نگاہِ تیز اس حسرت بھرے دل میں
نہ ہے یہ بات بسمل میں۔ نہ ہے وہ بات قاتل میں

کہاں کا قتل یہ کب چھوڑتی ہیں جان بسمل میں
ادائیں ہی ادائیں کوٹ کر بھر دی ہیں قاتل میں

جگر کے ٹکڑے کر دیتی ہیں چبھ جاتی ہیں وہ دل میں
نگاہیں ہیں کہ چھریاں ہیں الٰہی چشمِ قاتل میں

وہ اِس کو دیکھ کر بیخود۔ یہ اُسکو دیکھ کر بیخود
نہ ہے بسمل ہی بسمل میں نہ ہے قاتل ہی قاتل میں

رہے یا جان جائے اب یہاں سے ہم نہ جائیں گے
جو تربت بھی بنے گی تو بنے گی کوئے قاتل میں

جلائیں شوق سے دل داغِ حسرت شعلہ زن ہو کر
بجھائے آبِ خنجر سے کب اتنا دم ہے قاتل میں

اُدھر وہ قتل پر اُٹھی۔ اِدھر جانبازِ اُلفت کا
نظر آیا سرِ تسلیم خم شمشیرِ قاتل میں

ہمارے قتل کو خنجر نہیں ہے تو نہ ہو خنجر
ادا جو جان لیتی ہے وہ ہے موجود قاتل میں

یہاں شوقِ شہادت ہے۔ وہاں عذرِ نزاکت ہے
مرے دم پر بنی ہے۔ دم نہیں بازوئے قاتل میں

نکالے جان دل سے۔ تو نکالے دل کے ارماں بھی
جو یہ خوبی ہو۔ تو ہم بھی کہیں خوبی ہے قاتل میں

مجھے بھی تو بتا اے زلفِ پُرخم کیا سنا تو نے
دہانِ زخمِ دل کیا کہہ رہے تھے گوشِ قاتل میں

رہے یہ اُسکے دل میں۔ اور وہ اِسکے تو ایسا ہو
اِدھر قاتل ہو بسمل میں اُدھر بسمل ہو قاتل میں

[1] طوطیِ ہند ثانیٔ داغ ابوالمعظم نواب میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی۔

کیئے ہیں نیم بسمل سیکڑوں اُن کُند چھریوں نے
رہیں نیچی ہی کب نیچی نگاہیں چشمِ قاتل میں

بھلا اِس زندگی پر تیغ کو بھی کیوں نہ رشک آئے
بسر کی ہے لبِ زخمِ جگر نے شُکرِ قاتل میں

اِدھر تیرِ نگاہِ یاس۔ اُدھر تیغِ تغافل ہے
قیامت ہو اگر مِل جائے اُب بسمل ہیں قاتل میں

بہت ہے عاشقی میں شوق ہمکو سرفروشی کا
مگر کچھ سر کی قیمت ہی نہیں بازارِ قاتل میں

وہ نکلیں کس طرح اب دیکھنے کو حال بسمل کا
نگاہیں تو ندامت سے چھُپی ہیں چشمِ قاتل میں

مجھے ڈر ہے وہ دردِ فرقتِ دشمن نہ لے بیٹھیں
کہوں کیونکر کہ بے دردی ہو اکرتی ہے قاتل میں

وہ مرنے کی خوشی میں کیوں نہ شادی مرگ ہو جائے
نظر آجائے جب بسمل کو خنجر دستِ قاتل میں

بھلا مجھ سخت جاں کا قتل ممکن ہو تو کیونکر ہو
نہ اِتنا دم ہے خنجر میں نہ اِتنی جان قاتل میں

اِدھر کو اُسکے چلتے ہی قیامت کب رہی اِتنی
کہ سدِّ راہ ہو جاتی پھر اُٹھ کر راہِ قاتل میں

وہ میری جان کا خواہاں ہے مجکو جان دُوبھر ہے
نہیں معلوم پھر اُن بَن ہی کیا ہے مجھ میں قاتل میں

حیاتِ جاوداں پائی ہے مر مر کر ہزاروں نے
بجائے آب کیا آبِ بقا ہے تیغِ قاتل میں؟

دلِ زخمی بھلا اب مہر کے پہلو میں کیا ہوگا
اگر ہوگا۔ تو وہ ہوگا خدنگِ نازِ قاتل میں

ہجر میں ہم آہ و زاری کیا کریں
کون سُنتا ہے ہماری کیا کریں

غیر سے پیدا کریں ہم رسم و راہ؟
دشمنوں سے دوستداری کیا کریں

اب نہیں ہے تم میں وہ پہلی سی بات
ہم تمنا اب تمہاری کیا کریں

اُنکو آرایش سے فرصت ہی نہیں
وہ کسی کی سوگواری کیا کریں

ہر گھڑی ناکامیاں ہیں اور ہم
یو نہیں گُزری عُمر ساری کیا کریں

شام سے پہلے ہی آجائے قضا
رات بھر اختر شماری کیا کریں

اُنکو عُذرِ نازکی ہے قتل میں،
ہے بہت تلوار بھاری کیا کریں

چھوڑ بیٹھے حضرتِ زاہد شراب
اور وہ پرہیزگاری کیا کریں

ہمتو ناصح دل پہ کرتے جبر بھی،
ہے وہ صورت پیاری پیاری کیا کریں

خاک ہو کر مِل گئے ہیں خاک میں
اور عاشق خاکساری کیا کریں

مہر جو کرتے نہیں قدرِ وفا
قدر دانی وہ ہماری کیا کریں

اُف نہیں کرتے ہیں گو ہم پہ ستم ہوتے ہیں
چاہنے والے بھی اس رنگ کے کم ہوتے ہیں

نئے انداز سے اب مجھ پہ ستم ہوتے ہیں
میرے حصے کے رقیبوں پہ کرم ہوتے ہیں

خوف ہے اُنکو کہ محشر میں نہ تھامے دامن
ذبح سے پہلے مرے ہاتھ قلم ہوتے ہیں؟

مہربانی سے سوا تیرے ستم میں ہے مزا
ہم تو مرتے ہیں اگر جور بھی کم ہوتے ہیں

خواب آتا ہے نہ جنکو نہ قضا آتی ہے
کس مصیبت میں وہ یارب شبِ غم ہوتے ہیں

جن سے ایمان بچائے نہ بچے اے زاہد
سچ بتا۔ ایسے بھی جنت میں صنم ہوتے ہیں؟

شمع کیوں جلتی ہے ان سے کہ یہ شب وانے
تجھ پہ قرباں ترے سر کی قسم ہوتے ہیں

ہم نے مانا کہ رقیبوں سے تو کچھ رسم نہیں
خط پہ خط روز یہ پھر کس کو رقم ہوتے ہیں

دل تڑپتا ہے الگ دم پہ الگ بنتی ہے
ہجر میں جان پہ صدمے کوئی کم ہوتے ہیں؟

وہ گھڑی دید کے قابل ہے جہاں میں اے مہر
جس گھڑی عاشق و معشوق بہم ہوتے ہیں

نئے سر سے بہار آئینگو ہے صحرا و گلشن میں
بنا رکھوں نہیں جتنے گریباں اپنے دامن میں

ستم سہتے ہیں۔ آفت جھیلتے ہیں غم اٹھاتے ہیں
وہ اپنی جان کے دشمن ہوئے ہیں عشقِ دشمن میں

کمی انکی تمھیں کیا ہے اُٹھاؤ جس قدر چاہو
بھرے ہیں سیکڑوں فتنے تمھاری چشمِ پُرفن میں

کسی کی آنکھ کیسی ہے کسی کی آنکھ کیسی ہے
ستمگر فرق ہوتا ہے نگاہِ دوست دشمن میں

یہ حسن و عشق کیا کیا آفتیں ڈھاتے ہیں عالم پر
اُڑا کر خاک صحرا میں۔ کھلا کر پھول گلشن میں

نگاہِ ناز و چشمِ شوق کا چھپنا چھپانا کیا
رُکے گی یہ نہ چلمن سے۔ رہے گی وہ نہ چلمن میں

کروں تو ناوک و خنجر کی مہمانی مگر کیونکر
نہ اتنا خون ہے دل میں۔ نہ اتنی جان ہے تن میں

جلا کر خاک کر دے برق ہی اسکو تو اچھا ہو
پڑا رہتا ہے دل صیاد کا میرے نشیمن میں

خدا رکھے مقابل جب گل و ریحاں کے رکھا ہے
لگائی ہے مرے داغِ جگر نے آگ گلشن میں

مرا دل ہے کہ ہے میرے عدو کا دل نہیں کھلتا
ذرا میں بھی تو دیکھوں کیا بندھا ہو تیرے دامن میں

نہ دیکھی مہرؔ ہم نے وہ مہ و خورشید میں ہرگز
تجلّی جو نظر آئی کسی کے رُوئے روشن میں

عرض کیا آپ سے حالِ دلِ ناشاد کریں
اور بھی ہم یہ جو کرتی ہو وہ بیداد کریں

وہ ستمگر ہیں جو چاہیں ستم ایجاد کریں
ہم نے فریاد کبھی کی ہو تو فریاد کریں

یہ تو ممکن نہیں ہم شکوۂ بیداد کریں
خاک میں دل کو ملا دیں کہ وہ برباد کریں

کونسا آپ نے اِحساں کیا تھا مجھ پر
میں اُسے بھول گیا۔ آپ ہی ارشاد کریں

سخت جانوں میں تو اب کوئی بھی باقی نہ رہا
تیز وہ کس کے لئے خنجرِ فولاد کریں

یوں اُٹھائے گا کوئی صدمۂ فرقت کب تک
کیوں مقرر نہ وہ اِس کام کی میعاد کریں

کر چکے کتنے ستم۔ دِل چکے کتنے آزار
آپ کو یاد نہ آتے ہوں تو ہم یاد کریں

محفلِ غیر کی رونق پہ تعجب کیسا
کیوں وہ آباد نہ ہو جسکو وہ آباد کریں

میں نے کی آہ۔ حسینوں کو ستایا میں نے
داورِ حشر سے جا کر مری فریاد کریں

مُنہ پر آتی ہے تو آتا ہے کلیجا مُنہ کو
کس طرح اُن سے بیاں ہجر کی رُوداد کریں

بیٹھے بیٹھے یونہیں شوخی سے اُڑے جاتے ہیں
کیوں پرِ وبال کا ارمان پریزاد کریں

دشمنوں سے تو مجھے عشق میں کیسی اُمید
دوست بھی کہتے ہیں۔ ہم کیا تری امداد کریں

جب بُلاتے ہیں تو خلوت میں بُلائیں اُسکو
یاد کرتے ہیں تو یوں مہرؔ کو وہ یاد کریں

جو نکلے میرے دل سے ہو نکلنا جسکا اِمکاں میں
نہ حسرت ہے نہ حسرت میں نہ ارماں ہے وہ ارماں میں

عُدوئے عیش ہی رشکِ عُدو کو بزمِ جاناں میں
مگر میں بھی کبھی مُونس محفل میں ہُوں محفل کے ساماں میں

بہت چوڑا ہے دل میں زخم تیرِ نازِ جاناں کا
لگا رکھا تھا کیا ظالم نے خنجر کوئی پیکاں میں؟

غلط سو بار نکلا پھر بھی سچ اُسکو سمجھتا ہُوں،
غضب کی دلفریبی ہے ستمگر تیرے پیماں میں

یہ تم نے کیا طریقہ سیر کرنے کا نکالا ہے؟
پھرا کرتے ہو گھر بیٹھے ہُوئے چشمِ نگہباں میں

ترے دامن میں وہ ہو گا۔ تری مٹھی میں وہ ہو گا
یہ مانا میں نے میرا دل نہیں زلفِ پریشاں میں

بدلنا آپ کو اپنی طبیعت کا تو مشکل ہے
بدل لیں آپ دل میرا نہیں کیا یہ بھی اِمکاں میں؟

مے معشوق کو کہتا ہے کس منہ سے برا زاہد
ذرا دیکھے تو وہ منہ ڈال کر اپنے گریباں میں

لیا ہی دل تو دے مجکو عوض میں دل کسی کا اپنا
یہ ہی ایمان کی۔ آگئے جو آئے تیرے ایماں میں

رہائی مجکو ملجائے شبِ فرقت کے صدموں سے
الٰہی کوئی وہ دن بھی دکھا دے چرخِ گرداں میں

محبت دیکھنی ہے تو کلامِ مہر کو دیکھو
محبت کے سوا مضموں نہیں اور اُسکے دیواں میں

جب آنکھوں آنکھوں میں وہ ہمکلام ہوتے ہیں
ہزار دل ایک اشارے میں کام ہوتے ہیں

یہاں وہ آئیں گے قاصد یقیں نہیں آتا
کہ ایسے وعدے وہاں صبح و شام ہوتے ہیں

یہ آج کونسی تقصیر ہو گئی مجھ سے +
یہ آج کیوں مجھے جھک کر سلام ہوتے ہیں

عبث تم اپنے مریضوں کی جان لیتے ہو
وہ آپ ہی کوئی دم میں تمام ہوتے ہیں

زبان دے کے پلٹتے ہو اپنے وعدوں سے
وہ کیا کلام تھے؟ یہ کیا کلام ہوتے ہیں؟

اسیرِ دامِ بلا۔ نامراد۔ خانہ خراب
جو تم پہ مرتے ہیں اُنکے یہ نام ہوتے ہیں

یہ حیلہ جو ترے وعدے ہیں کس قیامت کے
نہ صبح ہوتے ہیں پورے نہ شام ہوتے ہیں

تم اپنے چاہنے والوں میں مہر سا کوئی،
نکال دو تو ابھی ہم غلام ہوتے ہیں،

جب سے اُس شوخ کی پھرتی ہے نظر آنکھوں میں،
برق سی کوندتی ہے آٹھ پہر آنکھوں میں

سوزِ دل کا یہ اثر ہے مری تر آنکھوں میں،
اشک بھی بنتے ہیں جل جل کے شرر آنکھوں میں

خوبرو دیکھتے ہیں یہ خوب ہنر آنکھوں میں
دل چراتے ہیں نگاہوں میں جگر آنکھوں میں

تم اگر رہتے ہو تو لطف یہ ہے رہنے کا
بن کے دم دل میں رہو بن کے نظر آنکھوں میں

ہم نے تیری سی تو آنکھیں کہیں دیکھیں نہ سنیں
دیکھتے دیکھتے کرتی ہیں یہ گھر آنکھوں میں

رہ گئے دیکھ کے منہ کچھ بھی بنائے نہ بنی
دل اُڑا لے گیا وہ شوخ نظر آنکھوں میں

آرزو یہ ہے کہ اُس شوخ سے چار آنکھیں ہوں
آنکھیں ڈالی نہیں جاتی ہیں مگر آنکھوں میں

اُنکی نظروں میں جو پریشان نظر آتی ہیں
ہے پریشانیٔ عاشق کا اثر آنکھوں میں

ایک سے ایک زیادہ ہے خدا خیر کرے
ہے ادھر دل میں شرارت تو ادھر آنکھوں میں

اس طرف پلٹی۔ اُدھر پھونچی۔ یہ آئی۔ وہ گئی۔
کبھی نچلی نہ رہی اُن کی نظر آنکھوں میں

آج پھر قہر کی چتون یہ کہے دیتی ہے
کھُب گیا کوئی نیا رشکِ قمر آنکھوں میں،

راحت و عیش میں سرگرمِ فغاں ہوتے ہیں
ہم سے غم دوست کبھی دُنیا میں کہاں ہوتے ہیں

دل جو مِٹ مِٹ کے تہِ خاک نہاں ہوتے ہیں
آپ کے نقشِ قدم اُن کے نشاں ہوتے ہیں

ناتوانی میں کوئی کام نہیں ہوتا ہے
نالے کرتا ہُوں تو نالے بھی کہاں ہوتے ہیں

کسکا دل ہے جو اِنھیں دل میں چھُپا کر رکھے
رازِ اُلفت تو نگاہوں سے عیاں ہوتے ہیں

تم سے نازک کی جگہ کیوں دلِ نازک میں نہو
جیسے ہوتے ہیں مکیں ویسے مکاں ہوتے ہیں

آپ چھُپتے ہیں مری چشمِ تصور سے کہاں
یہ بھی ہوتی ہو وہاں آپ جہاں ہوتے ہیں

جمع ہوتے ہیں جہاں داد کے خواہاں دو چار
تیری بیداد کے قصّے ہی بیاں ہوتے ہیں

ہے وُہی اُسکی گلی۔ ہے وُہی اُسکی محفل،
ظلم پر ظلم غریبوں پہ جہاں ہوتے ہیں

بدگماں ہم تو کسی سے نہیں ہوتے اے قہر
جنکو ہوتے ہیں گماں اُنکو گماں ہوتے ہیں

غمگساروں میں نہ ہیں اور نہ ہیں یاروں میں
آپ بن بیٹھے ہیں کیوں میرے عزاداروں میں

ڈھونڈئیے جنسِ وفا اپنے خریداروں میں
یہ ہے وہ چیز جو ملتی نہیں بازاروں میں

لُطف جینے کے اُٹھاتے ہیں یہ کس لُطف کے ساتھ
دیکھ تو بیٹھکے زاہد کبھی مے خواروں میں

دیکھنے والوں کی آنکھیں جو جھپک جاتی ہیں
بجلیاں کوندتی ہیں کیا ترے رخساروں میں

فرق ہے آپ میں ہم میں تو فقط اِتنا ہے
ہم دل افگاروں میں ہیں آپ دل آزاروں میں

قابلِ رحم مرا حالِ زبُوں ہے صیّاد
میں بھی ہُوں ایک ترے تازہ گرفتاروں میں

دردمندانِ محبّت کو قرار آجائے
ہوں مسیحا بھی اگر آپ کے بیماروں میں

کس طرح ہجر میں وہ عمر گزارے تنہا
جسکی ہنس بول کے ہوتی ہو بسر یاروں میں

شوقِ دیدار میں نظروں نے بنائے سُوراخ
وہ سمجھتے ہیں کہ روزن ہیں یہ دیواروں میں

غنچۂ خاطرِ عاشق ہی شگفتہ نہ ہوا
پھُول کھِلتے ہیں بہار آتے ہی گلزاروں میں

اب زمانے میں وفائیں ہیں اسی کے دم سے
مہر کا دم بھی غنیمت ہے وفاداروں میں

وہ یہ کہکر دلِ ناکام لئے جاتے ہیں
ابھی آتے ہیں ابھی دام دیئے جاتے ہیں!

اور کیا یہ بُتِ خودکام کیئے جاتے ہیں
غم دیئے جاتے ہیں آرام لیئے جاتے ہیں

تھے غمِ ہجر میں کیا ایک ہمیں مرنے کو
جینے والے سحر و شام جیئے جاتے ہیں

اللہ اللہ رے اُنھیں حفظِ مراتب کا خیال
غیر کے نام سے پیغام دیئے جاتے ہیں

قابلِ رشک ہے مرنا ترے جانبازوں کا
جان دیتے ہیں مگر نام کیئے جاتے ہیں

وہ بُرا کہکے مجھے کچھ نہیں کہنے دیتے
ہونٹ بھی تو دمِ الزام سیئے جاتے ہیں

کوئی تقصیر مری؟ کوئی خطا بھی میری؟
یا یونہیں وہ مجھے بدنام کیئے جاتے ہیں

نشہ اُنکا ہے سرور اُنکا ہے کیف اُنکا ہے
چشمِ میگوں سے جنھیں جام دیئے جاتے ہیں

کوئی بس میں دلِ دیوانہ کو رکھتے کیونکر
ایسے وحشی بھی کہیں رام کیئے جاتے ہیں!

اُنکے وعدے تو کسی دن نہیں پورے ہوتے
دم دلاسے سحر و شام دیئے جاتے ہیں

بعد رخصت کے یہاں موت کسے آئے گی
آپ میرا تو ابھی کام کیئے جاتے ہیں

سرِ میخانہ بھی واعظ کے سخن سُن سُن کر
خون کے گھونٹ مے آشام پیئے جاتے ہیں

بد زباں ہونے کا الزام بھی لینا ہوگا
آپ دینے کو تو دشنام دیئے جاتے ہیں

جن سے کچھ ہو نہیں سکتا وہ تری اُلفت میں
شکوۂ گردشِ ایّام کیئے جاتے ہیں

چھیڑ کر خود تو وہ سُنتے ہیں شکایت اپنی
اور اُلٹا مجھے الزام دیئے جاتے ہیں

نام جب کر نہیں سکتے ہیں محبت میں رقیب
مُفت کیوں مہر کو بدنام کیئے جاتے ہیں

دل لگی میں کچھ ہُوا تو یہ ہُوا حاصل ہمیں
مل گیا رکھنے کو دل میں داغِ مرگِ دل ہمیں

ہو گئی اب اسکے ہاتھوں زندگی مشکل ہمیں
ایسے ملنے سے تو بہتر تھا نہ ملتا دل ہمیں

تجھ سے مل کر یہ ملا اے خنجرِ قاتل ہمیں
نذر کر دینا پڑا اپنی گرہ سے دل ہمیں

سوزِ اُلفت نے گھلایا رفتہ رفتہ مثلِ شمع
دُور ہی رکھنا تھا اِس دل کی لگی سے دل ہمیں

دُور وہ بیٹھے ہیں کھچکر مجھ سے اِس دعوے کے ساتھ
یہ ستم اُلفت بھی قیامت ترکِ اُلفت بھی ستم
اس طرح ملجائے گا۔ یوں کیجئے دل کی تلاش
پھینکتے پھرتے ہیں اب کوئے حسیناں میں اِسے
ایک دیدیتے بتوں کو ایک رکھتے اپنے پاس
ہر کسی کو غم ہُوا کرتا ہے اپنی چیز کا
دل میں اُنکے ہے کہ ملجائے تو لے لیں ہم اِسے
ہم یہ کہتے ہیں کہ دردِ دل سے ہم ہیں بیقرار
غم اُٹھا کر بھی نہ اُٹھا کوچۂ دلدار سے
ہم سے کہتے ہیں کہ کہتے ہیں تمھیں سب باوفا
آپ ہی فرمائیں پھر دل کس طرح دیں آپکو

اب تو دیکھیں اب تو کھینچے تیرا جذبِ دل ہمیں
اِک نہ اِک مشکل میں رکھتا ہی ہمارا دل ہمیں
ہر گلی میں کہتے پھرئیے۔ چاہئے اِک دل ہمیں
کیا قیامت ہے کہ دُوبھر ہو گیا ہی دل ہمیں
دل ہی دینا تھا تو دیدیتا خدا دو دل ہمیں
آنکھ پُرنم ہُوگئی یاد آگیا جب دل ہمیں
مُنھ سے کہتے ہیں نہیں درکار تیرا دل ہمیں
وہ یہ کہتے ہیں نہیں آتا علاجِ دل ہمیں
اب ہلا کر ہی رہے گا خاک میں کیا دل ہمیں
ہم تو جب جانیں اگر دے دو تم اپنا دل ہمیں
دل بھی دینے کے لئے درکار ہو جب دل ہمیں

پھر کیا غم ہے جو اُس سے تیغ اُٹھ سکتی نہیں
اپنے قاتل کا تو آتا ہے بڑھانا دل ہمیں

مغموم تو مُدّت سے ہُوں مغموم نہیں کیوں
اُور اس کے مقدر میں تو کچھ بھی نہیں لیکن
تیرے ہی ستم سہتے ہیں یہ کس لئے ظالم
اے نامہ رسا خط میں بجز وعدۂ دیدار
نالے بھی یہ ہم سوچ سمجھ کر نہیں کرتے
مُردے یہ تو دشمن کے بھی کرتے ہیں ترحُّم
معلُوم ہے۔ معلُوم ہے سب حال تمھارا
کہتے ہیں وفا جسکو وہ دیکھی بھی کسی میں
اِس پردہ محبّت میں کریں کیوں نہ حکومت
کم عمر بھی معشوق ستم کرتے ہیں کیا کیا

معلُوم تمھیں اب تک نہیں معلُوم نہیں کیوں
محرُوم جفا سے دلِ محرُوم نہیں کیوں
مظلُوم کسی اور کے مظلُوم نہیں کیوں
مرقُوم ہے سب کچھ یہی مرقُوم نہیں کیوں
مذمُوم ہے جو کام وہ مذمُوم نہیں کیوں
مرحُوم مگر یہ دلِ مرحُوم نہیں کیوں
معلُوم نہیں کیوں ہمیں معلُوم نہیں کیوں
معدُوم ہے دنیا سے تو معدُوم نہیں کیوں
محکُوم یہ اُن کا دلِ محکُوم نہیں کیوں
معصُوم ہیں یارب تو یہ معصُوم نہیں کیوں

میں جسکو سمجھ لُوں جو سمجھ میں مری آئے — مفہوم وہ ناصح ترا مفہوم نہیں کیوں

اے مہرؔ غزل ہی تو ہے عاشق کا خطِ شوق
منظوم ہے نامہ مرا منظوم نہیں کیوں

جلوے اکثر مجھے جی بھر کے دکھا دیتے ہیں — تجکو روزن ہی ترے در کے دکھا دیتے ہیں
لیجئے آپ کو ہم مر کے دکھا دیتے ہیں — صرف کتنے ہی ہنس کر کے دکھا دیتے ہیں
تجکو کیا ناز ہے فتنے تو اُٹھا تو چل کر — سیکڑوں تیرے برابر کے دکھا دیتے ہیں
لے لگا لیتے ہیں مقتل میں گلے سے اِسکو — لے تری تیغ کا دم بھر کے دکھا دیتے ہیں
عرصۂ حشر میں بھی ہمکو وہ آنکھیں کیا کیا — سامنے داورِ محشر کے دکھا دیتے ہیں
ابھی خوش ہو۔ ابھی ہو جاؤگے ناخوش ہم سے — اب نہیں بعد گھڑی بھر کے دکھا دیتے ہیں
مجکو محفل میں دکھا کر وہ گلابی آنکھیں — دَورِ چلتے ہوئے ساغر کے دکھا دیتے ہیں
نہیں ممکن کہ لگی ہو نہ بُتوں کے دل کو — آگ ہم سینے میں پتھر کے دکھا دیتے ہیں
برق وسیماب کا دیکھوں نہ تماشا کیونکر، — ڈھنگ کچھ یہ دلِ مضطر کے دکھا دیتے ہیں
کب سے مشتاق ہوں اِتنا نہیں کہتا کوئی — چل اُسے ہم تجھے جی بھر کے دکھا دیتے ہیں
کیا قیامت ہے کہ آئینے کو میرے ہوتے — آپ جلوے رُخِ انور کے دکھا دیتے ہیں
اور ہے کون بجز حسرت و ارماں دل میں — رہنے والے تجھیں اِس گھر کے دکھا دیتے ہیں

مہرؔ نے لُطف ستم کے تو اُٹھائے ہیں بہت
نازِ اُٹھا کر بھی ستمگر کے دکھا دیتے ہیں

دیکھ لیتے ہیں بجھے اے بُتِ طنّاز کہیں — باز دیدار سے آتے ہیں نظر باز کہیں!
دل کو معلوم تو ہوں عشوہ و انداز کہیں، — غیر یہ ہی کوئی ڈالے نگہِ ناز کہیں
ہم نے نالہ بھی کبھی دل سے نکلنے نہ دیا — یہ سمجھ کر کہ نہو یہ بھی ترا راز کہیں
مجکو ڈر ہے یہ کہیں تیری نظر سے نہ گرے — دل کو میرے نہ کرے تو نظر انداز کہیں
جاں جائےگی تو کیا لُطفِ ستم آئےگا — نیم بسمل ہی رہیں آپ کے جانباز کہیں
غم کھلاتا تو ہے مجکو مگر اِتنا غم ہے — یہ بھی اے عشق نہو دعوتِ شیراز کہیں

میں بھلا دل کے فریبوں میں نہ آتا کیونکر
آسماں لاکھ مٹاتا ہے۔ مگر مِٹتا ہے
شرط ہے دیکھنا۔ ہو دیکھنے والا کوئی
رازِ دل آپ سے کیوں حضرتِ ناصح کہدوں

دوست کو کوئی سمجھتا ہے دغا باز کہیں
حُسن کا سحر کہیں عِشق کا اِعجاز کہیں
آہی جاتا ہے نظر حُسنِ خداساز کہیں
کوئی ایسوں کو بناتا بھی ہے ہمراز کہیں

شمع کے ساتھ جو پروانے کو دیکھا تو کھُلا
سوز ہے مہرِ محبت میں کہیں ساز کہیں

بڑی قسمت ہے اُنکی وہ بڑی تقدیر رکھتے ہیں
ہمارے نالۂ غم بھی اگر تاثیر رکھتے ہیں
محبت کا صلہ اِس کے سوا کیا اور ملتا ہے
اِدھر بھی ہوں اشارے چشم و ابرو کے تو میں دیکھوں
عُدو کے نامہ و پیغام سے ناحق مُکرتے ہو
تعلق کیوں نہ ہو گہرا نگاہِ نازِ جاناں سے
اسیری میں بُرا ہو ضعف کا اِس ضعف کے ہاتھوں
کماں رکھ رکھ کر اپنے دوش پر تم کیا دکھاتے ہو

جو دل کے آئینے میں آپ کی تصویر رکھتے ہیں
دکھا دینگے جو کچھ ہم دل میں چرخِ پیر رکھتے ہیں
جو دل دیتا ہے اُنکو اُسکو وہ دلگیر رکھتے ہیں
وہ کیسی تیغ رکھتے ہیں وہ کیسے تیر رکھتے ہیں
یہ دیکھو ہم تمھارے ہاتھ کی تحریر رکھتے ہیں
ہم اپنے دل میں لے دیکر یہی اِک تیر رکھتے ہیں
مرے دستِ دعا بھی پاؤں میں زنجیر رکھتے ہیں
کلیجا اُٹھا دیکھو جو جگر میں تیر رکھتے ہیں

عُدو و نیکر فلک لے پھر کیا ہمکو بگاڑے گا
نہ ہم منصب ہی رکھتے ہیں نہ ہم جاگیر رکھتے ہیں

نکہتِ گُل کی طرح ہمکو چمن یاد نہیں
نہیں بھولا کہ تجھے بھول گیا عہدِ وفا
پوچھ لو دل سے جو کچھ اور ہو گزری دل پر
کیا اِسی یاد پہ پیمانِ وفا باندھا تھا
پوچھتا ہے کوئی مجھ سے تو غضب یہ دیکھو
عشق میں دل بھی عجب بندۂ راحت نکلا
پھر کرو شکوۂ بیداد۔ یہ کیا خوب کہی!

کیا غریب الوطنی ہے کہ وطن یاد نہیں
یاد ہے یا تجھے اپنا وہ سُخن یاد نہیں
مجکو کچھ اور بجز رنج و محن یاد نہیں
عہد بھی اپنا تجھے عہد شکن یاد نہیں
بات کہنے کی دمِ عرضِ سُخن یاد نہیں
کہ اِسے عیش تو ہے یاد محن یاد نہیں
کیا مجھے آپ کے ماتھے کی شکن یاد نہیں۔

دل لیا تم نے۔ مگر عہدِ وفا بھول گئے
اُنسے آنکھیں لڑیں بیہوش ہُوا اے واعظ
آسماں پردہ بنا تھا کبھی اپنا لیکن

اِک سخن یاد رہا۔ ایک سخن یاد نہیں
اور پھر اِس کے سوا مشفق من یاد نہیں
پیرہن تھا کہ ہمارا وہ کفن۔ یاد نہیں

ایک دو ہوتے تو میں یاد بھی رکھتا اے مہرؔ
اِس قدر مجکو مِلے رنج و محن یاد نہیں

معلوم نہیں کیا بات ہوئی۔ کیا جی میں سمائی ہولی میں
یہ دن تو خوشی کے دن ہیں مگر رہتا ہے مجھے غم آٹھوں پہر
تم ہم سے جُدا دل ہم سے جُدا تم پاس نہیں دل پاس نہیں
جب تم نہ ہمارے پاس آئے جب ہم سے نہ تم ہولی کھیلے
کیا یاد کسی کو وہ کرتے۔ کیا یاد اُنھیں کوئی آتا
بُوندیں ہیں لہو کی چہرے پر دھبے ہیں لہو کے دامن پر
یہ دن ہے گلے ملنے کیلئے ملتے ہیں اسی دن لوگ گلے
دم بھر نہ رہا آرام سے وہ بیتاب کیا بیخواب کیا
جب یاد کسی کی آتی ہے کیا غم کی آگ جلاتی ہے

صورت بھی تو اپنی ظالم نے ہمکو نہ دکھائی ہولی میں
بچھڑا ہوں کسی سے میں مِل کر دیکھی ہے جُدائی ہولی میں
یوں ہمنے منائی بھی ہولی تو خاک منائی ہولی میں
اغیار نے دے دیکر طعنے کیا جان جلائی ہولی میں
رہتی ہی نہیں ہے جب بیٹھے دُھن کچھ ایسی آئی ہولی میں
مجکو مری آنکھوں نے رو کر ہولی یہ کھلائی ہولی میں
اُس شوخ نے غیروں سے مِل کر کیا بات بنائی ہولی میں
دن رات ہمارے نالوں نے یہ دھوم مچائی ہولی میں
دیتا ہے مرا دل جل جلکر ہولی کی دُہائی ہولی میں

کیا مہرؔ جلے اپنے دل میں کیا رشک کے شعلوں نے پھونکا
ہمراہ رقیبوں کے اُس نے جب آگ لگائی ہولی میں

دل تو وہ مال ہے جسکی کوئی قیمت ہی نہیں
غیر کے عشق و محبت کا مزا دیکھ لیا
حال اپنا جو کہے کوئی تو کس وقت کہے
جو نکلے سنے نکل جائے وہ ارمان ہی کیا
یاد بھی جائے گی یا جان مری جائے گی
سُن لیا اُلفتِ اغیار کا چرچا ہر سُو
اِک زمانہ ترا شرمندۂ احساں ہوتا

تم یہ کہتے ہو ہمیں اسکی ضرورت ہی نہیں
اب وہ تو ہی نہیں۔ اب وہ تری صورت ہی نہیں
آپکو شانہ و آئینہ سے فرصت ہی نہیں
گھر بنا کر نہ رہی دل میں وہ حسرت ہی نہیں
آج یا میں ہی نہیں یا شبِ فرقت ہی نہیں
تم تو کہتے تھے کہ اسکی کہیں شہرت ہی نہیں
کیا کرے تو کہ ان آنکھوں میں مروت ہی نہیں

عیش ہو غم ہو۔ کرم ہو۔ کہ ستم ہو۔ کچھ ہو
عمر بھر جو رہے ایسی کوئی صورت ہی نہیں

قہرؔ شکوے بھی جو کرتا تو ندامت ہوتی ،،
شکر کرتا ہوں مجھے کوئی شکایت ہی نہیں

وہ کیوں آسودگانِ خاک سے بچکر نکلتے ہیں
بھلا مُردے بھی قبروں سے کہیں باہر نکلتے ہیں

بلا ہیں تیری مژگاں بھی غضب ہیں تیرے ابرو بھی
وہ چھُریاں کُند ہوتی ہیں تو یہ خنجر نکلتے ہیں

کسی کے سنگِ در پر کوئی اپنا سر ٹپکتا ہے
جو یوں ارماں نکلتے ہیں تو کیا پتھر نکلتے ہیں

مرے ہی گھر نہیں آتے یہیں آتے نہیں آتے
نکلنے کو تو وہ اکثر ادھر ہو کر نکلتے ہیں

کہیں دیکھو کہیں ڈھونڈو۔ ٹھکانا ہی وہی اُنکا
عدو کے گھر وہ ملتے ہیں عدو کے گھر نکلتے ہیں

نکلنے کو تو نکلے میرے گھر سے میری محفل سے
مگر اب دیکھنا ہی دل سے وہ کیونکر نکلتے ہیں

کبھی تھمنا کبھی پھرنا کبھی رُکنا۔ کبھی چلنا
نئے ہر دم تری شمشیر کے جوہر نکلتے ہیں

کسی کے دل میں رہنا جم کے کیا جانیں ترے ناوک
یہ دم لینے کو آتے ہیں۔ یہ دم لیکر نکلتے ہیں

پڑے ہیں میکدے میں دم بخود سب خوفِ واعظ سے
نہ اب شیشے نکلتے ہیں نہ اب ساغر نکلتے ہیں

کبھی جو چبھ گئے تھے دل میں ناوک اُنکی مژگاں کے
وہ اب میرے دہن سے آہ بن بن کر نکلتے ہیں

وہ اپنے چاہنے والوں کے درجے کیا کریں قایم
جنھیں بدتر سمجھتے ہیں وُہی بہتر نکلتے ہیں

کسی کا دم نکل جائے۔ نکل جائے۔ نکل جائے
حیا والے بھی پردے سے کہیں باہر نکلتے ہیں

جنابِ قہرؔ اُلفت میں عبث ہے گریہ و زاری
کہیں رونے سے ارمانِ دلِ مضطر نکلتے ہیں

موت کا اپنوں کی ہوتا کس جگہ پر غم نہیں
مرگِ عاشق کا قیامت ہے کہیں ماتم نہیں

یونہوا اے قاتل کئے ہیں اس نے بیدم سیکڑوں
کیا ترے خنجر میں میرے قتل ہی کو دم نہیں ؟

کیوں نہ اِس حُسن و جوانی پر زمانہ جان دے
جس کا شیدا ہو نہ عالم۔ وہ ترا عالم نہیں

قتل پر خنجر نہ اُٹھے۔ بہرِ قتل آئے تو آپ
یہ عنایت بھی ہمارے حال پر کچھ کم نہیں

روئی بھی بلبل جو رات اِس سے جدا ہوتے ہوئے
باغباں گُل پر یہ اُسکے اشک ہیں شبنم نہیں

چاٹتے ہی اِسکو تیغِ تیز بیدم ہو گئی،
تیرے کُشتے کا کہیں قاتل لہو تو سم نہیں

قہر رو رو کر گئے دیتے ہو ٹھنڈا کیوں اِسے
کیا دلِ بیتاب میں اب تابِ سوزِ غم نہیں؟

لاکھ اندازِ ستم خنجرِ جاناں میں رہیں
یوں تو ہیں اور بھی اُمید پہ جینے والے
جب وہ آئیں مرے گھر یا وہ بُلائیں مجکو
رہنے دے ہمکو جو صیاد تو ہم سب سے الگ
تُوہی اے موت بتا کونسے روز آئے گی
تمکو چھُپنا نگہِ شوق سے دوبھر ہو جائے
تا لے رُکنے کے نہیں آپ کے دیوانوں کے
کیا ضُرورت کہ رہیں لب ہی میں خارِ حسرت
اشک جاری ہوں کبھی خاک کبھی دل میں اُٹھے
اس قدر دست درازی نہ کرا اے دستِ جنوں
بندشِ غم سے تعلق نہیں جنکو وہ کیا۔
یوں چھُپتے ہو عرقِ شرم کے قطرے ناحق

پھر بھی لاکھوں کے دم اُس جان کے خواہاں میں رہیں
حسرت اُنپر ہے جو کافر ترے ارماں میں رہیں
ایسے دن بھی تو کبھی گردشِ دوراں میں رہیں
صُورتِ سبزۂ بیگانہ گلُستاں میں رہیں
کونسے دن وہ مرے قتل کے ساماں میں رہیں؟
میری نظریں بھی اگر چشمِ نگہباں میں رہیں
جنکی تقدیر میں زنداں ہے وہ زنداں میں رہیں
کیوں یہ کانٹے بھی نکل کر نہ بیاباں میں رہیں
کبھی ساحل پہ رہیں ہم کبھی طُوفاں میں رہیں
تار کچھ میرے کفن کو بھی گریباں میں رہیں
دل وہی ہیں جو تری کاکلِ پیچاں میں رہیں
یہ ستارے بھی تمھارے رُخِ تاباں میں رہیں

یہ خیالِ رُخ و گیسو نہیں اچھا اے قہر
آپ للّٰلہ نہ اِس خوابِ پریشاں میں رہیں

قیامت آپکی چشمِ فسوں گر کے اِشارے ہیں
ہزاروں اِسکے زخمی ہیں ہزار دل اِسکے مارے ہیں
کہیں کیا کس طرح فرقت کے دن ہمنے گزارے ہیں
اُٹھایا یہ سمجھکر ظلم ہم نے خوبرُویوں کا
وفائیں ہم کریں اُنسے جفائیں وہ کریں ہم پر
بناکر آنکھ کی پتلی اُنھیں آنکھوں میں رکھتا ہوں
کوئی ہتھے چڑھا ہے لیک بھی دل اسا وہی کہدے

کبھی یہ تیر چھوڑے ہیں۔ کبھی وہ تیر مارے ہیں
تری تیغِ جفا کے تو ستمگر وارے نیارے ہیں
یہ دل ہی جانتا ہے درد جو اس نے سہارے ہیں
جفا پیشہ کی اچھی ہے ستم پیار نکے پیارے ہیں
کسی کا کیا اجارہ ہے۔ ہم اُنکے۔ وہ ہمارے ہیں
جو پُتلے حُسن کے ہیں وہ مری آنکھوں کے تارے ہیں
تری زلفِ دوتا نے تو ہزاروں دل مارے ہیں

ہمارا قتل کرنا کیا کوئی آسان ہے اُن کو
بہت ہیں سخت جاں ہم بھی جو وہ دل کے گزارے ہیں

کوئی دیکھا ہے ہم سا بھی شناورِ بحرِ الفت کا
ابھی ہم اس کنارے تھے۔ ابھی ہم اُس کنارے ہیں

کریں ہم کس لئے زاہد تمنا حورِ جنت کی
ہمیں حاصل یہاں بھی خوبرویوں کے نظارے ہیں

جو ہوتا تاثیر تو اک آہ کافی ہے شبِ فرقت
مگر قہر اپنے نالے بے اثر سارے کے سارے ہیں

حقدار اک نگاہِ کرم کے بھی ہم نہیں
ظالم پھر اور کیا ہے اگر یہ ستم نہیں ؟

سوزِ الم سے تو مری آنکھوں میں نم نہیں
وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب اسکو غم نہیں

دمباز آپ ہیں جو غضب کے تو غم نہیں
آجائیں دم میں آپ کے۔ ایسے بھی ہم نہیں

قاصد۔ وہ آئیں گے مجھے کیونکر یقین آئے
وعدہ نہیں ہے قول نہیں ہے قسم نہیں

وہ پوچھتے ہیں خواب میں آکر مرا مزاج
کیونکر کہوں کہ مجکو جدائی کا غم نہیں

اسکو جو میرے دل کا جلانا ثواب ہے
یارب عذاب تو کہیں عشقِ صنم نہیں

آنکھوں میں دم ہے صبحِ شبِ وعدہ ہے قریب
اے نامہ بر وہ اب بھی نہ آئے تو ہم نہیں

ڈھانے کو لاکھ ڈھائے ستم مجھ پہ آسماں
کیا لطف اُس ستم میں جو تیرا ستم نہیں

ساقی نہوگی توبہ تو مجھ بادہ خوار سے
گو جانتا ہوں دور ترا دورِ جم نہیں

لازم ہے زندگی کے لئے غم کی چھیڑ چھاڑ
کیا اُسکی زندگی ہے جسے کوئی غم نہیں

مرنے کے بعد ماتمِ ہستیٔ عشق ہے
آسودہ زیرِ خاک بھی اہلِ عدم نہیں

میں جاں بہ لب ہوں۔ اور کسی کو یہ رشک ہے
کیوں اس طرح عدو کی محبت میں سم نہیں

میں اور کیا بتاؤں اسے اور کیا کہوں،
مرنے سے قہر زندگیٔ ہجر کم ہیں،

یہ تو نہیں کہ خوگرِ بیدادِ ہم نہیں
ہم سے جو اُٹھ سکیں وہ تمہارے ستم نہیں

اب آہ کے لئے بھی مرے دل میں دم نہیں
کیا قہر ہے کہ طاقتِ اظہارِ غم نہیں

دل بیچ کر کوئی بھی خریدارِ غم نہیں
بازارِ عشق سرد ہے جس دن سے ہم نہیں

کیا کیا ہے اسمیں اور یہ میری نظر سے پوچھ
کافر تری حیا میں ستم ہی ستم نہیں

کیوں پوچھتے ہو غیر سے تم میرے غم کا حال
لایا ہے مجکو تیغ کے منہ پر اُبھار کر
بدلی ہوئی نگاہ ہے۔ دل ہے بھرا ہوا
اے ضعف کیوں صبا سے دبیں راہِ شوق میں
کافر کہا جو میں نے تو ناراض کیوں ہوئے
یہ تم سے شوخ ہے۔ کہ تم اِس سے شریر ہو؟
کیوں نقدِ دل کو ہاتھ میں لیتے ہی رکھدیا
کعبے میں کیوں رہیں تری محفل کو چھوڑ کر
دامِ بلائے عشق سے چھٹنا محال ہے

کیا ہیں تمہاری بزم میں تصویرِ غم نہیں!
دل بھی مرے لئے مرے قاتل سے کم نہیں
کہنے کو آپ کہیئے کہ ناراض ہم نہیں
ہم ناتواں ہیں سست ہمارے قدم نہیں
کیا توبہ توبہ آپ خدا ہیں! صنم نہیں
تم دل سے کم نہیں ہو۔ کہ دل تم سے کم نہیں؟
پڑھیں تو اسکو آپ۔ یہ کھوٹی رقم نہیں
ہم صیدِ تیغِ ناز ہیں۔ صیدِ حرم نہیں
ہو جائیں جو رہا وہ گرفتار ہم نہیں

لکھتا ہوں قہر میں انھیں حالِ دلِ فگار
تصویرِ زخمِ دل ہے شگافِ قلم نہیں

پوچھ کر اسلئے ہم پر وہ جفا کرتے ہیں
ہم تو شکوے کی جگہ شکرِ جفا کرتے ہیں
جو ستم سہہ کے بھی ہر وقت وفا کرتے ہیں
چین سے کب ترے عشاق رہا کرتے ہیں
اور کیا عشق میں اربابِ وفا کرتے ہیں
اِسمیں کیا بحث ہے بخشئے کہ نہ بخشئے کوئی
دوسرا دل کبھی مل جائے یہ ممکن ہی نہیں
خوبرویوں کا کوئی ٹوکنے والا ہی نہیں،
وعدۂ وصل سے کیونکر ہو تسلی مجھکو
شکوۂ غم سے تلافی مصیبت کیسی
حالِ دل۔ حال ہے دل کا۔ کوئی قصہ تو نہیں
باز آئیں گے نہ وہ ظلم و ستم سے ہرگز

لوگ جانیں کہ یہ انکا ہی کہا کرتے ہیں
جو برا کہتے ہیں ہمکو وہ برا کرتے ہیں
آپ کرتے ہیں جفا اُنپہ یہ کیا کرتے ہیں!
کچھ فغاں سے نہیں ہوتا۔ تو دعا کرتے ہیں
خود بھی ہوتے ہیں فدا! دل بھی فدا کرتے ہیں
ہم خطاوار محبت ہیں خطا کرتے ہیں
ہائے کس چیز کو مجھ سے وہ جدا کرتے ہیں
جی میں آتا ہے جو انکے وہ کیا کرتے ہیں
کہیں بدعہد بھی عہد اپنا وفا کرتے ہیں
اُس نے یہ بھی نہ کہا۔ آپ کیا کرتے ہیں!
ہم کہا کرتے وہ اسکو سنا کرتے ہیں
لوگ کیوں روزِ جزا۔ روزِ جزا کرتے ہیں

سیکھ لے ہم سے کوئی روز کا مرنا جینا
خواہشِ مرگ میں مر مر کے جیا کرتے ہیں

میں کروں ضبط بھی تو ضبط سے کیا ہوتا ہے
رازِ اُلفت بھی چھپائے سے چھپا کرتے ہیں؟

بت ہوئے۔ تیغ ہوئی۔ چرخِ ستمگار ہوا
یہ کسی سے بھی زمانے میں وفا کرتے ہیں

دیکھکر جبُ اُٹھیں بے فکر نہ جانے کوئی
بیٹھتے اُٹھتے وہ ہنگامے بپا کرتے ہیں

کیوں بگڑتے ہو دمِ عرضِ تمنا ہم سے
ہم تو جو دل نے کہا ہے وہ ادا کرتے ہیں

مہرِ آشفتہ کو پھر ڈھونڈئیے کس کے دل میں
سارے معشوق تو بے مہر ہوا کرتے ہیں

دل رکھدیا جو ہم نے کبھی لالہ زار میں
داغوں نے اِسکے آگ لگا دی بہار میں

کیا دل میں رہ سکیں یہ شبِ انتظار میں
صبر و قرار ہی نہیں صبر و قرار میں

یہ سیر ہے نئی چمنِ روزگار میں
دیکھو بہار آکے دلِ داغدار میں

بیتاب جان تک ہے یہاں ہجرِ یار میں
دل کس شمار میں ہے جگر کس قطار میں

پی لیں گے خونِ دل ہی نہ ہوگی اگر شراب
توبہ تو ہم سے ہو نہ سکے گی بہار میں

آتے ہیں وہ نہ جان ہی جاتی ہے۔ کیا کریں
یہ اختیار میں ہے۔ نہ وہ اختیار میں

دل اُسکا صاف ہم سے پسِ مرگ بھی نہیں
اب بھی تو ہے غبارِ عدو کے غبار میں

کیوں اُنگلیوں پہ گنتے ہو تم ان کو بار بار
آتے ہیں کب گناہِ محبت شمار میں

کٹتی ہے کس طرح شبِ وعدہ وہ جان جائیں
بیٹھیں جو دو گھڑی بھی مرے انتظار میں

جھکنے میں بھی دل اُس نے ہمارا اُڑا لیا
شوخی چھپی بھی کیا نگہِ شرمسار میں

اللہ رے مجھے دلِ گم گشتہ کی تلاش
بعدِ فنا بھی ڈھونڈ رہا ہوں مزار میں

بہرِ دعائے مرگ جنوں میں نہ اُٹھ سکے
اُلجھے جو اپنے ہاتھ گریباں کے تار میں

کیوں دل میں تم سے ترکِ محبت کی ٹھان لیں
وہ کام کیوں کریں جو نہو اختیار میں

پھرتی ہے کیوں اُڑائے ہوئے اسکو ہر طرف
رکھا ہے کیا صبا مرے مُشتِ غبار میں

منظور دیکھنی ہوں نہ بیتابیاں اگر
آ بیٹھیں آپ میرے دلِ بیقرار میں

چمکے گا کیوں نہ اپنی جبیں کا بھی اب نصیب
ذرّے چُنے ہیں اِس نے بہت کوئے یار میں

اک قہر ہی کے دم سے محبت ہی یادگا
کہدیں یہ ہم ہزار ہیں کیا سو ہزار میں

میرے دل میں تم ہو اب میں بھی تمھارے دل میں ہوں
زہر ہو آبِ دمِ شمشیر یا آبِ حیات
یہ تو میری ہی خطا ہے۔ یاد گر آتا نہیں
اور تیری بزم کی زینت کو اب کیا چاہیئے
کیا عجب راحت ملے مدفن میں مرجانیکے بعد
دیکھ کر قاتل تڑپنا اس کا تیرے سامنے
خیر بن جائے کہیں میرا تمھارے دل میں گھر
کیا ستم ہے لطف اُٹھانے کیلئے اغیار ہیں
قیس کی صحرا نوردی پر یہ لیلیٰ نے کہا
تُو خدا جانے یہاں سے کب کی جا پہونچی وہاں
مجکو بسمل کر کے قاتل تو گھر اپنے چلدیا

تم ہو اس منزل میں تو میں کیوں نہ اُس منزل میں ہوں
مرنے جینے کیلئے میں کوچۂ قاتل میں ہوں
یاد آؤں انکو میں تو میں بھی اُنکے دل میں ہوں
شمع تو محفل میں ہے پروانہ میں محفل میں ہوں
زندہ رہکر میں تو زیرِ آسماں مشکل میں ہوں
برق کو بھی آرزو ہے میں رگِ بسمل میں ہوں
غیر کی حسرت ہی بنکر میں تمھارے دل میں ہوں
اور جلنے کیلئے میں آپ کی محفل میں ہوں
ڈھونڈتا ہے کیوں مجھے میں تو تُمہی کے دل میں ہوں
اور میرا بے موج اب تک حسرتِ ساحل میں ہوں
میں نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں عجب مشکل میں ہوں

قہر خالِ رُخ کو بھی ہے فخر حسنِ یار پر
کہہ رہا ہے داغ ہوں لیکن مہِ کامل میں ہوں

آگیا آج کیا خیال ہمیں
اُف یہ مجبوریاں محبت کی
پہلے تیرا خیال تھا ہر دم
دل مرا پھیر کر کہا اُس نے
اُنکے آتے ہی موت بھی آئی
کوئی دشمن کو دوست رکھتا ہے
گردشِ چرخ کیا مٹائے گی
کیوں وہ بگڑے ہیں پوچھتے اُنسے

زندگی ہو گئی وبال ہمیں
جان دینی بھی ہے محال ہمیں
اب ترا بھی نہیں خیال ہمیں
اب نہیں چاہیئے یہ مال ہمیں
وصل بھی ہو گیا وصال ہمیں
کیوں نہو غیر سے ملال ہمیں
تم کرو چل کے پائمال ہمیں
مگر اتنی کہاں مجال ہمیں

	قہر اپنی یہی تمنا ہے نظر آئے وہ مہ جمال ہمیں	

وہ کریں بھی کچھ مرے واسطے بغرض اِس سے کیا مجھے کیا کریں
جو کرم نہو تو ستم کریں۔ جو وفا نہو تو جفا کریں

رہیں ایک حال پہ کس لئے۔ مجھے لطف دیتی ہیں شوخیاں
کبھی مِل کر آپ لڑا کریں۔ کبھی لڑ کر آپ مِلا کریں

عبث اِس کا اُن کو خیال ہے۔ اِسے ہو شفا یہ محال ہو
وہ مریضِ عشق کے واسطے نہ دوا کریں نہ دُعا کریں

ہوئی ظلم و جَور کی پُوچھ گچھ چھیڑے واقعاتِ غم و الم
مجھے خوف حشر میں ہے یہ اب۔ کوئی حشر وہ نہ بپا کریں

دلِ زار یہ ہے سوال کیوں۔ یہ خیال کیوں۔ یہ ملال کیوں
کبھی ہم سے وعدہ شبا ہ کا۔ نہ کیا ہو تو وہ کیا کریں

نہیں آتے وہ تو نہیں سہی۔ نہیں مِلتے وہ تو یونہیں سہی
مگر اِس کی ہمکو ہے آرزو کہ جواب خط کا لکھا کریں

نہیں ظلم و جَور کی حد کوئی نہیں رنج و غم کی کچھ اِنتہا
مگر اُن کے عشق کا حکم ہے۔ اِنھیں اہلِ عشق سہا کریں

رہے شرم اُنکی نگاہ میں کہ دن آگئے ہیں شباب کے
کسی رُوشناس کا ذکر کیا وہ اب آئینے سے حیا کریں

مری جان جائے کہ اب رہے۔ مجھے جان کا کچھ الم نہیں
جو ہے فرض اُنکے شباب کا وہ ادائیں اُنکی ادا کریں

وہ فسانہ عشق و فراق کا ابھی یاد اہلِ وفا کو ہے
جو نہ تم سُنو تو یہ کیا کہیں۔ جو سُنا کرو تو کہا کریں

کوئی بار بار کہے گا کیا کہ بگڑ کر اُس نے یہ کہدیا

کبھی ہم نے مہر کا ماجرا جو سُنا ہو تو سُنا کریں [۱]

کیا کہا۔ تیری فغاں میں کچھ اثر ہے کہ نہیں
سنگدل تم بھی ہو۔ یہ تمکو خبر ہے کہ نہیں

میں نے دیکھا نہیں۔ تو نے تو نہیں دیکھا ہے
تیر ثانی کہیں اے رشکِ قمر ہے کہ نہیں؟

جسکو دیکھو وہی بسمل وہی کشتہ اس کا
اب بتاؤ تمھیں قاتل یہ نظر ہے کہ نہیں

تو دکھا دے ہمیں اب تک نہیں دیکھا ہم نے
باغباں نخلِ محبت میں ثمر ہے کہ نہیں

میں تو دل کیلئے روتا ہوں وہ یہ دیکھتے ہیں
دیدۂ تر میں کوئی لختِ جگر ہے کہ نہیں

زخم اِسکا کبھی بھرتے ہوئے دیکھا تم نے
تیغ و خنجر سے سوا تیرِ نظر ہے کہ نہیں

بہ گیا کیا مری آنکھوں سے وہ آنسو بنکر
چیر کر دیکھئے پہلو کو جگر ہے کہ نہیں

بدگماں۔ دیکھ لیا۔ جانچ لیا۔ جان لیا؟
میرے دل میں تری ایک ایک نظر ہے کہ نہیں؟

اُنکا جلوہ نظر آیا تو گیا ہاتھ سے دل
نفع کے ساتھ محبت میں ضرر ہے کہ نہیں

سیکڑوں داغِ ستم آپ نے دیکھے ہونگے
دل میں رہ کر بھی مرے دل کی خبر ہے کہ نہیں

ہے اِدھر ختم شبِ وصل۔ اِدھر جاتے ہو
تمھیں کہدو یہ قیامت کی سحر ہے کہ نہیں

سُن کے آہیں مری حیرت سے وہ یہ پوچھتے ہیں
اِن میں بیتابیٔ دل کا بھی اثر ہے کہ نہیں

جب یہ صورت ہو تو کیوں دل کوئی اپنا دیدے
بیوفا۔ تجھ میں وفا۔ کسکو خبر۔ ہے کہ نہیں

پہلے تھا دل ہی نگاہوں سے لُٹانا منظور
اب کچھ اور اِسکے سوا بد نظر ہے کہ نہیں

پھل گیا آپ کا خنجر جو مجھے قتل کیا
دیکھئے سوزِ محبت میں اثر ہے کہ نہیں

مجھپہ جب ظلم کئے تم نے تو سوچا یہ بھی
اِسکے دل ہے کہ نہیں۔ اِسکے جگر ہے کہ نہیں

میری بیتابیٔ دل پر وہ خفا ہوتے ہیں
اپنی بھی شوخ نگاہی یہ نظر ہے کہ نہیں

دیکھتے کیا ہو تم اب تیرِ نظر۔ یہ دیکھو
ٹکڑے ٹکڑے مرے پہلو میں جگر ہے کہ نہیں

دل چرا لے گئی پہلو سے بھری محفل میں
کہیئے اب چور یہ دزدیدہ نظر ہے کہ نہیں

رات بھر جاگے ہیں دن بھر وہ پریشاں رہے
یہ مری آہِ شبِ غم کا اثر ہے کہ نہیں

دوست دشمن کی نگاہوں کا پرکھنا کیسا
پہلے یہ دیکھو تمھیں اپنی نظر ہے کہ نہیں

خون رو رو کے مرا دل تو جلایا تو نے
آگ تجھ میں بھی لگی دیدۂ تر ہے کہ نہیں

[۱] بر غزل نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیلؔ - قافیہ بہ قافیہ

تمکو اپنی ہی نگاہوں کی قسم۔ سچ کہنا
قہرؔ پر اب وہ محبت کی نظر ہے کہ نہیں؟

ردیفِ واو

یہاں تو۔ وہاں تو۔ نہاں تو عیاں تو
نہیں دیکھتیں تجکو آنکھیں ہی۔ ورنہ
ترا ڈھونڈ رہا ہوں پھر بھی کیا تجھ سے نسبت
پتا مجکو ملتا ہے منزل بہ منزل
جدا ہو گیا ورنہ کیسی جدائی
تغافل سے کچھ اور مطلب نہیں ہے
ترے عشق کا لطف ملتا کہاں پھر
کھلائے ہوئے ہیں یہ سب پھول تیرے
نہ طالب ہی ہوتا نہ مطلوب ہوتا

جگہہ کونسی ہے نہیں ہو جہاں تو
جہاں ہر نہاں تو۔ وہاں ہر عیاں تو
کہاں تو۔ کہاں ہیں۔ کہاں ہیں۔ کہاں تو
نہیں جادۂ عشق میں بے نشاں تو
جہاں تو وہاں ہیں جہاں ہیں وہاں تو
فقط کر رہا ہے مرا امتحاں تو
جو مجکو عدم سے نہ لاتا یہاں تو
جہاں باغ ہے۔ اور ہر باغباں تو
اگر اپنے جلوے کو رکھتا نہاں تو

یہی آرزو ہے۔ نہیں اور حسرت
رہے قہرؔ پر ہر گھڑی مہرباں تو

ایذا ہی کیوں نہو مگر اُس میں کمی نہو
وہ عرضِ حال پر کہیں ناراض ہو نجائیں
کیا خارِ آرزو کی خلش کا یقین آئے
میں جی رہا ہوں صرف کسی کے خیال میں
آئیں گے کیا فلک سے فرشتے زمین پر
لکنت بھی ہے زبان میں آنکھیں بھی سُرخ ہیں
کوئی سوالِ وصل پہ یہ کہکے چل دیا
اے قہرؔ ذوق و شوق کے دم سے ہے لطفِ عشق

یہ کیا کہ دل میں درد بھی ہو۔ کبھی نہو
ڈرتا ہوں مدعا بھی مرا مدعی نہو
اُس نازنیں کو پھانس بھی جسکے چبھی نہو
یہ بھی اگر نہو تو مری زندگی نہو
غمخوار آدمی کا اگر آدمی نہو
میں شرط باندھتا ہوں جو واعظ نے پی نہو
تیری خوشی ہوا ور ہماری خوشی نہو!
دل کا لگا ڈکیا ہو جو دل کو لگی نہو

اِس محبت کی خوشی کیا دلِ شیدا مجکو
جب نکلتی ہوئی دیکھی نہ تمنا کوئی
جسکا دل مجھ سے ملے جس سے مرا دل ملجائے
وُہی جھڑکی۔ وُہی دھمکی۔ وُہی غصّہ ہردم
یوں ہُوا دشت نوردی کا تصوّر دل میں
میں نے چاہا جنھیں ایسے تو ملے مجکو بہت
وہ تو اس غم میں پریشان نظر آتے ہیں
کعبہ و دیر میں کیوں خاک اڑاؤں جاکر
دل گرفتوں سے ہنسی کوئی ہنسی کھیل نہیں
قابلِ داد ہے قسّامِ ازل کی تقسیم

غیر کی ضد سے ستمگار نے چاہا مجکو
حسرت آئی دلِ ناکام پہ کیا کیا مجکو
نہیں ملتا کوئی ایسا نہیں ملتا مجکو
یہ تو فرمائیے کیا آپ نے سمجھا مجکو
گھر بھی اپنا نظر آنے لگا صحرا مجکو
نہ ملا کوئی مرا چاہنے والا مجکو
مرگِ دشمن پہ مسرّت ہو بھلا کیا مجکو
اُس ستمگر نے کہیں کا بھی نہ رکھا مجکو
بس بس اب آپ ہی جانیں گے جو چھیڑا مجکو!
حُسن اُس شوخ کو بخشا۔ دلِ شیدا مجکو

پھر جلوے سے ہوئے غش تو کسی نے یہ کہا
تُو نے اے دیکھنے والے مرے۔ دیکھا مجکو!

دُکھا کر نہ دل تم مری جان جاؤ
نہیں جانتے تم۔ اگر جان جاؤ
یہ ہم جانتے ہیں نہ آؤ گے جاکر
زمانہ بُرا ہے نگاہیں بُری ہیں
یہ صُبحِ شبِ وصل کیونکر کہو میں
اِسی میں ملے گا نشانِ محبت
یہ کیا آنا۔ جانا تری بزم کا ہے
بتھا را اگر جاکے آنا ہے مشکل
نہ جائیں گے ہم غیر کی انجمن میں
مجھے در سے اُس نے یہ کہکر اُٹھایا
فلک کو بھی بیدرد کہنا ہے مشکل

یہ کہنا کرو۔ یہ کہا مان جاؤ
ہماری محبت کے قربان جاؤ
اگر جاؤ تو کر کے پیمان جاؤ
جہاں جاؤ لے کر نگہبان جاؤ
نہیں اب کوئی دل میں ارمان جاؤ
مرے دل کو اچھّی طرح چھان جاؤ
پریشان آؤ۔ پشیمان جاؤ
اجل کا تو آنا ہے آسان جاؤ
تمھیں کس نے روکا ہے۔ بہان جاؤ
نہیں تم سے کچھ جان پہچان جاؤ
کہیں تم نہ اِس پر بُرا مان جاؤ

چلے ٹھیر پھر ایک بے مہر کے گھر
خدا ہے تمھارا نگہبان جاؤ

دل کو دم بھر تو خمِ زلف میں رہ لینے دو
اس پہ گزری ہے جو کچھ کان میں کہہ لینے دو

ضبطِ گریہ کی ہے تاکید ابھی سے کیسی
ابھی دریا مری آنکھوں سے تو بہ لینے دو

ہاتھ رکھو نہ دمِ عرضِ تمنا منہ پر
آگئی ہے جو زباں پر اُسے کہہ لینے دو

کوئی دن اور بھی مہمان اِسے میں رکھ لوں
کوئی دن اور مری جان کو رہ لینے دو

وصل کی قدر نہ کچھ یوں تو عُدو کو ہو گی
کوئی دن ہجر کے صدمے اُسے سہ لینے دو

کیوں ہٹے جاتے ہو تم جلد مرے آگے سے
محوِ دیدار کو محو اور ابھی .... رہ لینے دو

کیا ضرورت ہے کھلیں رُخ پہ دوبارہ زلفیں
ایک ہی بار نہ کیوں چاند کو گہہ لینے دو

جنکو میں سہ نہ سکوں تم وہ ستم پھر کرنا
جور سہنے کے جو ہیں وہ ابھی سہ لینے دو

مہر کہنے سے کسی کے کوئی ہوتا ہے بُرا
تمکو کہتا ہے بُرا کوئی تو کہہ لینے دو

تم یہ منہ دیکھے کی اُلفت بھی جتاتے کیوں ہو
دل تو ملتا ہی نہیں آنکھ ملاتے کیوں ہو

آپ ایسے جانے کو اُس بزم میں جاتے کیوں ہو
مہر کہنے میں دلِ زار کے آتے کیوں ہو

دل میں رہنے کے لئے ہے تمھیں آنا مشکل
ایسے نازک ہو تو آنکھوں میں سماتے کیوں ہو

ہو کے ناراض چلا ہیں تو منانا کیسا
اُس نے یہ بھی نہ کہا روٹھ کے جاتے کیوں ہو

تمکو حسرت ہے مرے دل کی تو دل کو میرے
ہدفِ ناوکِ بیداد بناتے کیوں ہو

کوئی دم میں وُہی دُنیا سے اُٹھا جاتا ہے
اپنے بیمار سے تم ہاتھ اُٹھاتے کیوں ہو

کیا تماشا ہے مری جان بھی وہ لیتے ہیں
اور پھر پوچھتے ہیں جان سے جاتے کیوں ہو!

یہ بھی کیا گھر ہے تمھارا کہ لرز جائے کوئی
عرصۂ حشر میں تم مجکو ڈراتے کیوں ہو

دل کرے آہ تو دل پر ہیں جفائیں لازم
جو ستاتا نہیں تم اُسکو ستاتے کیوں ہو

میں تمھیں آتشِ اُلفت میں جلا جاتا ہوں
طعنے دیدے کے مجھے اور جلاتے کیوں ہو

جب یہ تم جانتے ہو ایک ہی عیار ہے وہ
مہر نقروں میں پھر اُس شوخ کے آتے کیوں ہو

بزم ہیں جانبِ اغیار نہ دیکھو۔ دیکھو
اس سے آتا ہے تمھاری نگہِ ناز پہ حرف
بیٹھ جاؤ نہ کہیں آپ ہی دل تھام کے تم
چشمِ مشتاق نہ رکھدی ہو کسی نے اسمیں
بھولے بسرے کبھی اُلفت کی نظر بھی ہو جائے
ہے یہ حالِ دلِ مضطر کا دکھانا مشکل

دیکھو ہو جائے گی تکرار نہ دیکھو۔ دیکھو
دیکھ کر تم مجھے۔۔ تلوار نہ دیکھو۔ دیکھو
چال اپنی دمِ رفتار نہ دیکھو۔ دیکھو
جانبِ روزنِ دیوار نہ دیکھو۔ دیکھو
قہر کی آنکھ سے ہر بار نہ دیکھو۔ دیکھو
دیکھنا بھی تو ہے دشوار نہ دیکھو۔ دیکھو

تابِ دیدار ہو اے قہر تو دیکھو بھی اُسے
کون کہتا ہے رُخِ یار نہ دیکھو۔ دیکھو

بلائے گا قیامت میں یہ کیونکر ہو یقیں ہمکو،
جُنوں کا پردہ رکھنا تھا اگر اے ہمنشیں ہمکو
بٹھایا درد نے غم نے کیا زار و حزیں ہمکو
وفا کیا چیز ہے۔ یہ جان اپنی دیکے سمجھاتے
نہ ملنا تھا الٰہی تو نہ ملتا اور کچھ۔ لیکن
فراقِ نازنیں میں دل سے لب تک آ نہیں سکتی
نہ تو ہے عہد کا سچا۔ نہ تو ہے قول کا پورا
ہمارے ہی لئے ہیں پل بیٹھنے کا لطف تو جب ہے
تمھیں کیا نہ جبیں ہو۔ نازنیں ہو۔ پل ہی جائینگے
یہ کیا معلوم تھا مٹ جائینگے ہم تیرے کوچے میں
جو اُنسے پوچھتا ہوں میں کہ تمکو بھی محبت ہے
اسی کے پاس ہوگا وہ اسی کے پاس نکلے گا
سمایا ہے تمھارا حُسن جب دن سے نگاہوں میں
اُسے معلوم ہو جائے۔ ہمارا مرتبہ کیا ہے
یہ مانا تو کہے گا نامہ بر جو تو نے دیکھا ہے

یہیں اللہ نے رکھا کہیں تمکو۔ کہیں ہمکو
بنائی تھی گریباں میں بھی کوئی آستیں ہمکو
اُٹھائے ناز پھر نازآفریں کے۔ آفریں ہمکو
مگر ہم کیا کریں وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں ہمکو
نہ ہوتا آسماں جب پردہ ملجاتی زمیں ہمکو
اب آہِ ناتواں بھی ہو گئی ہے نازنیں ہمکو
تری باتوں کا آئے بھی تو کیا آئے یقیں ہمکو
کہ ہم اُنکے قریں بیٹھیں۔ بٹھائیں وہ قریں ہمکو
ہزاروں نازنیں ہمکو۔ ہزاروں مہ جبیں ہمکو
یہ کیا معلوم تھا کھا جائیگی اسکی زمیں ہمکو
تو کہتے ہیں محبت ہے۔ مگر تجھ سے نہیں ہمکو
نظر آتی ہے دل کی چور زلفِ عنبریں ہمکو
زمانے میں نظر آتا نہیں کوئی حسیں ہمکو
جو دیکھے خاکِ کوئے یار پر عرشِ بریں ہمکو
مگر آئے یقیں اُنکو۔ نہیں اسکا یقیں ہمکو

اُٹھائے رنج ۔ دیکھا رشکِ دشمن بھی محبت میں
جہاں پیدا ہوتے ہوں کسی کے چاہنے والے
یہ اپنی روز کی ناکامیوں سے ہو گیا اور
ہوا کیا دل کا عالم ہجر میں یہ بھی بتا دیں گے

نہ کرنے کی جو باتیں تھیں وہ سب کرنی پڑیں ہمکو
بتائے تو کوئی دُنیا میں ایسی سرزمیں ہمکو
جو ہوتی ۔ تو نکلتی ۔ کوئی حسرت ہی نہیں ہمکو
ملائے گا کبھی جب اُنسے ربُّ العالمیں ہمکو

یہ پوچھا قہر سے اُس نے محبت کی شکایت پر
محبت کیوں نہیں ہمکو؟ ۔ بتاؤ یہ تمھیں ہمکو

دل میں مرے پیکان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
کیا سجدۂ شکرانۂ الفت سے اُٹھاؤں
دل دینے پہ آمادہ ہوں ۔ جی کھونے کو تیار
گو اور بھی حیرت سے تمھیں دیکھ رہے ہیں
دشمن کو بھی اللہ نہ دے دردِ محبت
ارمان ہزاروں ہیں مرے خانۂ دل میں
سمجھاتا ہے اُسکو جو نہ سمجھائے سے سمجھے
پہونچے گا وہاں کیا کوئی دشمن کے سبب سے
ماتھے پہ بل ۔ ابرو پہ شکن ۔ قہر نظر میں
اُلجھی ہوئی زلفیں جو نہ سُلجھیں تو وہ بولے
دُشوار ہے پہلو سے مرے دل کا اُڑانا
دنیا میں بہت ناز تھا ظالم کو جفا پر

اِس گھر میں یہ مہمان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
سَر پر مرے اِحسان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
مرجانے کا ار مان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
آئینہ تو حیران ہے ایسا کہ نہ پوچھو
یہ درد مری جان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
اِس پر بھی یہ ویران ہے ایسا کہ نہ پوچھو
ناصح بھی تو نادان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
اُس در پہ یہ دربان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
یہ قتل کا سامان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
دل اِنسے پریشان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
لیکن اُنھیں آسان ہے ایسا کہ نہ پوچھو
محشر میں پشیمان ہے ایسا کہ نہ پوچھو

سب جھوٹ ہے جو تم نے سُنا قہر کی نسبت
واللہ وہ انسان ہے ایسا کہ نہ پوچھو

نگاہِ قہر دشمن پر کبھی ہو بھی تو کیونکر ہو
ملے گا جی مرا کیونکر کسی کے موئے مژگاں سے
نہ دشمن ہم سے ملتا ہے نہ ہم دشمن سے ملتے ہیں

وہ جس سے خوش ہیں اُس سے ناخوشی ہو بھی تو کیونکر ہو
دل آزاروں سے ایسی دل لگی ہو بھی تو کیونکر ہو
ہماری اور اُس کی دوستی ہو بھی تو کیونکر ہو

مزا کیا زندگی کا دل نہیں جب تیرے پہلو میں
کہ غم ہو بھی تو کیونکر ہو خوشی ہو بھی تو کیونکر ہو

پڑے چینِ جبیں بھی زلف کے بل بھی نکل جائیں
مگر سیدھی مقدر کی کجی ہو بھی تو کیونکر ہو

خوشی جب قتل کی مرنے نہیں دیتی تو جیتے ہیں
ہمیں اس مرنے جینے کی خوشی ہو بھی تو کیونکر ہو

خدا کی بندگی جب زاہدوں سے بن نہیں سکتی
پھر ایسوں سے بتوں کی بندگی ہو بھی تو کیونکر ہو

بنے تیری گلی میں قبرِ دشمن ہم نہ مانیں گے
کہ جو ہو دوزخی وہ جنتی ہو بھی تو کیونکر ہو

نہ پانی چشمِ گریاں دے نہ گرمی آہِ سوزاں دے
مری شاخِ تمنا پھر ہری ہو بھی تو کیونکر ہو

یقیں کیا اِسکا آئے اُنکے دشمن مجھ پہ مرتے ہیں
جو ہو معشوق اُس سے عاشقی ہو بھی تو کیونکر ہو

مری خاطر سے جھیلی قہرؔ زحمت لشکر[1] آنے کی
ادائے شکرِ نوحؔ[2] ناروی ہو بھی تو کیونکر ہو

نظر میں اپنی رکھو یا دلِ روشن میں تم رکھو
رہوں گا میں اُسی مسکن میں جس مسکن میں تم رکھو

مجھے صحنِ چمن یا دشت کے دامن میں تم رکھو
جہاں رکھو وہاں یادِ رُخِ روشن میں تم رکھو

جلا ڈالے گی مجھکو برقِ رشکِ غیر دم بھر میں
یہ چنگاری نہ میری جان کے خرمن میں تم رکھو

مسل جاؤ مرا دل پہلے آ کر میرے پہلو میں
قدم اپنا پئے گلگشت پھر گلشن میں تم رکھو

جو ہوں عشوے کرشمے صرف کر دو وہ مرے دل پر
جو فتنے ہوں وہ اپنے دیدۂ پُرفن میں تم رکھو

دل اپنا دے چکے ہم اب تمھیں ہو اختیار اِس کا
اُسے برباد کر دو یا اُسے دامن میں تم رکھو

جو آئے ہو تو بہرِ فاتحہ اب ہاتھ اُٹھاؤ بھی
فنا کر کے مجھے بیتاب کیوں مدفن میں تم رکھو

رفو میرا دلِ صد چاک پھر بخیہ گرو کرنا
رگِ جاں پہلے اپنی دیدۂ سوزن میں تم رکھو

وہ مضطر یا ہر آتے کو یہاں بھی شوقِ نظارہ
بھلا دیکھیں تو ہم جلوے کو اب چلمن میں تم رکھو

گلے کا ہار میرے کیوں نہ تیغِ رشک ہو جائے
حمائل غیر کے ہاتھوں کو جب گردن میں تم رکھو

تمھارے ہاتھ میں خنجر ہے میں مرنے کو حاضر ہوں
قسم ہے اب جو میری جان میرے تن میں تم رکھو

ابھی تو جان نکلی ہی انھیں آنے دو میت پر
ابھی سے تو نہ اے یارو مجھے مدفن میں تم رکھو

اگر ڈرتے ہو دل میں قہرؔ کی فریاد و زاری سنتے
تو اُسکو رات دن کیوں نالہ و شیون میں تم رکھو

[1] قہر لشکر پایۂ تخت ریاست گوالیار۔ [2] تاج الشعرا ناخدائے سخن جانشینِ حضرت داغ دہلوی محمد نوح تعلقہ دار نارہ ضلع الہ آباد

مجھے حسرت ہے اُسکے حُسن کا گھر گھر نہ چرچا ہو
جو ہو پوشیدہ پردوں میں وہ کیوں عالم میں رُسوا ہو

مرے پہلو میں یا رب دل اگر ہو بھی تو ایسا ہو
جسے ارمان ہو تیرا جسے تیری تمنا ہو

غضب ہے بیٹھنا پڑے میں چُھپکر اُن حسینوں کا
خدا نے دیکھنے کے واسطے جنکو بنایا ہو

دلِ مضطر کو لے کر چاہیئے کچھ دلنوازی بھی
کہیں ایسا نہو پھر یہ نہ میرا ہو نہ تیرا ہو

مزا جب ہے جُنونِ فتنہ ساماں کی ترنگوں کا
مری وحشت کو تم بھی دیکھ کر محوِ تماشا ہو

وہ مجکو کم سنی میں سیکڑوں آزار دیتے ہیں
ابھی سے اُنکا یہ عالم ہے آگے دیکھئے کیا ہو

نگاہیں حُسن کے جلوے کو فوراً تاڑ لیتی ہیں
اُسی پر آنکھ پڑتی ہے جو سُو اچھوں میں اچھا ہو

وہ حالِ زارِ عاشق سُنکے بولے بھی تو یہ بولے
"بلا جانے ہماری کوئی جیتا ہو کہ مرتا ہو"

عُدو کے گھر نہ جائیں وہ ہمارے گھر چلے آئیں
الٰہی نالۂ دل میں اثر اتنا تو پیدا ہو

ہمیں نے تمکو چاہا تو مزہ اِس چاہ کا کیا ہے
تمھیں ہم چاہتے ہیں دل سے تم بھی اے ہمیں چاہا ہو

یہ مانا پھر نے سب اور جھیلیں سختیاں لیکن
ترا ملنا رقیبوں سے اُسے کیونکر گوارا ہو،

ردیفِ ہاے ہوز

خیالِ عارض میں خاک دیکھوں ترا گلِ نو بہار جلوہ
کہاں وہ جلوہ۔ کہاں یہ جلوہ۔ دکھائے یوں تو ہزار جلوہ

ستم کیا پردۂ حیا نے بہت رہا بے قرار جلوہ
اُٹھاؤ اب تم نقابِ رُخ سے دکھائے اپنی بہار جلوہ

جلا کے دل جان لی کسی کی کسی کو بیتاب کر کے مارا
بنے ہیں قاتل وہ مُنھ دکھا کر ترے ستم کے نثار جلوہ

وفا کریں گے نبھائیں گے ہم اُٹھائینگے سب ستم تمھارے
کریں گے قربان جان تم پر۔ دکھا بھی دو ایک بار جلوہ

وہ پیچھے چلمن کے بیٹھے آ کر اسی نظر سے۔ اِسی سبب سے

کہ کھیلے ٹٹی کی آڑ سے اب ہمارے دل کا شکار جلوہ

جمالِ عارض دکھانے والو بہارِ داغِ جگر بھی دیکھو
دکھا رہا ہے ہمارے سینے میں کھل کے کیا لالہ زار جلوہ

تمھیں جہاں میں نہیں ہو ظالم۔ جو ہے وُہی اِنمیں ہو ستمگر
نگاہ۔ غمزہ۔ ادا۔ کرشمہ۔ حیا۔ شرارت۔ شعار جلوہ

طرح طرح کے حسیں ہیں زاہد۔ جو اِنکو دیکھے وہ اِنکو جانے
کسی میں ہے شانِ دلربائی۔ کسی کا ہے شان دار جلوہ

نہیں یہ زیبا نہیں یہ شایاں کہ تُو نظر سے نہاں ہوا اتنا
کسی کے مشتاقِ دید کو ہے ترا بہت انتظار جلوہ

یہ بات کیا ہے جو مہر صاحب ہوئے ہیں غش ایک ہی جھلک میں
اِنھیں تو ارمان تھا کہ دیکھیں کسی کا ہم بار بار جلوہ

ہر وقت رہا مائلِ بیداد و جفا وہ
ملتا کوئی کیا اُس سے کسی سے نہ ملا وہ

کب عیش میں وہ لطف ہے کب غم میں مزا وہ
اگلی نہ وہ دُنیا ہے۔ نہ دُنیا کی ہوا وہ

سُن لیں گے اگر اُنکو تو ہو جائیں گے بے چین
سمجھے ہیں مرے نالہ و فریاد کو کیا وہ

مرجائیں گے ہم شوخی و انداز و ادا پر
کم سن ہیں ابھی ہوں تو جواں نامِ خدا وہ

ہے بعد ہمارے اُنھیں اب جسکی ضرورت
ملتی نہیں ڈھونڈے سے دوا کو بھی وفا وہ

اُلفت میں تری ہر کس و ناکس کی زباں سے
ابتک نہ سُنا تھا جو کبھی ہم نے۔ سُنا وہ

تُو نام نہ لے اور مرا حال سُنا دے
اے نامہ رسا آئے گا اس دم میں بھلا وہ

کس طرح نظر اُنکی نگاہوں سے ملاؤں
ملتیں ہی نہیں اور سے دشمن کے سوا وہ

بیتاب جو کر دے ہمیں بے چین جو کر دے
شوخی میں وہ شوخی ہے۔ حیا میں ہے حیا وہ

کہتا تھا پیامی۔ یہ کہونگا۔ وہ کہونگا!
جب سامنے اُنکے گیا کچھ کہہ نہ سکا وہ

ہم پہلے تو دے بیٹھے اُنھیں دل بھی جگر بھی
اب پُوچھتے ہیں یہ تمھیں درکار ہے یا وہ؟

یوں تو نظر آئے ہیں ترے سیکڑوں انداز
جو سب سے نرالی ہو ادا ہمکو دکھا وہ

جب مہر کے اشعار سُنے مہر کو دیکھا
پہچان گیا۔ جان گیا۔ مان گیا وہ

کہوں کیا بار بار اُن سے دلِ پُر غم کا افسانہ
وہ کہدیں گے کہ ہم سُنتے نہیں ہر دم کا افسانہ

یہ کاغذ ہی کے گا تو نہ کہنا اُنسے اے قاصد
لکھا ہے میں نے اپنے خط میں اپنے غم کا افسانہ

ہزاروں آفتیں گزری ہیں اُس پُر غمگساری ہیں
بڑا ہے میرے قصّے سے مرے ہمدم کا افسانہ

دلائی یاد واعظ اُس لب جاں بخش کی تو نے
سُنا کر آج مجھکو عیسیٔ مریم کا افسانہ

پیامی کی ضرورت کیا خبر ایسی نہیں چھپتی
ہُوا پر اُڑ کے پہونچے گا مرے ماتم کا افسانہ

ہمارے زخم دل تو اور بھی رِسنے لگے سُن کر
زباں پر چارہ گر کی ہے مگر مرہم کا افسانہ

جوانی کی اُمنگیں ہیں مسرّت کا زمانہ ہے
بُلا اب اُنکی سُنتی ہے کسی کے غم کا افسانہ

گلوں کو داستانِ اُلفتِ لیلیٰ سے کیا مطلب
سُنا کرتے ہیں وہ تو رات بھر شبنم کا افسانہ

جو کھا کر ٹھوکریں اے مہر نکلے کوئے جاناں سے
تو ہمکو یاد آیا حضرتِ آدم کا افسانہ

گالیاں ہو کے خفا دیتے ہو اللہ اللہ!
اور پھر بات بنا دیتے ہو اللہ اللہ!

ہم جفا پر بھی دعا تم کو دیا کرتے ہیں
تم وفا پر بھی دغا دیتے ہو اللہ اللہ!

تیغ کھنچتی بھی نہیں اور ہزاروں کو مہیں
اِک اشارے میں لٹا دیتے ہو اللہ اللہ!

بعد کو طالبِ دیدار سے ملتی ہے نظر
خاک میں پہلے ملا دیتے ہو اللہ اللہ!

بات کرنے کا طریقہ کوئی تم سے سیکھے
بات مطلب کی اُڑا دیتے ہو اللہ اللہ!

تمکو میٹ کر بھی جو جینے کی دُعا دیتے ہیں
جیتے جی اُن کو مٹا دیتے ہو اللہ اللہ!

کیا یہ دُنیا ہے جو ڈر جائے گا تم سے کوئی
دھمکیاں روزِ جزا دیتے ہو اللہ اللہ!

چھین کر دل مجھے تم داغ جگر دیتے ہو
تم یہ کیا لیتے ہو۔ کیا دیتے ہو اللہ اللہ!

یہ وفا مہر کہیں ہم نے نہ دیکھی نہ سُنی
بے وفاؤں کو دعا دیتے ہو اللہ اللہ!



ردیفِ ہائے مخلوطہ

رشکِ اغیار مرے دل میں ہے پیکان کے ساتھ
ایک ناخواندہ بھی مہمان ہے مہمان کے ساتھ

وعدہ دل لیکے کیا تم نے کہ احسان کے ساتھ
ہو جو ایمان کی کہہ دو تمہیں ایمان کے ساتھ

جیتے جی وصل کا ارمان نکلتا ہے کہیں،
یہ تو جائیگا مرے دل سے مری جان کے ساتھ

تم جو آتے نہیں تو آنے کو کیوں کہتے ہو،
عہد کے۔ قول کے۔ اقرار کے پیمان کے ساتھ

شکوۂ عشقِ عدو پر یہ دیا اُس نے جواب
کیوں محبت نہو انسان کو انسان کے ساتھ

قتل تُو نے جو کیا تو یہ بہت خوب کیا
میرا ارمان بھی نکلا ترے ارمان کے ساتھ

ہم نے جب دیکھا ہے وہ ہمکو نظر آیا ہے
نئی ترکیب۔ نئی وضع۔ نئی شان کے ساتھ

تجھکو معلوم بھی ہے؟ دیکھنے والے تیرے
دیکھتے ہیں تجھے کس شوق کس ارمان کے ساتھ؟

تیر دل سے مرے کھینچیں گے نہ اس خوف سے وہ
کہیں ارمان نکل جائے نہ پیکان کے ساتھ

اُن سے کب قہر نکالے کوئی ارمان دل کے
خواب میں بھی تو وہ آتے ہیں نگہبان کے ساتھ

آپس کی رسم و رہ میں کام آئے کیا سمجھ
میری جدا سمجھ ہے تمہاری جدا سمجھ

وعدہ اگر کریں تو سمجھ سوچ کر کریں
اتنی کہاں سمجھ ہے ابھی ہیں وہ نا سمجھ

اب بھی تری ضدیں ہیں وُہی بات بات پر
آیا شباب اور نہ آئی ذرا سمجھ

سمجھاؤں کس طرح تجھے اے دل نہیں یہی
اپنی خطا نہ مان تو میری خطا سمجھ

جو ہے تمہارے دل میں سمجھتے ہیں اُسکو ہم
سمجھے ہوئے ہو کیا ہمیں تم کوئی نا سمجھ

سمجھا بجھا کے دل کو وہی اُس سے پھیر دیں
رکھتے ہیں مجھ سے حضرتِ ناصح سوا سمجھ

یہ انقلابِ حُسن و محبت کا دیکھئے
اچھا بھی میں کہوں تو وہ جائیں بُرا سمجھ

کچھ بیخودیِ شوق میں مُنہ سے نکل گیا
بیجا اُسے سمجھ کہ اُسے تو بجا سمجھ

معشوق کو خدا کے برابر سمجھ لیا،
اے قہر آپ کی بھی ہے واللہ کیا سمجھ،

ناخوشی تھی۔ یا خوشی تھی کچھ نہ پوچھ
تمکو بھی اُلفت مری تھی کچھ نہ پوچھ
ذبح کیوں کرتے وہ خوش ہو کر مجھے
ہو وہ قتلِ غیر یا ہو وصلِ غیر
تمکو وہ اپنا زمانہ یاد ہے
ہیں درازی شبِ غم کیا کہوں
تم نہ آتے یہ بھی کوئی بات تھی
نزع میں دیکھا کئے ہم اُنکی راہ

اب نہیں تو کیا کبھی تھی کچھ نہ پوچھ
دل لگی میں دل لگی تھی کچھ نہ پوچھ
اس میں میری بھی خوشی تھی کچھ نہ پوچھ
آپ کے دل میں ٹھنی تھی کچھ نہ پوچھ
دشمنوں سے دوستی تھی کچھ نہ پوچھ
تیری زلفوں سے بڑی تھی کچھ نہ پوچھ
جذبِ دل ہی میں کمی تھی کچھ نہ پوچھ
یاس میں اُمید بھی تھی کچھ نہ پوچھ

پھر دل آزار کو دل کیوں دیا
سوچنی اچھی بُری تھی کچھ نہ پوچھ

ستم کہے ہیں اُٹھائے ہیں جور کیا کیا کچھ
تری نگاہ نے سیکھے ہیں طور کیا کیا کچھ
ہمارے دل کا کوئی آج فیصلہ ہوگا؟
تری نگاہ کی گردش۔ فلک کی گردش ہے
جو نامراد ہی کہتے تو کوئی بات بھی تھی،
وہ تم کہ تم نے اُٹھائے نہ اپنے جور سے ہاتھ
کبھی حجاب ہے مجھ سے۔ کبھی حجاب نہیں
ہمارے دل میں خدنگِ نظر تو ڈھونڈ لیا
دوائے بھی نہ کیا کچھ دعا نے بھی نہ کیا
اُٹھائے گردشِ چشمِ سیاہ مست کے لُطف
نظر بھی تم سے تو اُٹھتی نہیں۔ اِدھر دیکھو

ابھی ہیں مری قسمت میں اور کیا کیا کچھ
غضب کے۔ قہر کے۔ غصے کے دور کیا کیا کچھ
ابھی تو اس میں کریں گے وہ غور کیا کیا کچھ
دکھائے دیکھئے ہمکو یہ دور کیا کیا کچھ
وہ کہہ گئے مجھے کیا جانے اور کیا کیا کچھ
وہ ہم کہ ہم نے اُٹھائے ہیں جور کیا کیا کچھ
بدلتے رہتے ہیں وہ اپنے طور کیا کیا کچھ
بھلا بتاؤ تو ہے اس میں اور کیا کیا کچھ؟
مریضِ غم کی ہوئی ورنہ غور کیا کیا کچھ
چلے ہیں بادۂ گلگوں کے دور کیا کیا کچھ
تمہارے ہم نے اُٹھائے ہیں جور کیا کیا کچھ

لیا ہے دل ہی ابھی قہر کا ابھی کیا ہے
کسے خبر وہ کریں ظلم اور کیا کیا کچھ

ردیفِ یائے معروف

اللہ رے نازکی نہیں ہوتا یہ کام بھی
لیتے ہیں کب وہ ہاتھ اُٹھا کر سلام بھی

کیونکر وہ روک لے مجھے دامن کو تھام کر
جو اپنے دل کی کر نہ سکے روک تھام بھی

اب دل ہے اور رات دن اُلفت کے تذکرے
پہلے نہ جانتا تھا یہ اُلفت کا نام بھی

پہونچائے ہونگے اُس نے عدو کو کسی کے خط
لایا کبھی یہاں تو نہ قاصد پیام بھی

آؤگے میرے گھر۔ مرے پہلو سے جاؤگے
ہوگی وہ صبح بھی۔ کبھی ہوگی وہ شام بھی؟

وہ اور ہیں جو کہتے ہیں ناصح سے حالِ دل
ایسوں سے ہم تو کر نہیں سکتے کلام بھی

یوں میکشی اگر ہو تو ہے میکشی کا لطف
ساقی بھی ماہوش ہو چھلکتا ہو جام بھی

اے نامہ بر یہاں سے وہ آتے ہی جائیں گے
یا کوئی دن کریں گے مرے گھر قیام بھی؟

جھنجلا کے اُس نے شکوۂ دشمن یہ کہدیا
ہوگا کبھی یہ آپکا جھگڑا تمام بھی

اغیار کہہ چکے ہیں بہت میرے برخلاف
اب تم سنو تو عرض کرے کچھ غلام بھی

وہ مہ جبیں دکھائے گا جلوہ نہ قہر کو
یہ جانتے جو ہم تو نہ رکھتے یہ نام بھی

کیا حُسن کے جلوے میں تاثیر نظر آئی
تصویر بھی تو انکی۔ تصویر نظر آئی

کچھ دیر اجل کو بھی ہم نزع میں ٹالینگے
آنے میں اگر اُنکے تاخیر نظر آئی

قاتل کی نظر نکلی قاتل سے سوا قاتل
شمشیر تو جب دیکھی شمشیر نظر آئی

ہر بات میں پہلو ہے۔ ہر لفظ میں جادو ہے
تقریر سُنی اُسکی تحریر نظر آئی

دل اُس سے اگر بچتا۔ تو اُس سے نہ بچ سکتا
جو تیری نظر دیکھی وہ تیر نظر آئی

کس بات کا پھر اے دل ہم اُس سے گلہ کرتے
ہر بات میں جب تیری تقصیر نظر آئی

دل اپنا نظر آیا اُس زلفِ پریشاں میں
یہ خوابِ پریشاں کی تعبیر نظر آئی

جب جاکے کبھی دیکھی ہر زاہد نے عقیدت سے
خاکِ درِ میخانہ اکسیر نظر آئی

اب دیکھئے یہ باہر کیا ہم کو نظر آئے
دل میں تو نظر تیری اک تیر نظر آئی

کیا قہر سے دیکھا ہے گردوں کو ستمگر نے
جب کچھ مرے نالوں میں تاثیر نظر آئی

جب مہر کا دل دیکھا تو اُس میں ہیں کیا کیا
تیرے رُخِ روشن کی تنویر نظر آئی

یہ اگر سچ ہے مری مشکل میں آسانی نہ تھی
اس نے کیوں جانا محبت دشمنِ جانی نہ تھی
کوئی حیرانی نہ تھی کوئی پریشانی نہ تھی،
چار۔ چھ۔ دس بیس آہوں سے بگڑنا تھا بجا
کیوں نہ دیتے مشورہ مشکل میں مرنے کا مجھے
ڈھونڈتا میں ہی کہیں اپنی اجل کو مہر میں
غیر کے قابو میں وہ رشکِ پری کیوں آ گیا
جل کے ہم ٹھنڈے جو ہوتے بھی تو ہوتے کس طرح
عشق نے جیسا بنایا جسکو وہ ویسا بنا،
میرے گھر سے تم نے جب چاہا گھر اپنے چل دیئے
جب ہوئے تم مہرباں دل کو ملایا خاک میں
کیوں مرے دل سے نکلتے کیوں وہ پھرتے جا بجا
غیر کے دل پر گرانی تھیں ستم کی بجلیاں

تمکو عہدِ وصل پر جھوٹی قسم کھانی نہ تھی
میں تو دیوانہ تھا۔ میری عقل دیوانی نہ تھی
بات جب تک دل کی میں نے عشق میں مانی نہ تھی
ایک نالے پر قیامت آ کو ڈھانی نہ تھی
میری آسانی میں کیا غیروں کی آسانی نہ تھی
لیکن اُسکی شکل میری جانی پہچانی نہ تھی
غیر کے قبضے میں کچھ مہر سُلیمانی نہ تھی
آتشِ سوزِ محبت آگ تھی۔ پانی نہ تھی
قیس صحرائی نہ تھا۔ لیلیٰ بیابانی نہ تھی
غیر کے گھر میں تو یہ مَن مانی گھر جانی نہ تھی
کب تمھاری مہربانی ظلم کی بانی نہ تھی
اسکی ویرانی میں کیا اُنکی پریشانی نہ تھی
میرے سَر پر تو فلک یہ آگ برسانی نہ تھی

موت ہی اے مہر آ جاتی مجھے روزِ فراق
وصل کی شب میری قسمت سے اگر آنی نہ تھی

بتا اے ناتوانی رہ گئی اب بات کیا میری
سُنو گے بعدِ عذرِ جَور دل سے التجا میری
گئی کیوں جانِ خنجر تھا متے ہی کچھ نہیں کھلتا
وہ دل لے کر چلے تھے سچ جب پوچھا کب آؤ گے
جو اسکے سُننے والے ہیں کلیجا تھام لیتے ہیں،

وہ کہتے ہیں کہ تجھ سے اُٹھ نہیں سکتی جفا میری
ابھی کیا ہے۔ ابھی تو رنگ لائے گی وفا میری
دھری تھی ایسی کیا قاتل کی مُٹھی میں قضا میری
تو بولے اب غرض تجھ سے اب آئے گی بلا میری
اُسے معلوم کیا پُر درد کیسی ہے صدا میری

کسی کا نام لو۔ آخر یہ خنجر کیوں سنبھالا ہے
قضا آئی ہے دشمن کی کہ آئی ہے قضا میری

دھواں آہوں کا زیرِ آسماں کیوں تھم رہا جاکر
الٰہی کیا ڈبوئے گی زمیں کو یہ گھٹا میری

علاجِ دردِ فرقت حضرتِ عیسیٰ سے مشکل ہے
عیادت کو تم آجاؤ تو ہو جائے دوا میری

یہاں تو سر نہیں اُٹھتا ہے نادم دیکھکر اُنکو
وہ یہ سمجھے ہیں اسنے بھی اُڑائی ہے حیا میری

اٹھائیں آپ پہلے تیغ پھر ہیں جان دینے سے
چُراؤں جان تو جو چور کی ہو وہ سزا میری

ابھی اخفائے رازِ عشق کی تاکید تھی مجھکو
ابھی دشمن سے ہوتی ہے شکایت برملا میری

کسی کے عشق و اُلفت میں یہ کیسا رنج پھیلا ہے
کہ دل بھی مجھ سے ناخوش جان بھی مجھ سے خفا میری

دعائیں کیوں نہ دوں میں قتل ہو کر تیغِ قاتل کو
یہ کام آئی ہے میرے۔ ہے یہی حاجت روا میری

اُٹھا تلوار بھی۔ مجھ نیم جاں میں جان ہی کیا ہے
بہانہ ڈھونڈتی ہے اب تو اے قاتل قضا میری

کوئی پتھر کا دل تو اپنے پہلو میں نہیں رکھتا
تڑپ اُٹھتا ہے سُن سُن کر جو سُنتا ہے بکا میری

یہ اک پُرسانِ حالِ ہجر ہے اسکو خدا رکھے
خبر لیتی ہے اُس کوچے سے آ آکر صبا میری

کوئی سنکر یہ انکی گفتگو کیوں کر نہ مرجائے
ادا سے دیکھکر کہتے ہیں وہ۔ دیکھی ادا میری!

کہاں ہے اے اجل مجھ سے تو یہ دیکھا نجائیگا
کہ دیکھے آسماں کا مُنہ شبِ فرقت دعا میری

وہ میرا دل تو کیا لیتے ہیں میری جان لیتے ہیں
کہ جبتک دل ہے پہلو میں جبھی تک ہے بقا میری

عدو بھی پھر اُٹھ اُٹھ کر مجھے تعظیم دیتے ہیں،
بندھی ہے آجکل یہ اُسکی محفل میں ہوا میری،

یوں ختم حسن و عشق کی تکرار ہو گئی
اُنکے ہمارے بیچ میں تلوار ہو گئی

میری دعا جو ہجر میں بیکار ہو گئی
ایسی چلی کہ آہِ شرر بار ہو گئی

یہ کہہ کے جلد وہ مرے آگے سے ہٹ گئے
پوری تمہاری حسرتِ دیدار ہو گئی

اک بار بھی نہ آئی قیامت ہمارے گھر
لیکن تری گلی میں وہ سو بار ہو گئی

اُسکی نگاہ سے نہ لڑی بیخودی میں آنکھ
بیہوش میں ہوا تو یہ ہشیار ہو گئی

ہر روز کوئی رنج ہے ہر وقت کوئی غم
اُلفت ہماری جان کا آزار ہو گئی

میری نگاہِ شوق نے سوراخ کر دیئے
چھلنی تمام آپ کی دیوار ہو گئی

اب تو قمارِ عشق میں دل کو لگا دیا
یا جیت ہو گئی مری یا ہار ہو گئی

یہ کیا غضب ہے دل سے ابھی دل نہیں ملا
تیری نگاہ لڑنے کو تیّار ہو گئی

ہوتا نہیں کبھی مری فریاد کا اثر
یہ تیری بات ناصحِ غمخوار ہو گئی

اے مہرؔ اب فغاں سے محبت میں فائدہ
ہونی جو کچھ تھی وہ تو مرے یار ہو گئی

مجھکو کیا خیر ہوئی یا نہ ہوئی جانوں کی
رہ گئی بات تو قاتل ترے پیکانوں کی

دل کے چرچے تو حسینوں میں شب و روز رہے
بات پوچھی نہ کسی نے مرے ارمانوں کی

جان پر کھیل کر اُس بزم میں جانا ہوگا
ہر نگہ تیغ سے بڑھکر ہے نگہبانوں کی

سر مرا جھک کے غمِ ہجر میں جب اُٹھتا ہے
یاد آتی ہے مجھے وصل کے احسانوں کی

جوشِ وحشت سے نشانِ در و دیوار کہاں
خاک اُڑتی ہے مرے گھر میں بیابانوں کی

اور پھر کون رہے اسمیں جو ارماں نہ رہیں
خانۂ دل تو ہے منزل انھیں مہمانوں کی

آئینے کو دلِ عشّاق سے نسبت کیا ہے
تم نے دیکھی نہیں صورت ابھی حیرانوں کی

دشت پر ہی نہیں موقوف تماشائے جنوں
سیرِ گلشن میں بھی ہر چاک گریبانوں کی

وعدۂ مہر و وفا روز کہاں تک ہونگے
کوئی حد بھی ہے ستمگر ترے پیمانوں کی

ہم ترے پاس تصوّر میں بھی آسکتے ہیں
روک لیں ہمکو یہ طاقت نہیں دربانوں کی

دل کے دو حرف بھی تو جمع نہیں ایک جگہ
اُف پریشانیٔ دل تیرے پریشانوں کی

میں کدھر سے تجھے ہشیار سمجھ لوں ناصح
تیری جو بات ہے وہ بات ہے نادانوں کی

دیکھیں صورت تری کیونکر۔ ترا شکوہ کر کے
آنکھیں اُٹھتیں نہیں محشر میں پشیمانوں کی

اُس نے کب تم پہ دھرے ظلم و جفا کے الزام
مہرؔ پر کس لئے بوچھاڑ ہے بہتانوں کی؟

جیسی صورت تری حسین دیکھی
تو بتا۔ تو نے بھی کہیں دیکھی؟

دلِ شیدا جہاں نہ ہو پیدا
کوئی ایسی بھی سرزمیں دیکھی؟

بات جو دیکھنی ہے اُلفت میں
سچ تو یہ ہے۔ کہیں نہیں دیکھی

فتنے اُٹھتے ہیں اُنکے کوُچے سے
اِس قیامت کی بھی زمیں دیکھی!

واہ رے صبر۔ اُف رے ضبط مرا
اُنکے لب پر بھی آفریں دیکھی

خوش نہو دل۔ یہ ہے نگاہِ کرم
ابھی چیں جبیں ہنسیں دیکھی!

جو کہی توُ نے چبھ گئی دل میں
تیری ہر بات دلنشیں دیکھی

کب شبِ غم ہمارے نالوں سے
آسماں نے زمیں نہیں دیکھی

اُف۔ وہ کافر نگاہِ سحر آگیں
نازنیں ناز آفریں دیکھی

تمھیں کہہ دو کہ دل سی شے تم کو
کہیں آئی نظر؟ کہیں دیکھی!

صاف ہے دل ترا۔ کسے معلوُم
بات میں تو چُناں چُنیں دیکھی

آئینہ دیکھ کر وہ کہتے ہیں
"ایسی صورت کہیں نہیں دیکھی!"

ماہ نے جب وہ ماہوش دیکھا
اپنی چمکی ہوئی جبیں دیکھی

دل دکھا کر اُنھیں کہا میں نے
اب بھی دل کی لگی نہیں دیکھی!

کیا تصور ہے۔ ہم نے وہ صورت
دُور رہ کر بھی تو قریں دیکھی

حسرتِ دل نے گھر بنانے کو
میرے سینے ہی میں زمیں دیکھی

قہر کی سی وفا زمانے میں
نہیں دیکھی کہیں نہیں دیکھی

قضا ہی جب نہیں قسمت میں تو شفا کیسی
مجھے وہ زہر بھی دیتے نہیں دوا کیسی

جھکی ہے اُٹھ کے تری چشمِ فتنہ زا کیسی
جو شوخیوں ہی کی ٹھہری تو پھر حیا کیسی

ملے نگاہ کے ملتے ہی آپ دُشمن سے
طبیعت آپ کی ہے زود آشنا کیسی

جو دلرُبا تھے اُنھیں بھی خیالِ دل نہ رہا
بدل گئی ہے زمانے کی اب ہوا کیسی

تری زباں تو خوشامد سے آشنا ہی نہیں
یہ دُور یار رقیبوں کی التجا کیسی

بتوں کے رعب نے یوں چُپ بتادیا ہمکو
زبان ہی نہ کھُلی۔ عرضِ مدعا کیسی

نہ اب ستم ہے۔ نہ اب جور ہے۔ نہ اب ہے جفا
یہ کیا ستم ہے۔ یہ کیا جور۔ یہ جفا کیسی

جو ہے علاج ہی کرنا۔ تو کر علاج اپنا
مریضِ عشق کی اے چارہ گر دوا کیسی

مزاج پوچھنے کا یہ نیا طریقہ ہے
ستم کے بعد جُھکا مجھ سے آسماں کیسا
دکھا کے آنکھیں مجھے کوئی یہ دکھاتا ہے
لیا ہے جُرمِ محبت کا اپنے سر الزام

وہ کہہ رہے ہیں کہ ہے آپکی بَلا کیسی!
رسا ہوئی مری اب آہِ نارسا کیسی!
کہ اپنے جھانکتے ہی ہے تجھے قضا کیسی
یہ کر کے میں نے خطا اور کی خطا کیسی

جو کچھ لگاؤ ہو تجھکو تو قہر یہ ہے بجا
بُتوں سے لاگ مگر بندۂ خدا کیسی

جب کھُلی آنکھ نظر رنج کی صورت آئی
تیرے کُشتوں کو دمِ ذبح وہ لذّت آئی
دوارِ حشر کی بھی اُسپہ طبیعت آئی
وہ جو پہونچے تو اُٹھا حشر میں ہر سمت یہ غل
حسرتِ قتل کا مقتل میں نکلنا کیسا
یہ مرے بس کی نہیں۔ یہ مرے قابو کی نہیں
محفلِ عیش میں بھی مُنھ کو کلیجا آیا
اُٹھّیں وہ اُٹھّیں۔ وہ پھر شوخ نگاہیں اُٹھّیں
میں نے آنکھوں میں جو کاٹی تھی کبھی ہجر کی شب
جسکو دیکھا اُسے اپنوں ہی پہ مرتے دیکھا
دل میں جبتک ہے فغاں خیز جبھی تک سمجھو

صُبح ہوتے ہی بَلائے شبِ فرقت آئی
"ہم نہ کیوں مر گئے" یہ خضر کو حسرت آئی
لو۔ یہ اک اور قیامت میں قیامت آئی
گئی۔ اب جان گئی۔ آئی۔ اب آفت آئی"
دم ہی خنجر میں نہ تھا جب مری نوبت آئی
پھر گئی پھر گئی۔ جب آئی طبیعت آئی
یا جب کوئی مجھے اپنی مُصیبت آئی
آئی۔ وہ آئی۔ وہ آنکھوں میں شرارت آئی
اُونگ پر اُونگ مجھے صبحِ قیامت آئی
تیری آئی بھی۔ تو غیروں پہ طبیعت آئی
لب پہ جس وقت یہ آئی۔ تو قیامت آئی

آگرا اے قہر وہ جب اڑ گئے دل لینے پر
کام پھر کوئی نہ منّت نہ سماجت آئی

ابھی کم سن ہیں اُنھیں کچھ نہیں اُلفت دل کی
وہ عداوت سے چھُپاتے ہیں محبت دل کی
جلوہ گر میں بھی وہ جلوہ نظر آیا نہ مجھے
اِسکے گاہک ہیں بہت۔ آپ نہیں ہیں۔ تو نہوں

وہ بھی دن آئیں گے جب ہوگی ضرورت دل کی
دل میں رہ کے بھی ہوتی ہے شکایت دل کی
سامنے میرے کھڑی ہو گئی حسرت دل کی
بیچڈالوں گا جو مل جائے گی قیمت دل کی

دفعتہً چونک اُٹھے چونک کے بیتاب ہوئے
اسکو پابندِ ادا رکھ۔ کہ گرفتارِ بلا
یہ نہ پوچھو کہ شبِ ہجر گزاری کیونکر
کھُب گیا تیری نظر میں تو مقدر دل کا
باغ میں غنچہ و گُل کو وہ مَسل دیتے ہیں
لاکھ تدبیر کروں۔ لاکھ چھپاؤں لیکن
ہو گیا دم کی طرح اس کا نکلنا مشکل
آپ کیا جانیں اُسے۔ آپ کو معلوم نہیں

خواب میں کیا نظر آئی انھیں صورت دل کی
ابتواے زلف ترے ہاتھ ہے عزت دل کی
اِک مُصیبت سہی مُصیبت تھی مُصیبت دل کی
نہ سمایا تری آنکھوں میں تو قسمت دل کی
ملتی جُلتی ہو جو کچھ اُنسے شباہت دل کی
نہیں چھُپتی نہیں چھُپتی کبھی اُلفت دل کی
جُزوِ دل نکلے رہی دل ہی میں حسرت دل کی
دیکھنے والوں نے دیکھی جو اذیت دل کی

تاک میں تھی نگہِ شوخ کسی کی اے مہر
اپنے پہلو میں خبر لیجئے حضرت دل کی

مہربانی بھی مرے حق میں عداوت ہو گی
کم نگاہی کی تری خاک شکایت ہو گی
تیسری کیا شبِ غم شغل کی صورت ہو گی
رنج کے بعد مجھے کون سی راحت ہو گی
خیر سے اپنی خبر بھی نہیں تجکو ظالم
میں خریدار بنوں جان سے تیرا کیونکر
گُل مجھے دیکھکے پھاڑیں گے گریباں اپنا
حسن بخشا نہیں بیکار بتوں کو زاہد
کوہ پر ہو کہ چمن میں وہ مرا دل ہو گا
تم سے ہو گی کہ وہاں مجھسے ستم کی پرسش
رو دیئے دیکھ کے ناصح بھی مرا حالِ زبُوں
مجکو رکھتے گا وہاں میرا تصور ہر دم
مہرباں جور کا انجام پشیمانی ہے

وہ عنایت نہ کریں گے تو عنایت ہو گی
جب مجھے چشمِ تغافل بھی غنیمت ہو گی
نالہ کر لیں گے جو فریاد سے فرصت ہو گی
اب جو قسمت ہے وُہی جبر کی قسمت ہو گی
اور کیا اس سے زیادہ تری غفلت ہو گی
یہ فقط اِک نگہِ ناز کی قیمت ہو گی
میری وحشت بھی نئے رنگ کی وحشت ہو گی
کچھ نہ کچھ اسمیں بھی اللہ کی حکمت ہو گی
جس گلی میں بھی نرالے مجبت ہو گی
کس پہ گزرے گی قیامت جو قیامت ہو گی!
میں تو سمجھا تھا کہ کچھ مجکو نصیحت ہو گی
مجھ سے خالی نہ کبھی آپ کی خلوت ہو گی
دیکھنا آپ کو آخر میں ندامت ہو گی

پھر تو دل میں تجھے دیکھ لیا کرتے ہیں
جسکو ہوگی ترے دیدار کی حسرت ہوگی

اب ایسے میں تو لوٹ سے خبر مجھ زار و مضطر کی
کہ دم آیا لبوں پر۔ جان ہے مہمان دم بھر کی

بناؤں کیا کسی کے دل میں گھر صورت بھی ہو گھر کی
ٹھہرنے ہی نہیں دیتی کہیں گردش مقدّر کی

غضب ڈھایا یہ ظرف اور میری چشم پرنم نے
مراد امن تو تری تھا۔ تری بھی آستیں تر کی

سیاہی سب سمٹ کر آگئی میرے مقدر میں
انھیں بھی کچھ خبر ہے۔ بس خبر زلفِ معنبر کی

ہماری حسرتیں مجلس نشیں ہم کیا تری واعظ
یہاں ہنگامہ برپا ہے پڑی ہے تجکو محشر کی

اڑائی دولتِ غم دل نے روزِ ہجر سے پہلے
جو باقی رہگئی تھی۔ اب وہ کھائی کر برابر کی

پلائی ہو اگر ساقی۔ تو خم کا خم پلا ہمکو
ہماری پیاس بھی ہو کیا کوئی دو چار ساغر کی؟

زمانے بھر میں کیوں ہوتی ہیں حسن و عشق کی باتیں
مرے گھر ہوں ترے گھر کی۔ ترے گھر ہوں مرے گھر کی

وہ کہتے ہیں ہمارے قد سے نسبت کیا قیامت کو
نہ وہ اسکے برابر ہے۔ نہ وہ اسکے برابر کی

ہزاروں سجدہ کرتے ہیں۔ ہزاروں چوم لیتے ہیں
ترا دل رہ گیا اسکو۔ یہ ہے تقدیر پتھر کی

وہ تیر ناز چھوڑیں میرے دل پر۔ دل کرے آہیں
مزا ہو۔ یوں چلیں چوٹیں برابر سے۔ برابر کی

صبا نے انکے رخ سے زلف سرکائی بہت لیکن
نہیں سرکی نہیں سرکی نہیں سرکی نہیں سرکی

دمِ بسمل نہیں اک میں ہی محوِ جلوۂ قاتل
غضب دیکھو کہ مڑ کر دیکھتی ہے دھار خنجر کی

نہ دیکھا پھر سا بھی تیز رو راہِ محبت میں
فلک ہے ایک گردش کا۔ نہیں ہے ایک چکر کی

لوٹ کر نوک نہ اس تیر نظر کی نکلی
نہ نکلنی تھی۔ نہ یہ پھانس جگر کی نکلی

تھی بہت مجکو دعائے شبِ غم سے امید
وہ بھی تقدیر سے محتاج اثر کی نکلی

خنجرِ ناز سے دونوں کا ہوا کام تمام
آرزو دل کی۔ تمنا بھی جگر کی نکلی

زلفِ پیچاں پہ مجھے وہم تھا دل لینے کا
اور چوری تری دزدیدہ نظر کی نکلی

میں سمجھتا تھا شبِ وصل رہے گی برسوں
یہ تو مہمان فقط چار پہر کی نکلی

سب لہو چوس لیا کیا ترے پیکانوں نے؟
بوند جگر میں نہ ذرا خونِ جگر کی نکلی

وصل کی شب مری قسمت کا ستارہ چمکا
وہ یہ سمجھے کہ سفیدی یہ سحر کی نکلی

شوقِ دل لے تو گیا ہمکو کسی کے گھر تک
کوئی صورت نہ وہاں اپنے گزر کی نکلی

کچھ تو دنیا میں رہا حسن کا جلوہ کمیاب
کچھ کمی دیکھنے والوں کی نظر کی نکلی

یوں تو سو بار ہلی یہ بھی ہوا سے لیکن
شاخِ گل میں نہ لچک تیری کمر کی نکلی

ہم نے جنت میں بھی زاہد اسے دیکھا بھالا
حور کی آنکھ نہ نکلی جو بشر کی نکلی

اُنکے کوچے کی صبا اُن سے سوا نازک ہے
شام کو گھر مرے آئی ہے سحر کی نکلی

دل ہمارا جو نہ بسمل ہوا۔ تو کچھ نہ ہوا
کیا ادا اس میں تری تیغِ نظر کی نکلی

رنج و راحت کا لیا جائزہ جب اُلفت میں
غم مرے گھر کا۔ خوشی آپ کے گھر کی نکلی

مہر طوفاں تو شبِ ہجر اُٹھائے اس نے
پھر بھی حسرت نہ مرے دیدۂ تر کی نکلی

ہجر میں جب یاد آتی ہے گھٹا برسات کی
آہِ دل اُٹھ کر دکھاتی ہے گھٹا برسات کی

اِس طرف میں ہوں جدائی میں کسی کی اشکبار
اُس طرف آنسو بہاتی ہے گھٹا برسات کی

ساقیِ مہوش نہیں تو لطف کیا برسات کا
اُٹھکے زحمت کیوں اُٹھاتی ہے گھٹا برسات کی

چالِ مستانہ کسی کی یاد آتی ہے مجھے
جھوم کر جس وقت آتی ہے گھٹا برسات کی

آپ ہی جلتا ہوں میں سوزِ فراقِ یار میں
مجکو آکر کیوں جلاتی ہے گھٹا برسات کی

اِسکو کیا دیکھوں کہ اُس زلفِ سیہ کے سامنے
کب نگاہوں میں سماتی ہے گھٹا برسات کی

عاشقِ مہجور مر مٹتے ہیں اسکو دیکھ کر
موت آتی ہے کہ آتی ہے گھٹا برسات کی

میرے سینے میں بھی ہو جاتے ہیں زخمِ دل ہرے
رنگ جب اپنا جماتی ہے گھٹا برسات کی

طالعِ خفتہ مرا بیدار ہو ممکن نہیں
ورنہ سوتوں کو جگاتی ہے گھٹا برسات کی

خار سے میری نظر میں کم نہیں بے وصلِ یار
گو بہار اپنی دکھاتی ہے گھٹا برسات کی

دیدۂ تر کے مقابل آئے تو معلوم ہو
کس طرح دریا بہاتی ہے گھٹا برسات کی

تازہ کرتی ہے مرے داغِ جنوں اِسکی بہار
مجکو دیوانہ بناتی ہے گھٹا برسات کی

مہر ساون میں دلا کر یاد وہ برقِ نگاہ
بجلیاں دل پر گراتی ہو گھٹا برسات کی

خیال ہی سے ترے عرضِ آرزو کرنی
کسی طرح تو ہیں تجھ سے گفتگو کرنی

یہ تم کو کس نے سکھائی ہے گفتگو کرنی
کہ آ گئی ہیں ہر وقت تم سے تو کرنی

جو آؤں آپ میں تو ہیں کروں کسی کی تلاش
مجھے ابھی تو ہے اپنی ہی جستجو کرنی

یہ آرزو ہے فقط ۔ اور آرزو کیا ہے
تجھے بھی آئے یونہیں میری آرزو کرنی

ہوگی پاسِ وفا سے محال کیوں مجکو
شکایت اُنکی خدا کے بھی روبرو کرنی

جگر کا چاک تو کیا بخیہ گر رفو ہوگا
کہ تجکو آتی نہیں جیب بھی رفو کرنی

بلا سے تو جو نہیں مانتا ۔ نہ مان اے دل
وہی کر اب جو تجھے ہو ۔ مرے عدو کرنی

چھپائے غیر محبت چھپا نہیں سکتا
کہ ہے اُسے تو یہ مشہور چار سو کرنی

پھر آرزو کے نکلنے کی کونسی اُمید
جب آرزو کی بھی ہو مجکو آرزو کرنی

تجھے جو قہر سے ترکِ وفا کا شکوہ ہے
تجھے بھی یاد ہے پھر اپنی کینہ جو کرنی

بدلو قدم قدم یہ روش تم نہ چال کی
مٹی خراب ہو گی کسی پائمال کی

اللہ رے بیخودی دلِ آشفتہ حال کی
تدبیر پوچھتا ہوں عدو سے وصال کی

اُلفت میں سوجھتی نہیں مجکو تو حال کی
تجکو پڑی ہے ناصحِ ناداں مآل کی

مرنا پڑا ہے فکرِ ملاقات میں مجھے
دو جہ وصال ہو گئی حسرت وصال کی

جو کچھ دلوں پہ عشق میں گزری نہ پوچھئے
اللہ کو خبر ہے غریبوں کے حال کی

کیا شاد ہو نگے مجکو وہ دل شاد دیکھکر
اُنکو تو ہے خوشی مرے حزن و ملال کی

دیکھا یہ دیکھکر کہ کوئی دیکھتا نہ ہو
کیا بات چشمِ یار تری دیکھ بھال کی

پہلو میں دل کا چین سے رہنا محال ہے
کیونکر رہے گی دل میں تمنا وصال کی

یہ مانتا ہوں مجھ سے وہ برہم ہیں نامہ بر
لیکن ہے کوئی وجہ بھی اُنکے ملال کی؟

طرزِ خرامِ ناز پہ وہ بھی نثار ہیں
مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں روش اپنی چال کی

پھر شرمگیں نگاہ سے دیکھو مری طرف
تمکو قسم ہے اپنے ہی حسن و جمال کی

آنکھیں اُٹھا کے دیکھوں تو آنکھیں نکال لئے
بیوجہ مجھپہ آپ نے کیوں آنکھ لال کی

طرزِ نگاہِ یار سے پہچانتے ہیں ہم — یہ آنکھ شرم کی ہے - یہ ہے انفعال کی
نکلے جو آہ بھی تو بگڑ کر وہ یہ کہیں — "پھر تم نے مجھ سے چھیڑ کی پھر تم نے چال کی"!

چُٹکی میں دل کو مَل کے کہا اُس نے قہر سے
آباد اِس میں کیوں رہے حسرت وصال کی

جو وہ ہم سے محبت ہی جتا کر کھیلتے ہولی — تو آنکھوں سے لہو کیوں ہم بہا کر کھیلتے ہولی
جُدا رہ کر ہی کیوں ہم آج ہولی کی طرح جلتے — اگر ہمکو وہ اپنے گھر بُلا کر کھیلتے ہولی
جو ہوتا وصل ہولی میں - جو ملتا کوئی ہولی میں — تو قصّہ ہم جُدائی کا سُنا کر کھیلتے ہولی
گُلال اُسکو بھی ہولی کا سمجھتے اُنکے دیوانے — اگر وہ خاک ہی اُن پر اُڑا کر کھیلتے ہولی
یہ ہولی کا زمانہ ہے نہ چلتی اُنکی کچھ اِس میں — وہ ہم سے رُوٹھتے تو ہم منا کر کھیلتے ہولی
جو ہولی کھیلتا ہے کوئی تو یہ دل میں آتی ہے — کسی سے ہم بھی اپنا دل ملا کر کھیلتے ہولی
نکل جاتی مری دیدار کی حسرت بھی ہولی میں — اگر وہ چاند سا چہرہ دکھا کر کھیلتے ہولی
اگر تمکو حیا آتی تھی آنے میں کھُلے بندوں — تو دل میں چھُپ کر آنکھوں میں سما کر کھیلتے ہولی
جنھیں دل توڑنا بھی قمقمے سا توڑ دینا ہے — وہ ہم سے کیوں ہمارا دل بڑھا کر کھیلتے ہولی

نہ پینا بھی تمھارا قہر ہولی میں نہیں اچھا
اگر پیتے - تو اُن سے پی پلا کر کھیلتے ہولی

یہ دل ہے ! - تو وفا کس دل سے ہوگی — جفا بھی آپ سے مشکل سے ہوگی
رواں وہ تیغ پھر مشکل سے ہوگی — جو بسمل حسرتِ بسمل سے ہوگی
دلِ بسمل کہیں گے حال تیرا — اگر کچھ گفتگو قاتل سے ہوگی
بڑی مشکل سے وہ ہم سے کھُلیں گے — یہ مشکل حل بڑی مشکل سے ہوگی
تمھیں سوچو کسی کے دل کو کیونکر — تسلّی وعدۂ باطل سے ہوگی
کرے کیا کوئی جنت کی تمنا — وہ کب اچھی تری محفل سے ہوگی
گلہ مجھ ناتواں سے خاک ہوگا — فغاں بھی ضعف میں مشکل سے ہوگی
مرا دل لے کے کوئی پوچھتا ہے — طلب اِس دل کی اب کس دل سے ہوگی

رہے گی جان جبتک میرے دل میں
جو پوری ہوگی میری کوئی حسرت

جفا پر بھی وفا قاتل سے ہوگی
بڑی دقت - بڑی مشکل سے ہوگی

دکھایا مہر نے دل - تو وہ بولے
اجی - توبہ! وفا اِس دل سے ہوگی!

پڑا ہے وار اوچھا پھر بھی یہ صورت ہے بسمل کی
تڑپ کر لے رہا ہے وہ بلائیں دستِ قاتل کی

مجھے تصدیق ہو کیونکر تمھارے عہدِ باطل کی
نکالی ہے کبھی تم نے تمنا بھی مرے دل کی

جو آسانی نظر آئی کچھ اُس کو میری مشکل کی
وہیں گردن پہ فوراً گر گئی تلوار قاتل کی

یہ مانا غرق دریائے غمِ اُلفت ہوں میں لیکن
لگی رہتی ہے میرے دم قدم سے خاک ساحل کی

جو اپنی شکل دیکھی تھی تو یہ بھی دیکھ لینا تھا
کہ آئینے میں کیا صورت ہوئی مدِ مقابل کی

نکالو تم اگر تو کیا نکلنا اِس کا مشکل ہے
تمنا میں تمنا ہے تمنا بھی کوئی دل کی

خدا جانے اثر کیا تھا نگاہِ یاسِ بسمل میں
بڑھی - بڑھکر چلی - چل کر رُکی تلوار قاتل کی

مُقابل ہوکے تابِ رُخ سے ڈالے داغ چہرے پر
تری صورت نے کیا صورت بگاڑی ماہِ کامل کی

یہ آتے آتے آئے گی - یہ آتے آتے آتی ہے
نہیں ہے آپ کو پہچان ابھی اچھے بُرے دل کی

پڑیگا سابقہ اُس روز کتنے دادخواہوں سے
کہیں محشر میں نیچی ہوں نہ آنکھیں میرے قاتل کی

بتاؤ کون ہے کس نے تمھیں میری طرح چاہا؟
وہ کس نے بات حاصل کی؟ جو میں نے بات حاصل کی

شبِ غم جان دیکر بھی - نہ چھُٹکارا مِلا غم سے
بڑھی اک اور یہ حسرت کہ دل میں رہ گئی دل کی

اِسی کو دیکھ کر بہلائے گا دل قبر میں مجنوں
کوئی رکھدے کفن میں کھینچکر تصویر محمل کی

یہی گردش اگر قایم ہے دُنیائے محبت میں
رہے گی آسماں بنکر زمیں بھی کوئے قاتل کی

سوالِ وصل پر جھنجلا کر اُس نے کہدیا مجھسے
کبھی پوری نہ ہوگی یہ تمنا آپ کے دل کی

پہونچنا قبر تک مشکل تھا مجکو تو - مگر قاتل
ترے خنجر نے کی ہے راہ آساں پہلی منزل کی

جگہ دیتا ہے کوئی یوں نظر میں شرم و شوخی کو
کبھی یہ اُس میں داخل کی کبھی وہ اُس میں شامل کی

جہاں ہو مہر غیروں پر وہاں ہم مہر کیوں جائیں
جسے ہوگی اُسے ہوگی تمنا ایسی محفل کی

یونہیں جو مری شورشِ فریاد رہے گی
تم بھول کے بھی مجکو نہ بھولو گے۔ بجا ہے
دُنیا نہ مٹے گی یا اسے ہم مان لیں کیونکر
سرکاٹ کے قاتل نے یہ احسان جتایا
کیا غم ہے جو نالوں سے فلک ٹوٹ پڑیگا
تم قتل مجھے کرکے بہت یاد کروگے
کھنچ جائے گی شوخی بھی کسی شوخ کی جس میں
تنہا نہ لڑیں گی سرِ محفل وہ نگاہیں
وہ کہتے ہیں محشر میں اسے کون سُنے گا
تم حشر میں سُنتا اسے اللہ کے آگے

آگے ترے اگر تری بیداد رہے گی
کچھ یاد رہی ہے مری! کچھ یاد رہے گی!!
کیا وہ تری محفل ہے جو آباد رہے گی
اب جان تری رنج سے آزاد رہے گی
مشہور تو دُنیا میں یہ افتاد رہے گی
جب میں نہ رہونگا تو مری یاد رہے گی
کاغذ پہ وہ تصویر نہ بہزاد رہے گی
کچھ ناز کی۔ انداز کی امداد رہے گی
تجکو ہی مبارک تری فریاد رہے گی
دلچسپ نہایت مری رُوداد رہے گی

لو۔ مہر کو اپنی بھی نہیں جان کی پروا
یہ شاد رہے گی۔ کہ یہ ناشاد رہے گی

نہ سہی لطف و عنایت ستم و جور سہی
وعدۂ قتل کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے
خوگرِ غم کے لئے غم ہی کی تخصیص نہیں
شاد و ناشاد اُٹھایا کئے غم دل۔ دردِ فراق
ماجرائے غمِ فرقت پہ وہ فرماتے ہیں
تمکو آتا جو نہیں لطف و عنایت میں مزا
لے دغا کرنے کی اب ہم بھی قسم کھاتے ہیں

اور جو یہ بھی نہو تم سے۔ تو کچھ اور سہی
جان لینی ہے۔ تو لے لو۔ ابھی فی الفور سہی
کوئی آزار سہی۔ رنج سہی۔ جور سہی
جو پڑی مجھپہ مصیبت وہ بہر طور سہی
سُن چکے ہم یہ کہانی۔ کوئی اب اور سہی
پھر وہی ظلم سہی مجھپہ۔ وہی جور سہی
جو ترا ڈھنگ ہے۔ اپنا بھی وہی طور سہی

مہر موجود ہے سو دل سے اُٹھانے کے لئے
روز اک تازہ ستم۔ روز نیا جور سہی

یوں بھی پردے سے جھلک تم سے دکھائی نہ گئی
اور تو آپ کی رفتار سے تھی کیا اُمید

آتشِ حسن سے آگ اُسکو لگائی نہ گئی
میرے کوچے میں قیامت بھی اُٹھائی نہ گئی

مجھکو کیا نفع ہوا روزِ جزا سے یا رب
میرا جھگڑا نہ چکا - اُن کی لڑائی نہ گئی

کچھ کہا میں نے تو بَل تم نے جبیں پر ڈالے
ناک بھوں غیر کی باتوں پہ چڑھائی نہ گئی

کہیں معشوق کو عاشق بھی سزا دیتے ہیں
شمع محفل میں پتنگوں سے بجھائی نہ گئی

کوئی نالہ نہ کیا۔ کی یہ بھلائی میں نے
پھر بھی اے چرخ ترے دل سے بُرائی نہ گئی

میری تُربت پہ تو آکر وہ چڑھاتے چادر
اتنی تکلیف مگر اُن سے اُٹھائی نہ گئی

دل ملا لیتے ہیں کیونکر ترے دل سے دشمن
ہم سے تو آنکھ سے بھی آنکھ ملائی نہ گئی

وہ نہ آتے مری تسکین تو کچھ کر جاتے
اُن سے جھوٹی بھی قسم عہد پہ کھائی نہ گئی

ہم تو دیدیتے اُسے ایک ہی غمزے کی عوض
جنسِ دل آنکنے والے سے چکائی نہ گئی

سوزشِ داغِ محبت نہ مٹی رونے سے
دیدۂ تر سے لگی دل کی بجھائی نہ گئی

یوں تو معشوق ہزاروں نظر آئے ہمکو
تجھ میں جو بات ہے وہ ایک میں پائی نہ گئی

پھر کے آگے اُسے دیتے ہو کیوں جامِ شراب
سنکھیا گھول کے دشمن کو پلائی نہ گئی

ڈھیٹ پھر ڈھیٹ بھی ایسی کہ جب آئی نہ گئی
ٹل کے آگے سے مرے شامِ جدائی نہ گئی

لب پہ حسرت دلِ بیتاب کی لائی نہ گئی
جو سنانی تھی وہی اُن کو سنائی نہ گئی

جو مصیبت دلِ غمدیدہ پہ گزری شبِ غم
اُن سے دیکھی نہ گئی ہم سے دکھائی نہ گئی

جب ہوا سامنا۔ تو ہوش اُڑائے تو نے
کبھی بیکار تری جلوہ نمائی نہ گئی

تم نے محفل میں مرا دل تو چرایا سو بار
آنکھ لیکن کبھی غیروں سے چرائی نہ گئی

کچھ نہ پہونچے تو یہ گر پڑ کے فلک تک پہونچے
نارسائی میں بھی نالوں کی رسائی نہ گئی

ہجر میں گرم تھی کیا موت کے آنے کی خبر
میں تو سمجھا کہ اب آئی - مگر آئی نہ گئی

قتل ہونے کے لئے ہم تو مرے بیٹھے تھے
قتل پر آپ سے تلوار اُٹھائی نہ گئی

آنکھ لگتی ہے تو کیا نیند بھی اُڑجاتی ہے
آنکھ جس دن سے لگی۔ آنکھ لگائی نہ گئی

لے گئی دل کو اُڑا کر کسی ظالم کی نگاہ
ہم سے دو روز بھی خیر اپنی منائی نہ گئی

ہوکے برباد بھی ہم وضع کے پابند رہے
اُڑ گئی خاک۔ مگر خاک اُڑائی نہ گئی

ہوش لاکھوں کے اُڑے۔ پھر وہی جلوہ ہے ترا
ہوش کے ساتھ کبھی ہوش ربائی نہ گئی

یوں تو ہیں قہر بڑے بات بنانے والے
جب وہ بگڑا تو کوئی بات بنائی نہ گئی

عیش میں بھی دلِ مغموم کا عالم ہے وہی
وصل کا دن ہے۔ مگر رنجِ شبِ غم ہے وہی

ناتواں وہ ہوں کہ جینا بھی ہے دشوار مجھے
اور مرنے کے لئے دل ہے وہی دم ہے وہی

جو ترے درد سے بھر آئے۔ جو ہو درد بھرا
دلِ پُر غم ہے وہی - دیدۂ پُر نم ہے وہی

رنج کے بعد زمانے کو خوشی ہوتی ہے
مجکو ابتک دلِ مرحوم کا ماتم ہے وہی

سیکڑوں قتل کیے اِس نے ہزاروں بسمل
پھر بھی قاتل تری تلوار کا دم خم ہے وہی

خُلد کیونکر نہ کہوں کوئے بُتاں کو واعظ
آدمی جس میں نہ ہو جنّت آدم ہے وہی

باوفا ایک ہزاروں میں ہُوا کرتا ہے
آپ کو جسکی ضرورت ہے سوا کم ہے وہی

چارہ گر دردِ محبت نہ مٹے گا ہرگز
نام ہے جس کا دوا حق میں مرے سم ہے وہی

عمر بھر جس کو کلیجے سے لگائے رکھوں،
جو مرے دل سے جُدا ہو نہ کبھی غم ہے وہی

اپنا ایمان تو اے حضرتِ زاہد یہ ہے
تشنۂ مے جو رہے تشنۂ زمزم ہے وہی

جھوٹ سچ کوئی اُڑا کر مرے مرنے کی خبر
لوگ روتے ہیں۔ تو کہتا ہے یہ ماتم ہے وہی

عیش کے واسطے تخصیص کسی کی کیا ہے
مَے و معشوق میسّر ہو جسے جم ہے وہی

آپ رندوں سے اُلجھ پڑتے ہیں واعظ ناحق
آپ کی بات بھی اے قبلۂ عالم۔ ہے وہی!

کب مِٹا گردشِ افلاک سے ہنسنا۔ رونا
خندۂ گُل ہے وہی۔ گریۂ شبنم ہے وہی

کھُب گئی آنکھوں میں۔ کیا نوک پلک پائی ہے
تیری تصویر میں بھی حسن کا عالم ہے وہی

چارۂ زخمِ محبت کوئی ہو سکتا ہے
وہی تیزاب ہے اِسکے لئے مرہم ہے وہی

قہر سا کوئی نہیں تیرے وفادار و نمیں
دم غنیمت جو کسی کا ہے۔ تو اک دم ہے وہی

اُف۔ وہ عالم کہ ہو مُنھ پھیر کے بیٹھا کوئی
اور کہتا ہو اِدھر اپنی تمنا کوئی

پردہ داری کا پھر اے عشق نتیجہ کوئی
پردے پردے ہی میں ہو جائے جو رسوا کوئی

بزمِ دشمن کا تصور ہے جو تنہائی میں
خلوتِ ناز میں ہے انجمن آرا کوئی

نگہِ شوق کو یہ ہے دمِ نظارہ تلاش
کہ نظر آئے اُسے تم سے بھی اچھا کوئی

یہ تو معلوم نہیں مجکو جنوں ہے۔ کیا ہے
لئے جاتا ہے مگر جانبِ صحرا کوئی

ہے یہ حسرت اسی حسرت میں نکالوں ارماں
دل میں رکھنے کی نکل آئے تمنا کوئی

سارے بازار میں اِک تو ہی نظر آتا ہے
ہوں جو دس بیس تو لے چھانٹ کر اچھا کوئی

ہم تو سمجھیں گے ہوئی عشق کی معراج نصیب
آسماں تک جو پہونچ جائے گا نالا کوئی

یوں سُنوں خسرو و جمشید کے قصّے کیا خاک
سامنے رکھدے مرے ساغر و مینا کوئی

غیر کے واسطے ارمان بھی میں کیوں دیدوں
اپنی دولت کو اُٹھاتا نہیں بیجا کوئی

دیکھنے کو مری آنکھوں نے بہت دیکھا ہے
نہیں دیکھا نہیں دیکھا مگر اُن سا کوئی

موت آجائے الٰہی مرے اِس مرنے کو
دوشِ نازک پر اُٹھاتا ہے جنازا کوئی

گُل جو بلبل کے ہیں۔ تو شمع کے پروانے ہیں
ہے ترا بھی کہ نہیں اے دلِ شیدا کوئی؟

تم سے کہتا جو نہیں کچھ یہ تمھارا منھ ہے
ورنہ کیا منھ میں زباں بھی نہیں رکھتا کوئی

اے فلک دے مجھے آزار زمانے بھر کے
دیکھ رہجائے نہ باقی تری ایذا کوئی

جلوۂ حسن میں کیوں انجمن آرائی ہو
اپنا دیدار دکھائے ہمیں تنہا کوئی

دے کے مجھکو مہر اُسے دل تو تقاضا کیسا
دی ہوئی چیز کو واپس نہیں لیتا کوئی

ردیفِ یائے مجہول

اِن بتوں کا جو مجھے شیوۂ بیداد آئے
یوں اُنھیں میں بھی ستاؤں کہ خدا یاد آئے

اپنے آزارِ گزشتہ جو ہمیں یاد آئے
شاد ہو کر بھی کسی بزم سے ناشاد آئے

ظلم کی اُنکے یہ شہرت ہے جدھر جاتے ہیں
انگلیاں اُٹھتی ہیں۔ وہ بانیٔ بیداد آئے!

جی کے بہلانے کو جنت میں تو جاؤں لیکن
کیا کرونگا جو وہاں بھی مجھے تم یاد آئے

کیوں نہ بے چین ہو دل کیوں نہ ہو بیتاب جگر
آنکھ کے سامنے جب حسنِ خداداد آئے

سخت جانوں سے کبھی چل نہیں سکتی اسکی
ہو جو کچھ دم تو ترا خنجرِ فولاد آئے

وہ یہ کہکر مرے دل کو مرے گھر پھینک گیا
اِس نشانی سے بھی کیوں کوئی مجھے یاد آئے

چاہیئے دل کو ترے ظلم کا اتنا تو خیال
تذکرہ کوئی ہو لب پہ وہی رُوداد آئے

کھو دیا میں نے خدا جانے کہاں دل اپنا
کوئی کچھ یاد دلائے تو مجھے یاد آئے

تھام لینا مجھے اے حضرتِ دل آپ ہیں
یاد جب کوئی رہِ عشق کی اُفتاد آئے

قابلِ رحم ہے وہ خوگرِ آزارِ ستم
نہ فغاں آئے جسے اور نہ فریاد آئے

وہ فغاں کرکے کرے کیوں نہ قیامت برپا
یاد جب قہر کو تجھ سا ستم ایجاد آئے

وہم ہوتا ہے نکلنے کا گماں ہوتا ہے
جو نکلتا ہے وہ ارمان کہاں ہوتا ہے

حالِ فرقت میں ہمارا جو بیاں ہوتا ہے
کب وہاں جا کے وہ قاصد سے بیاں ہوتا ہے

کیوں گراں بار نہو زندہ گنہگار ہے دل
جب گنہگار کا مُردہ بھی گراں ہوتا ہے

بدگماں تیری محبت نے کیا ہے ایسا
دوست پر بھی مجھے دشمن کا گماں ہوتا ہے

دیکھکرِ حُسن کسی کا مری حیرانی سے
جو بیاں ہو نہیں سکتا وہ بیاں ہوتا ہے

نہیں ممکن کہ وہ قاتل ہو مسیحا میرا
آفتِ جاں بھی کہیں راحتِ جاں ہوتا ہے

دلِ ویراں میں وہ اس ڈر سے نہیں آتے ہیں
جو نہ آباد ہو بھاری وہ مکاں ہوتا ہے

تجھ میں کیا دیکھ لیا اسکو کہے کیسا کوئی
کہیں یہ راز زباں سے بھی بیاں ہوتا ہے

قہر کو آپ سمجھتے ہیں جو بندہ اپنا
شکر اس بندہ نوازی کا کہاں ہوتا ہے

شبِ غم میں بھی دیکھوں کیا مری تقدیر پھرتی ہے
دُہائی تو تری اے نالۂ شبگیر پھرتی ہے

پھرے ہمسے جو تیری آنکھ چرخِ پیر پھرتی ہے
اب اپنی آہ سے مل کر کہیں تاثیر پھرتی ہے

یہ ہے کس کام کی اس نے اگر جوہر نکالے ہیں
کبھی میرے گلے پر بھی تری شمشیر پھرتی ہے

رہو خاموش تم ذکرِ عدو پر رہ نہیں سکتے
دہن میں تو تمہارے شوخیِ تقریر پھرتی ہے

دکھائے تو مجھے بہزاد وہ اپنے مُرقع میں
مرے دل میں مری آنکھوں میں جو تصویر پھرتی ہے

محبت میں بھی ہیں اچھے بُرے دن اے دلِ مضطر
کبھی قسمت اُلٹتی ہے کبھی تقدیر پھرتی ہے

بتا اے پند گو۔ میرا کلیجا کیوں نہ چھن جائے
جو تیری بات ہر دل میں بنکر تیر پھرتی ہے

قیامت ہے۔ کوئی دیوانہ جینا ہی نہیں اُنکا
اِدھر وہ مول لیتے ہیں اُدھر زنجیر پھرتی ہے

رہی تھی جیتے جی ظالم اُٹھائی کیا یہی گردش؟
جو میری لاش اب گھر گھر پئے تشہیر پھرتی ہے

کوئی جب ذکر کرتا ہے کسی کی اچھی صورت کا
مری آنکھوں کے آگے آپ کی تصویر پھرتی ہے

کہیں ہے خونِ حسرت کا کہیں ہے خونِ ارماں کا
مزے چکھتی مرے دل میں زبانِ تیر پھرتی ہے

لگا کر تیر تو پھرتا ہے تو پھرنے سے کیا حاصل
کہیں چھپتا دِل اِس سے قسمتِ نخچیر پھرتی ہے

الٰہی آج نالہ کس دلِ مضطر سے نکلے گا
کہ گھبرائی ہوئی زیرِ فلک تاثیر پھرتی ہے

ستم تو دیکھ میرے دل میں اُنکا گھر بنانے کو
ترے تیروں کے شامل حسرتِ تعمیر پھرتی ہے

وہ پلٹیں کس طرح آخر نوشتہ میری قسمت کا
کہیں لکھا بدلتا ہے؟ کہیں تحریر پھرتی ہے؟

ملا رُتبہ رہِ غم میں یہ تیرے خاکساروں کو
قدم لیتی ہوئی ہر گام پر توقیر پھرتی ہے

سرِ محفل اُدھر وہ بار بار آنکھیں بدلتے ہیں
کلیجے پر اِدھر شمشیر پر شمشیر پھرتی ہے

کہوں کیونکر ترے ڈر سے مرے لب تک نہیں آتی
جو کہنی ہے زباں پر ہی دمِ تقریر پھرتی ہے

دمِ رفتار کیوں چلتا ہے تھم کر کوئے دشمن میں
یہ تیرے ساتھ کس کی خاکِ دامن گیر پھرتی ہے

مری تقدیر سیدھی ہو۔ تو کیا تو پھیر لے آنکھیں
ترا دل بھی کبھی پھرتا ہے جب تقدیر پھرتی ہے

یہ آئی ہے کسی جانباز کے پہلو سے کیا پھر کر
صبا تیری گلی میں آج کیوں دلگیر پھرتی ہے؟

مقدر کی کجی کب پھر مٹتی ہے مٹائے سے
کہیں تقدیر بھی اے بندۂ تدبیر پھرتی ہے

کیوں اثر چھپتا ہے میرے نالۂ شبگیر سے
بچکے جائے گا کہاں اِس آسمانی تیر سے

کیا تماشا ہے کہ جذبِ شوق کی تاثیر سے
تیر آملتا ہے اُڑ کر سینۂ نخچیر سے

قہر ہے ابروئے پُرخم۔ ہے غضب سیدھی نگاہ
جان لینی ہے۔ تو لو اِس تیغ سے اِس تیر سے

اپنے سائے پر بھی اُنکو نامہ بر کا وہم ہے،
راہ میں چلتے ہیں وہ بچ بچ کے ہر رہگیر سے

لب بھی ہل سکتے نہیں نظریں بھی اُٹھ سکتیں نہیں
ناتوانی میری ظاہر ہے مری تصویر سے

تذکرہ میرے عدو کا - اور میرے روبرو
اے دلِ بیتاب نالے کر کہ تو فریاد کر
حسنِ روز افزوں نے تجکو کیا سے کیا کچھ کر دیا
دشمنوں کو اور جانبازی کا دعویٰ ہو چنہ خوش
نام لکھوں یا نہ لکھوں خط میں بھی نامہ بر

دل لگی اچھی نہیں یہ عاشقِ دلگیر سے
وہ نہ آئے ہیں نہ آئیں گے کسی تدبیر سے
تیری صورت اب نہیں ملتی تری تصویر سے
جلد دیجئے وہ دم جُدا گر آپ کی شمشیر سے
مجکو وہ پہچان جائیں گے مری تحریر سے

دل ہیں باقی کیوں رہے پھر مہر کوئی آرزو
اُنکا جلوہ ہی نظر آئے اگر تقدیر سے

دلِ بیتاب پہ غصہ تو ہزار آتا ہے
صبر آتا ہے الٰہی نہ قرار آتا ہے
آج سنتے ہیں سنبھالی ہے پھر اُسنے تلوار
نالہ اتنا تو شبِ ہجر رسا ہے میرا
پوچھتا ہے جو کوئی حالِ تپِ غم ہم سے
چاک کرنا فقط آتا ہے گریبانوں کا
کوئی دم بھی مرے قابو میں طبیعت آئے
اس طرح ظلم سے ہوتا ہے پشیماں کوئی
ہر تو حسن ہیں یہ جلوہ گری کا عالم
مرنے والوں کی حقیقت اسے معلوم نہیں

پھر بھی پہلو میں اسے دیکھکے پیار آتا ہے
بیقرار دل کو بھی کچھ آخرکار آتا ہے
کس خطاوار کا اب دیکھئے وار آتا ہے
کہ فلک پہ یہ فرشتوں کو پکار آتا ہے
ٹال دیتے ہیں یہ کہکر کہ بخار آتا ہے
یا تجھے اور بھی کچھ جوشِ بہار آتا ہے
تو یہ جانوں کہ محبت میں قرار آتا ہے
میں تو میں داورِ محشر کو بھی پیار آتا ہے
ہر طرف ہمکو نظر روئے نگار آتا ہے
توسنِ عمر تو منزل پہ اُتار آتا ہے

اور تو مہر کے آنے کا سبب کیا ہوگا
لوٹنے کو تری محفل کی بہار آتا ہے

اب ملاقات بھی نہیں کرتے
خاک ہو اُنسے لطف کی اُمید
اپنے مطلب کے خوبرو سب ہیں
رُخ کو کاکل سے کیوں چھپاتے ہو

ہم سے وہ بات بھی نہیں کرتے
جو مدارات بھی نہیں کرتے
لے کے دل بات بھی نہیں کرتے
دن سے یوں رات بھی نہیں کرتے

حُسن پر ہیں وہ اِس قدر مغرور
سیدھے مُنہ بات بھی نہیں کرتے

کیا وہ دو تین چار دن میں عہد
پانچ۔ چھ۔ سات بھی نہیں کرتے

دُوسرا وار اپنے بسمل پر
وہ سے لگے ہات بھی نہیں کرتے

آپ خوش تو ہمیں کریں گے کیا
رنج کی بات بھی نہیں کرتے

کیا غضب ہے وہ میرے گھر آرام
رات کی رات بھی نہیں کرتے

جو نہیں پُوچھتے ہماری بات
اُن سے ہم بات بھی نہیں کرتے

گالیاں دیتے ہیں وہ دل لے کر
مفت خیرات بھی نہیں کرتے

نہیں رہتے وہ دیدۂ تر میں
گھر کی برسات بھی نہیں کرتے

ابھی نادان ہیں وہ کیا جانیں
چال بھی۔ گھات بھی نہیں کرتے

وقت ہر کام کے لئے ہے مہر
نالے دن رات بھی نہیں کرتے

آہ بھی کر لُوں شبِ غم۔ آہ میں تاثیر ہے
رہ گئی ہے اِک یہی تدبیر پھر تقدیر ہے

پھر چلا کر پُوچھ لینا تیر۔ کیسا تیر ہے
پہلے یہ تو دیکھ زندہ بھی کوئی نخچیر ہے

وہ نہ آئے میری بالیں پر گلہ اسکا نہیں
مجکو تو اپنی قضا سے شکوۂ تاخیر ہے

کچھ کہا قاصد سے۔ کچھ لکھا مرے خط کا جواب
یہ عجب تقریر ہے اُنکی عجب تحریر ہے

خوب تھا بنتی اگر اِنکے لئے اُوپر زمیں
عاشقوں پر جو بلا ہے زیرِ چرخِ پیر ہے

رشک دیکھو اُنسے بہتر ہو اگر اُنکی شبیہہ
وہ اُسے بھی دیکھکر کہدیں یہ کیا تصویر ہے

خاک رکھ چھوڑو دلِ ناکام کی کام آئے گی
خاک کی ہے خاک یہ۔ اِکسیر کی اکسیر ہے

برق کو روکے گی مرغِ آشیاں کی آہ کیا
یہ ہوائی تیر ہے۔ وہ آسمانی تیر ہے

مَن گیا وہ فتنہ گر کیونکر اِسے سچ مان لُوں
نامہ بر جھُوٹا ہے تُو۔ باطل تری تقریر ہے

تیری نظریں ہو گئیں دیوانگی کی چارہ ساز
جو ہے اِنکا تیر وہ میرے لئے زنجیر ہے

نازکی تو راہ میں چلنے نہیں دیتی اُنھیں
وہ سمجھتے ہیں کہ میری خاک دامنگیر ہے

ختم بھی ہو رات تو فرقت میں دل کیا شاد ہو
صبح جس کا نام ہے وہ رنگ کی تغیر ہے

دشمنوں کی جان پر کیونکر گراوٗں آسماں
خاک میں دل کو ملا دیں۔ خاک میں ملجائیں ہم

ہر دعا ہے بے اثر۔ ہر آہ بے تاثیر ہے
اُس سے ملنے کی اگر ہے۔ تو یہی تدبیر ہے

ذرّے ذرّے سے عیاں ہی جلوۂ برقِ جمال
حُسن کی بھی قہرؔ کیا چمکی ہوئی تقدیر ہے

یہ ادا۔ یہہ شان۔ جو چاہے کرے
آپ نکلے یا نکلوائے ہمیں
جان میری آپ لیں یا لے اجل
اُس کے ملنے کا یقیں آتا نہیں
یا جمالِ یار دیکھے۔ آئینہ
وصل کی ہے عشق میں تخصیص کیا
وعدۂ فردا نہیں محشر میں یاد؟
خود رہے دل میں۔ کہ رکھتے دل مرا

قتل کے سامان جو چاہے کرے
وصل کا ارمان جو چاہے کرے
مُجھپہ یہ احسان جو چاہے کرے
عہد یا پیمان جو چاہے کرے
یا رہے حیران جو چاہے کرے
آدمی ارمان جو چاہے کرے
آپکا نسیان جو چاہے کرے
آکے وہ مہمان جو چاہے کرے

قہرؔ اب اِس در سے اُٹھکر جا چکا
آپکا دربان جو چاہے کرے

عدو کو بھی جسے سُنکر مَلال ہوتا ہے،
گلہ بھی عشق میں کرنا محال ہوتا ہے
ہمیں بھی آرزوئے وصل اُنھیں بھی حسرتِ دل
وہ کس لئے نہ جلائیں فراق میں دل کو
نگاہ بد کے لئے یہہ ذرا سی بات نہیں
وہ دل کو مانگتے ہیں مجھ سے عرضِ مطلب پر
سرشکِ سُرخ پہ عشاق ناز کرتے ہیں
ادا سے چلتے ہیں وہ۔ یہہ بھی دیکھتے جائیں
عدو سے مِل کے ملاتے ہیں خاک میں وہ بھی

وہ اب سے دُور برُا اپنا حال ہوتا ہے
ہزار قسم کا دل کو خیال ہوتا ہے
اِدھر اُدھر سے برابر سوال ہوتا ہے
کہ دل ہی میں تو خیالِ وصال ہوتا ہے
نظر گزر کے لئے رُخ پہ خال ہوتا ہے
جواب دینے سے پہلے سوال ہوتا ہے
یہاں تو اپنا پسینا بھی لال ہوتا ہے
کہ کس طرح کوئی اب پائمال ہوتا ہے
کسی کا وصل کسی کا وصال ہوتا ہے

وہ آکے مہر کی بالیں پہ غیر سے بولے
جو ہم پہ مرتے ہیں اُنکا یہہ حال ہوتا ہے

ترے کوچے میں لے کر ٹھیکیاں ہم جا بجا بیٹھے
سَرِ بستر نغاں کے ساتھ جسکو غش پہ غش آئیں
عدُو سے لے کر انگڑائی کہا میرے جلانے کو
خدا جانے اثر کیوں اُنکی صحبت کا نہیں ہوتا
ہمارا دل ہمیں دیدو یہہ اچھی سینہ زوری ہے
یہہ اُٹھنا بیٹھنا ہے کوئی اُٹھنا بیٹھنا اُنکا

ذرا تڑپے۔ ذرا ٹھہرے۔ ذرا اُٹھے۔ ذرا بیٹھے
وہ بیمارِ محبت ضعف سے کیا اُٹھے کیا بیٹھے
ہم اب سونے کو جاتے ہیں جسے ہو بیٹھنا بیٹھے
تری محفل میں جب بیٹھے ہیں اربابِ وفا بیٹھے
کسی کا مال جب مٹھی میں آیا تم دبا بیٹھے
جو اُٹھے تو الگ اُٹھے جو بیٹھے تو جُدا بیٹھے

جنابِ مہر جوشِ عشق میں یہہ کیا تمھیں سوجھی
تغافل سے کسی کے تنگ آکر زہر کھا بیٹھے

جب سُنے نالے دلِ ناکام کے
حالِ دل اُنسے کہا۔ دل تھام کے
ہجر کا دن ہو نہیں چُکتا تمام
آنکھ کیا جھپکے گی اُسکی طور پر
حضرتِ زاہد ہوئے مستِ الست
نامہ بر کے ساتھ میں بھی ہو لیا
مُفت کا سودا وہ کرتے ہی نہیں
چلتے پھرتے غم سے چُھٹکارا ملے
پاس میرے جذبِ دل لایا اُنھیں
دل کو لے کر کیوں جگر پر ہے نگاہ
وصل سے ہونگے کسی کے شادکام

رہ گئے وہ بھی کلیجا تھام کے
یہہ ہوئے دو کام ہم سے کام کے
صبح سے لالے پڑے ہیں شام کے
ہیں نظر میں جسکی جلوے بام کے
گھونٹ پی کر اُسکے جھوٹے جام کے
کیا نرالے ڈھنگ ہیں پیغام کے
دل بھی بدلے میں لیا دُشنام کے
کٹ گئے دن گردشِ ایام کے
نامہ بر طالب ہیں کیوں انعام کے؟
یہہ نکمے ہیں ترے کس کام کے
پھول ہنستے ہیں چراغِ شام کے

مہر کب ہیں مہر پرور مہ جبیں
یہہ تو دشمن ہیں تمھارے نام کے

ابھی تو جلوۂ دیدار ہی کی حسرت ہے
وہ سامنے چلے آئیں تو پھر قیامت ہے

ہماری جان پر آفت ہے یا مصیبت ہے
جو کچھ ہے حضرتِ دل آپکی بدولت ہے

بگڑ کے بیٹھے ہیں وہ کیوں بگڑ کے اُٹھتے ہیں
یہہ پوچھے کون اب اُنسے یہہ کسکی طاقت ہے

بلا سے اُنکی سہے ظلم کوئی یا نہ سہے
کرم کریں وہ اُنھیں اسکی کیا ضرورت ہے

یہہ کیا کہا کہ سوا میرے کس پر آئے گی
کسی پر آئے تمھیں کیا۔ مری طبیعت ہے

مٹے ہوئے کا نشاں اور تو پوچھتے کیا ہو
مٹی مٹی سی یہہ کس کی ہے؟ میری تربت ہے

عدو کے قتل کا بیڑا ابھی اُٹھ نہیں سکتا
یہہ نازکی ہے کوئی۔ یہہ کوئی نزاکت ہے

دل آگیا جو ہمارا بتوں پر اے زاہد
خدا کی شان ہے۔ یہہ بھی خدا کی قدرت ہے

تمھیں نبھاؤ اگر مجھ سے نبھ نہیں سکتی
مجھے نہیں ہے تمھیں تو مری محبت ہے

عدو کو لطف و عنایت کی قدر کیا ہوگی
مجھے تو جور بھی تیرا ہزار نعمت ہے

مرا رقیب تو کوئی نہیں زمانے میں
زمانہ جس پہ فدا ہے وہ کس کی صورت ہے!

کچھ آپ ہی پہ نہیں طرزِ دلبری موقوف
ملیں گے سیکڑوں دلبر جو دل سلامت ہے

دمِ اخیر بھی محوِ خیالِ یار ہیں ہم
نہ آئے موت کہ مرنے کی کسکو فرصت ہے

ستم ہے ترے اِتنا بھی پھر نہیں کوئی
جنابِ مہر کا دنیا میں دم غنیمت ہے

آہ میری نگہ یار کے ٹکڑے کردے
یہہ وہ تلوار ہے تلوار کے ٹکڑے کردے

ہم اسیروں کے بھی حصے میں کچھ آجائے بہار
اے صبا نکہتِ گلزار کے ٹکڑے کردے

نگہِ شوق سے بیٹھیں گے کہاں وہ چھپکر
پردہ کیسا یہہ تو دیوار کے ٹکڑے کردے

آنکھ تم غصے میں نرگس پہ نہ ڈالو۔ دیکھو
کہیں بیمار نہ بیمار کے ٹکڑے کردے

اُنکی تیغِ نگہِ ناز جو اُٹھ جائے کہیں
ایک ہی وار میں دو چار کے ٹکڑے کردے

ٹکڑے ٹکڑے کیا غربت میں انھیں نے دامن
ہمت اے آبلہ ہر خار کے ٹکڑے کردے

عکسِ رخ پر ترے پڑ جائے جو مشتاق کی آنکھ
آئینہ چشمِ خریدار کے ٹکڑے کردے

یا اِسے چھوڑ دے لیجا کے چمن میں صیاد
یا نہیں مرغِ گرفتار کے ٹکڑے کردے

دل ہے کیا مال جو رکھے گا اُسے قہرؔ عزیز
تیرے سر سے وہ ابھی وار کے ٹکڑے کردے

دل بھی ہم سے دُور ہے دلبر بھی ہم سے دُور ہے
اور اب اللہ کو کیا جانے کیا منظور ہے

عشق میں ہوگا وُہی جو عشق کا دستوُر ہے
آدمی کیا کر سکے گا۔ آدمی مجبوُر ہے

آنکھ سے جب دُور ہُوں تو اُنکے دل سے دُور ہُوں
دُور ہے وہ دل سے۔ اُنکی آنکھ سے جو دُور ہے

اِسکو حاجت ہے نہ ساغر کی نہ مے کی اِحتیاج
آپکی تو چشمِ میگوُں بے پیئے مخموُر ہے

کس لئے مَلتے ہو مُرجھائے ہُوئے غنچے کو تم
کیا کسی کمبخت کا یہ بھی دلِ رنجوُر ہے؟

ایک ہے رُسوائی و شُہرت کی غایت عشق میں
میں جو ہُوں رُسوا بہت۔ تو کیا وہ کم مشہُور ہے؟

مر گیا یہ کون اُمیدِ سَحَر میں جاگ کر
آسماں پر آج جو تارہ ہے وہ بے نُور ہے

اہلِ اُلفت کا کبھی دل رکھدیا تو کیا کیا
جسکو کہتے ہیں وفا وہ تم سے کوسوُں دُور ہے

دل کو زخمی کر دیا تیرِ نگاہِ ناز نے
ہر جگہ اِک زخم ہے۔ ہر زخم میں ناسُور ہے

پھر کہو ناصح نبھے میری تمہاری کس طرح
تمکو جو منظوُر ہے۔ وہ مجھکو نا منظوُر ہے

کرکے تم عُذرِ ستم کرتے ہو پھر مجھ پر ستم
یہ نرالا ہے طریقہ۔ یہ نیا دستوُر ہے

اور کی تو کیا اُسے اپنی بھی کچھ سُدھ بُدھ نہیں
نشۂ جوشِ جوانی میں وہ اِتنا چُور ہے

ہم سے پُوچھو قہرؔ راہِ عشق کی دُشواریاں
منزلیں طے کر چکے ہیں پھر بھی دِلّی دُور ہے

شوخی میں تری طرزِ حیا کو کوئی دیکھے
ٹلتے ہُوئے یوں سر سے قضا کو کوئی دیکھے

آئینے کو رکھ کر قدِ موزوں کے مُقابل
وہ کہتے ہیں اب میری ادا کو کوئی دیکھے

انداز نرالے ہیں۔ نرالے ہیں ترے ناز
دیکھے کوئی شوخی کو۔ حیا کو کوئی دیکھے

بے کیف نہیں زندگیٔ خضر بھی اچھّی
مے دیکھ کے کیا آبِ بقا کو کوئی دیکھے

کس طرح وہ جانیں کہ مری آہ رسا ہے
ممکن نہیں آنکھوں سے ہَوا کو کوئی دیکھے

پہلے تو لیا آپ نے شوخی سے مرا دل
اب اُٹھتی نہیں آنکھ۔ حیا کو کوئی دیکھے

ہے دیکھنے والا بھی کوئی حُسن کا پیدا
کس آنکھ سے اُس ماہ لقا کو کوئی دیکھے؟

صدمے بھی اُٹھائے ہیں۔ جفائیں بھی سہی ہیں
دل دیکھ کے پھر میری وفا کو کوئی دیکھے

مِلتا ہے محبت کا مزا یا نہیں مِلتا
پی کر تو ذرا جامِ فنا کو کوئی دیکھے

افسوس مرے مِٹنے پہ کرتے ہیں سب احباب
اُسکے بھی تو نقشِ کفِ پا کو کوئی دیکھے

کعبے میں نہیں قہرؔ کلیسا میں نہیں قہرؔ
میخانے میں اُس مردِ خدا کو کوئی دیکھے

تصوّر میں خدا جانے یہ کس کا رُوئے انور ہے
کہ جسکے حُسن کے اعجاز سے دل حُسن کا گھر ہے

برسنے کے لئے ہر دم اُمنڈ آتے ہیں آنکھوں میں
الٰہی کیا ہمارے دل میں اشکوں کا سمندر ہے؟

قیامت توڑ تو اُس پر۔ کہ ڈھا ظلم و ستم مجھ پر
نہ میں ہی تجھ سے باہر ہوں نہ دل ہی تجھ سے باہر ہے

یہ اُلجھائے نہ کیوں اب دل گرفتارانِ اُلفت کے
کسی کے دوش پر چھُوٹی ہوئی زلفِ مُعنبر ہے

عدُو کی جستجو میں تم جو یوں ہر وقت پھرتے ہو
تمھارے پانوں میں بھی کیا مری قسمت کا چکّر ہے؟

بڑھے کیونکر نہ اسکے دیکھنے کا شوق ہر دل میں
تمھارے حُسنِ روز افزوں کا شہرہ آج گھر گھر ہے

اِدھر مجکو بھی عشق غصّہ اُدھر اُس تُند خُو کو بھی
جو میں آپے سے باہر ہوں۔ تو وہ جامے سے باہر ہے

کہاں پھیلی نہیں یہ روشنی تیری تجلّی کی
کہ نُورِ حُسن سے تو خانۂ دِل تک منوّر ہے

اِسے لیجائیے پہلو سے۔ اِس میں شوق سے رہیئے
مرا دل آپکا دل ہے۔ مرا گھر آپکا گھر ہے

ترے کُشتوں کے چہرے کی بحالی تو کوئی دیکھے
کہ شمعِ زیست گُل ہے۔ نُور پھر بھی اِنکے مُنھ پر ہے

جنابِ قہرؔ راہِ عشق میں چلنا نہیں آساں
یہ وہ رستہ ہے جس میں ہر قدم پر ایک ٹھوکر ہے

ستمگر کی نگاہِ ناز بھی کتنی ستمگر ہے
جو سیدھی ہے تو ناوک ہے۔ جو ٹیڑھی ہے تو خنجر ہے

وہی شکوہ۔ وہی دھمکی۔ وہی اُلفت۔ وہی سودا
وہی میں ہوں۔ وہی تم ہو۔ وہی دل ہے وہی سر ہے

کبھی ہاتھوں میں رہتا ہے کبھی رہتا ہے زانو پر
تمھارا آئینہ بھی اپنی قسمت کا سکندر ہے

جو نظروں میں سما جائے طبیعت جس پر آجائے
وہی اچھے سے اچھا ہے۔ وہی بہتر سے بہتر ہے

نگاہِ نازِ قاتل کا مُعمّا حل نہیں ہوتا
کوئی کہتا ہے ناوک ہے۔ کوئی کہتا ہے خنجر ہے

خدا ہونے کا دعویٰ تو خدائی بھر سے کرتے ہو
مگر کچھ اپنے بندوں کی بھی فکر اے بندہ پرور ہے

یونہیں ساقی لنڈھائے جا۔ پلائے جا چھکائے جا
چھنکے جاتے ہیں ہم اپنی تپِ سوزِ نہانی سے
وہ ظاہر ہے نتیجہ ہونے والا ہے جو الفت کا
خوشی کہتے ہیں کس کو۔ اور راحت کسکو کہتے ہیں
نہ بدلا آج تک عالم نگاہِ نازِ جاناں کا،
نہیں ہیں خوابگاہیں بھی تو حسن و عشق کی یکساں

ترے ہاتھوں میں مینا ہے۔ مرے ہاتھوں میں ساغر ہے
جو دل میں داغ ہے وہ آفتابِ روزِ محشر ہے
ہزاروں رنج و غم میں ایک میری جانِ مضطر ہے
نہ وہ ہمکو میسّر ہے۔ نہ یہہ ہمکو میسّر ہے
فسونگر بھی فسونگر ہے۔ ستمگر بھی ستمگر ہے
یہاں کانٹوں کا بستر ہے۔ وہاں پھولوں کا بستر ہے

اِسے میں کیا بتاؤں پھر دل ٹکڑے کیا کس نے
مرے حق میں تو اُسکی ہر نگاہِ ناز خنجر ہے

تمھیں اِک روٹھنے والے نرالے ہو زمانے سے
نہ بارِ غم اُٹھا سر سے۔ نہ سر اُٹھتا ہے شانے سے
نہ آنا اے اجل اِس وقت وہ یہہ کہہ کے بیٹھے ہیں
پتا اپنا دیا تھا بزمِ دشمن کا کہ موت آئی
ابھی دل صاف ہوتا ہے اگر عُذرِ جفا کر لو
گلی کو گل کے دل کھلنے کی یاد اُنکو دلاتا ہوں
ہمارے دل کو ناحق دیکھ کر آنکھیں چُراتے ہو
وہ کہتے ہیں کہ عشقِ حور میں دی تو نے جان اپنی
وفا کیسی۔ کہاں کی دوستی۔ فرصت نہیں ملتی
قیامت ہو گئی۔ اے دیدۂ تر ڈوب مر جا کر
جو سنتے ہوں تو ہم سے چار حرفِ آرزو سُن لو

نہ ملتے ہو بلانے سے۔ نہ منتے ہو منانے سے
بڑی مشکل میں یارب آ گیا ہوں دل کے آنے سے
نہ دم نکلے گا جب تک ہم نہ اُٹھیں گے سرہانے سے
ٹھکانے ہی لگایا مجکو اُس نے اِس ٹھکانے سے
مٹاؤ تو کدورت مٹ ہی جاتی ہے مٹانے سے
وہ آ بیٹھیں مرے پہلو میں شاید اِس بہانے سے
اِدھر دیکھو تمھارے تیر مٹتے ہیں نشانے سے
دھری یہہ ایسی تہمت جو نہیں اُٹھتی اُٹھانے سے
ہمیں رونے رُلانے سے۔ اُنہیں ہنسنے ہنسانے سے
وہ کہتے ہیں کہ حاصل کچھ نہیں آنسو بہانے سے
یہی ہے مختصر۔ کیا فائدہ قصّہ بڑھانے سے

تجھے بزمِ عدو میں پھر مضطر کر کے چھوڑے گا
ذرا ڈر اے ستمگر دل جلے کے دل جلانے سے

روز کل کھاتے رہے۔ پڑے رہے۔ برہم رہے
یہہ ترا حسنِ شباب اِتنا تو کم سے کم رہے

ہم سے کب سیدھے تمھارے گیسوئے پُرخم رہے
دم میں جب تک دم رہے۔ تجھ پر ہی عالم رہے

خون رونے میں جو تھا ضبطِ محبت کا خیال
دم نکلنے کا تماشا دیکھنے آتے ہیں وہ
جان دیدوں میں اگر اُنکے لبِ جاں بخش پر
ہمکو آزادی بھی بخشی تو پَروں کو نوچ کر
قتل ہوکر بھی ترے کُشتوں کو ہے یہہ آرزو
وصل و فرقت میں خوش و ناخوش بسر کی زندگی
جان دے کر بھی حسینوں پر جئے ہم عشق میں

دامنِ مژگاں پہ کچھ قطرے لہُو کے جم رہے
دم مری آنکھوں میں یارب اور کوئی دم رہے
حشر تک زندہ رہُوں۔ پھر حشر تک ماتم رہے
ہاتھ لا۔ پھڑکا دیا۔ صیّاد تیرا دم رہے
رات دن چلتی رہے تلوار۔ گردن خم رہے
جس طرح رکھّا ہمیں تُو نے ستمگر۔ ہم رہے
جاں ستاں ہوکر بھی یہہ ظالم مسیحا دم رہے

وامق و فرہاد کی تعریف کیوں کرتے ہیں آپ
جان دینے میں جنابِ قہر کس سے کم رہے؟

یوں مرا دل مائلِ حُسنِ رُخِ جانانہ ہے
کردیا بیمار اِک عالم کو آنکھوں نے تری
جسپہ مرتا ہُوں نہیں اُسکو ہی میری کچھ خبر
تے نہیں دیتا۔ نہ دے۔ میری طرف ہی دیکھ لے
اشک پیتا ہُوں چمن کی یاد میں۔ کھاتا ہُوں غم
ہر جگہہ ہی یادِ ساقی میں رہا کرتے ہیں مست
ہوش کھوئے ہیں جہاں کے اسکی تو بیداد نے

شمع وہ محفل میں ہے۔ یہہ شمع کا پروانہ ہے
جسکو دیکھو وہ مریضِ نرگسِ مستانہ ہے
کیا قیامت ہے کہ مجھ سے آشنا بیگانہ ہے
آنکھ بھی ساقی تری میرے لئے پیمانہ ہے
اب قفس میں یہہ میسّر مجکو آب و دانہ ہے
ہمکو اس سے کیا غرض مسجد ہے یا میخانہ ہے
آسماں چکّر میں ہے۔ گردش میں یا پیمانہ ہے

دیکھنی ہے اُنکو تو دیکھیں وفا وہ قہر کی
اب وفائے وامق و فرہاد اِک افسانہ ہے

فراق میں ہم فغاں کریں گے۔ فغاں نہ ہوگی دعا کریں گے
جو یہہ نہ ہوگی تو وہ کریں گے۔ جو وہ نہ ہوگی تو کیا کریں گے!
کئے کچھ اب تک وفا اُنھوں نے۔ کچھ اب وہ آگے وفا کریں گے
بہت سے ایسے ہُوئے ہیں وعدے۔ بہت سے ایسے ہُوا کریں گے
یہہ آپ کیا پُوچھتے ہیں ہم سے۔ کہ آپ اُلفت میں کیا کریں گے

وفا کے سائل۔ وفا کے طالب۔ وفا کے بندے وفا کریں گے
کہیں تو کہنے کو کہہ بھی دیں ہم۔ مگر کہیں بھی تو کہوں کہیں ہم
ہمیں یہہ اُمیدہی نہیں ہے۔ کہ وہ ہمارا کہا کریں گے
شباب آیا تو شرم کیسی۔ یہہ ہے زمانہ شرارتوں کا
کریں گے شوخی سے اب وہ شوخی۔ حیا سے اب وہ حیا کریں گے
جو اب کہیں کچھ رقیب تم سے۔ تو اُنکے تم کان کھولدینا
بُرا کہیں گے جو وہ کسی کو۔ تو اپنے حق میں بُرا کریں گے
وہ اُنکا دشمن کے گھر سے آنا۔ یہہ چال چل کر مجھے منانا
تمھارا دل تو ہے گھر ہمارا۔ تمھارے دل میں رہا کریں گے
پیامبر ہیں یہہ اُنکی گھاتیں۔ سُنی ہیں ایسی ہزار باتیں
"نہ اب کسی سے خفا وہ ہونگے۔ نہ اب کسی کو خفا کریں گے"
یہہ دھمکیاں کیا ہیں کیوں ڈریں ہم۔ جو اُنکو کرنا ہو کر چکیں اب
غضب کریں گے۔ ستم کریں گے۔ پھر اور آگے وہ کیا کریں گے
کہا جو اُن سے جفا نہ کرنا۔ تو بولے کیوں مانیں تیرا کہنا
جفا کریں گے۔ جفا کریں گے۔ جفا کریں گے۔ جفا کریں گے
کرم کی اُمید کیا ہو اُنسے۔ ستم بھی کرتے نہیں وہ پورا
جفائیں بھی جو کبھی کریں گے۔ وفا کسی سے وہ کیا کریں گے
ہزار کوئی کرے وفائیں۔ ہزار اُنسے نبا ہے کوئی
مگر وہ ہیں ایک ہی جفا جو۔ کریں گے جب وہ جفا کریں گے

نہیں ہے پھر اسکی ہمکو پروا۔ دیا ہے دل ہم نے اُنکو
بھلا کہیں یا بُرا کہیں وہ۔ جو کچھ کہیں گے سُنا کریں گے

پسِ فنا بھی دلِ داغدار باقی ہے
یہہ اک نشانیٔ رفتارِ یار باقی ہے

خزاں میں بھی وُہی اسکی بہار باقی ہے
مٹا مٹا سا کسی کا مزار باقی ہے

بلا کے خاک میں مجھ کو ستم کے کیا معنی
تمہارے دل میں ابھی تک غبار باقی ہے

سفید ہو گئیں آنکھیں سحر نہیں ہوتی
الٰہی کتنی شبِ انتظار باقی ہے!

مزارِ عاشقِ ناشاد کیوں مٹاتے ہو
مٹے ہوئے کی یہی یادگار باقی ہے

چلا ہے دل کو اڑا کر کدھر خدنگِ نگاہ
ابھی جگر بھی تو اُسکا شکار باقی ہے

جفا بھی میں نے اٹھائی ستم بھی میں نے سہے
اب اور کیا مرے پروردگار باقی ہے!

خرامِ ناز سے چل کر نکل گیا ہے کوئی
قیامت ایک سرِ رہگذار باقی ہے

جگر میں شدتِ گریہ سے خون رونے کو
لہو کہاں مژۂ اشکبار باقی ہے

بُرا ہے دل کا جلانا۔ بُری ہے دل کی فغاں
جتا دیا تمہیں۔ اب اختیار باقی ہے

جو دل مٹا تو مٹا۔ غم بھی آرزو بھی مٹی
نہ سوگ ہے نہ کوئی سوگوار باقی ہے

غضب ہے عہدِ وفا کے وفا نہونے پر
تری قسم کا وُہی اعتبار باقی ہے

بنے گی جان دئے ہجرِ یار میں اے قہر
جو ہے کوئی تو یہی چارہ کار باقی ہے

جب اُس بتِ ترسا کا دل اسکے لئے ترسے
کیوں دل کو لگائے نہ رہوں اپنے جگر سے

ایسا نہو لڑ جائے نظر اپنی نظر سے
آئینہ نہ دیکھا کبھی اُس نے اِسی ڈر سے

جو اشک نکلتے ہیں۔ نکلتے ہیں شرر سے
کیا آگ برستی ہے مرے دیدۂ تر سے

وہ صُبحِ شبِ وعدہ تو دیں آکے تسلّی
سوچیں تو تڑپتا ہے کوئی چار پہر سے

کیا غم ہے اگر مجھ پہ فلک ٹوٹ پڑے گا
واقف تو وہ ہو جائیں گے نالوں کے اثر سے

سرباز بھی مل جائیں گے دُنیا میں ہزاروں
باندھے تو کوئی قتل پہ تلوار کمر سے

جاتا نہیں کعبے کو یہ میں سوچ سمجھ کر
آتا نہیں پھر کر کوئی اللہ کے گھر سے

کیونکر وہ بُری آنکھ تری آنکھ پہ ڈالیں
دشمن کو بھی دیکھیں جو نہ دشمن کی نظر سے

وہ کہتے ہیں ایسا تو کبھی ہو نہیں سکتا
ہم ترک کریں مشقِ ستم آپ کے ڈر سے

نالہ جو کیا میں نے تو کیوں مجھ سے خفا ہو
انسان سے ہوتی ہے خطا چوک بشر سے

کرتے ہیں جواب آپ یہ دیوانوں کی باتیں
کیا آنکھ لڑی قہر کسی رشکِ قمر سے؟

جس وقت گزرتی ہے وہ اِس راہگذر سے
چلتی ہے دبے پانو قیامت ترے ڈر سے

پیدا ہوئی یہہ بات محبت کے اثر سے
دل ملگیا لڑتے ہی نظر اُن کی نظر سے

پہلے ہی بچانا تھا اِسے تیرِ نظر سے
اب فائدہ کیا ہائے جگر۔ ہائے جگر سے

ہر اشک یہہ کہتا ہے مرے دیدۂ تر سے
چڑھتے ہیں جو نظروں پہ وہ گرتے ہیں نظر سے

ہو جائیں گے سر دے کے سُبکدوش کبھی ہم
اِک روز اُتر جائے گا یہہ بوجھ بھی سر سے

گلزار ہیں دیکھا ہے کبھی بزمِ عدو میں
اب پانو نکالے ہیں بہت آپ نے گھر سے

ہے وعدۂ فردا سے یہہ اُس شوخ کا مطلب
ملنے کو مرے آٹھ پہر تو کوئی ترسے

ہوگی تو بپا ہوگی قیامت ترے گھر میں
جب حشر اُٹھے گا تو اُٹھے گا ترے در سے

کیا کام ہے دنیا میں۔ یہی کام ہے اُنکو
ناراض ہوئے مجھ سے۔ کبھی غیر پہ برسے

آنے کا نہیں ہے۔ کبھی جانے کی نہیں ہے
وہ محفل دشمن سے۔ شبِ غم مرے گھر سے

اے مہر جسے زلف کی ناگن نے ڈسا ہے
بولا ہے نہ وہ منھ سے۔ نہ کھیلا ہے وہ سر سے

اِس ستانے کا اُٹھاؤ گے مزا یاد رہے
کہے دیتے ہیں یہہ ہم تم سے بھلا۔ یاد رہے

نہ رہے یاد وفا اور جفا یاد رہے
بندہ پرور یہہ نئی بھول ذرا یاد رہے!

چاہیئے ساتھ تغافل کے لگاوٹ بھی تمھیں
اِک ادا بھولے مجھے ایک ادا یاد رہے

دل کو جب یاد رہے بھولنے والا تجھ سا
پھر کسے یاد کرے وہ۔ اُسے کیا یاد رہے

اِک ہمیں شکوۂ بیداد نہیں کرتے ہیں
غیر بھی آپ سے رکھتے ہیں گلا یاد رہے

دیکھنا کھیل نہیں ہے مری بے ہوشی کا
ہوش اُڑجائیں گے اے ہوشربا یاد رہے

آپ کہتے ہیں ہمیں آپ نے سمجھا کیا ہے
آپ کو سمجھیں گے ہم روزِ جزا یاد رہے

اِس لئے ہنسکے وہ منھ پھیر لیا کرتے ہیں
نہ رہے یاد جو شوخی تو حیا یاد رہے

میں تو کیا بعدِ فنا یاد رہونگا تمکو
ہاں رہے یاد تو کچھ میری وفا یاد رہے

حسرتِ وصل بُری ہوتی ہے اے حضرتِ دل
کہدیا ہم نے۔ ہمارا یہہ کہا یاد رہے

نہ یقیں آتا ہے مجکو نہ یقیں ہوتا ہے
کہ قیامت میں تجھے عہد ترا یاد رہے

بھول کر بھی جو مرے آگے وہ بُت آئے کبھی
نہ خودی یاد رہے پھر نہ خدا یاد رہے

قہر کو اُسکی جفا۔ اُسکا عتاب۔ اُسکے ستم
عُمر بھر یاد رہی۔ یاد رہا۔ یاد رہے

تری آنکھوں میں آنکھیں کوئی کیا لے فتنہ گر ڈالے
یہہ وہ کافر نظر ہے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے

ذرا دیکھیں تو کس کی آنکھ کس پر کیا اثر ڈالے
کسی پر ہم نظر ڈالیں۔ کوئی ہم پر نظر ڈالے

ہُوا ہے بھی زمانے میں کہیں پتھر پسیجے ہیں
فُغانِ بے اثر اُس سنگدل پر کیا اثر ڈالے

تمھارے گوشۂ دامن میں لاکھوں دل ہی کل تک
کہاں ٹپکے۔ کدھر کھوئے۔ کہاں پھینکے۔ کدھر ڈالے

نگاہیں بھی لڑاتے ہیں وہ لڑتے بھی ہیں یہہ کہکر
کسی کو کوئی کیوں دیکھے کسی پر کیوں نظر ڈالے

گرائے دل پہ بجلی یا جگر پر۔ دونوں حاضر ہیں
نگاہِ ناز اب جو فیصلہ کرنا ہو۔ کر ڈالے

اگر اُسکو محبت کی نظر کرنی نہیں آتی
بلا سے وہ نگاہِ قہر ہی ڈالے۔ مگر ڈالے

ابھی آغازِ اُلفت ہے ابھی سے دل دھڑکتا ہے
خدا جانے یہہ کیا آفت ہماری جان پر ڈالے

نگاہِ شوق سے اُنکو کوئی دیکھے بھی تو کیونکر
وہ فرماتے ہیں اندھا ہو اگر ہم پر نظر ڈالے

کبھی تیرِ نظر کی چوٹ اچھی ہو نہیں سکتی
ہمارے زخمِ دل پر ہاتھ کیونکر چارہ گر ڈالے

بُرا ہے عشق کرنا تو خدا سے بھی نہ کرنا تھا
ذرا اپنے گریباں میں تو زاہد اپنا سر ڈالے

ارادہ اُسکا بدلے کیوں۔ مری تقدیر پلٹے کیوں
جو ہونا ہو وہ ہو جائے۔ جو کرنا ہو وہ کر ڈالے

ہزاروں ہیں حسیں دنیا میں یا رب قہر حیراں ہے
جمائے آنکھ کس کس پر وہ کس کس پر نظر ڈالے

یونہی تو آنے میں یہاں آپ کی رُسوائی ہے
کیا تصوّر میں بھی ملنے کی قسم کھائی ہے

کوئی عاشق ہے ترا۔ کوئی تمنائی ہے
تُو وہ معشوق ہے دنیا تری شیدائی ہے

آئے کیا کوئی یہاں ہو یہہ ہجومِ ارماں
خانۂ دل میں نہ خلوت ہے نہ تنہائی ہے

مرنے والے کو جب ارمان نہ مرنے کا رہا
موت کمبخت بھی آئی ہے تو کب آئی ہے

آنکھ کھُلنے بھی نہ پائی تھی کہ ہم قید ہوئے
کس نے صیّادِ گلستاں کی ہَوا کھائی ہے

قتل وہ ہوتا ہے صحت نہیں ہوتی جسکو
یہہ علاج اچھا ہے۔ یہہ اچھی مسیحائی ہے

جان جب تک تھی ترے ہجر میں بیجان رہا
جان جاتے ہی مری جان میں جان آئی ہے

جب کیا شکوۂ دشمن تو بُرا کیوں مانا
آپ تو مجکو سمجھتے ہیں کہ سودائی ہے

چشمِ عالم نے نہ دیکھا کبھی عالم تیرا
پھر بھی دُنیا ترے جلوے کی تمنائی ہے

پُوچھتا کون یہاں تجکو مگر اے ناصح
طعنے دے دے کے ترے عشق میں بن آئی ہے

ٹل گئی صدمہ و رنج و غمِ پیہم سے نجات
تیرے بیمار نے تو مر کے شفا پائی ہے

ایسے نازک ہیں وہ ایسی ہے نزاکت اُنکی
کبھی نرگس کو بھی دیکھا ہے تو آنکھ آئی ہے

تیسرا کون شبِ ہجر میں غمخوار بنے
یا تو اک میں ہُوں یہاں یا مری تنہائی ہے

لکھ گیا کوچۂ قاتل پہ یہ مصرع کوئی
تُو ہی آئے گا یہاں جسکی قضا آئی ہے

غیر سے مہرؔ کوئی ملتا ہے میرے آگے
اسکو کہتے ہیں ستم - یہہ ستم آرائی ہے

اُلفت میں اور کیا ہیں طریقے ثواب کے
ارماں نکالئے کسی حسرت مآب کے

پُتلے بنیں وہ کس لئے شرم و حجاب کے
نامِ خدا شباب ہے۔ دن ہیں شباب کے

شکوے اگر کریں بھی تو کس کس کے ہم کریں
تیرے عتاب کے۔ کہ خدا کے عتاب کے!

دیکھوں بہارِ خاک جہانِ خراب کی
ساماں سمائیں آنکھ میں کیا بزمِ خواب کے

چھانٹا ہے تُو نے لاکھ میں عاشق کا ایک دل
قُربان جائیے ترے اِس اِنتخاب کے

وصل و فراقِ یار کے کچھ دن مزے اُٹھائیں
قائل نہیں جو لوگ عذاب و ثواب کے

سوزِ دل و جگر جو ہو اک ساتھ دیکھنا
دیکھو کباب رکھکے برابر کباب کے

بہتر یہہ ہے کہ ہم بھی چلیں اے پیامبر
اب منتظر رہیں نہ سوال و جواب کے

کیوں آئینے میں ہمکو دکھاتے ہو چشمِ مست
ہم پینے والے ہیں کوئی ہلکی شراب کے؟

دیتے ہیں مجکو رنج بھی ناصح ملال بھی
میں کیا کہوں جو مجھپہ کرم ہیں جناب کے

بے مہر ورنہ مُنھ پہ کہیں کیوں وہ مہرؔ کو
سب یہہ سلوک ہیں دلِ خانہ خراب کے

تیری شوخی جو نہیں تو وہ ادا کونسی ہے
جان لینے کو مری اور قضا کونسی ہے

دیکھ لے ۔ جانچ لے پہلو میں ہمارے آکر
دل میں حسرت تری حسرت کے سوا کونسی ہے

وقتِ رخصت وہ خدا کو کہ قضا کو سونپیں
نہیں معلوم مرے حق کی دعا کونسی ہے

چارہ گر سے ترے بیمار کا درماں کیا ہو
زہر کا کام جو دے ایسی دوا کونسی ہے

دل کا دینا ہے محبت میں کہ دل کا لینا
بیوفا تو ہی بتا ان میں وفا کونسی ہے

ہم تو اب تک ہیں اسی حال میں جس حال میں تھے
کیا خبر ہمکو زمانے کی ہوا کونسی ہے

ہے وفا ۔ یا ہے محبت ۔ یہ بتا دو مجھکو
میں خطاوار ہوں جسکا وہ خطا کونسی ہے؟

دامِ گیسو میں نہ کیوں ہو دلِ مضطر پابند
ہے یہی اسکی سزا اور سزا کونسی ہے

آسماں سے جو کروں بھی تو کروں کیا امید
میری آہِ شبِ فرقت ہی رسا کونسی ہے

نیچی نظروں سے بھی دل چھین لیا کرتے ہو
یہ حیا کیا ہے تمھاری ۔ یہ حیا کونسی ہے؟

جب کہا مہر نے اک بات سنو ۔ تو یہ کہا
بات کچھ اور شکایت کے سوا کونسی ہے

آنکھوں میں اپنی خار نہ کیوں گلستاں لگے
تو ہی نہ ہو تو خاک طبیعت یہاں لگے

یہ سوچتے ہو کیا کہ یہ کیونکر یہاں لگے
دل سے سناں لگا دُو تو دل پر سناں لگے

کیوں ہجرِ یار میں جلے اہلِ وفا کا دل
یہ آگ ہے جہاں کی آئی وہاں لگے

راتیں سحر ہوئی ہیں اسی انتظار میں
کوئی گھڑی تو آنکھ تری پاسباں لگے

ہر پھر کے ہے ہدف یہی تیرِ نگاہ کا
دل پر نہ اسکی چوٹ لگے تو کہاں لگے

اس چال پر تو فتنے یہ تونے اٹھائے ہیں
کیا ہو زمیں جو پاؤں کو اے آسماں لگے

لائے تجھے بھی حسرتِ دیدار کھینچ کر
ہچکی ترے مریض کو جس دم یہاں لگے

اے مہر کیا بجھائیں گے دل کی لگی کو وہ
آنکھوں میں جنکی سوزِ جگر کا دھواں لگے

یہ مانا خوبرویوں کی نظر شمشیر ہوتی ہے
مگر آہِ دلِ عشاق بھی تو تیر ہوتی ہے

مریضِ غم کی سیدھی جب کبھی تقدیر ہوتی ہے
تو چٹکی خاک کی اسکے لئے اکسیر ہوتی ہے

نظر آتا ہے مجکو نقش میں بھی حسن کا عالم
جو کھنچتی ہے تری تصویر وہ تصویر ہوتی ہے

فلک سے پُوچھ لو تم ۔ یہہ فلک تمکو بتائے گا
فغاں میں کیا اثر ۔ نالے میں کیا تاثیر ہوتی ہے

اُسے تو صاف کہتا ہی نہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں
تری تو نامہ بر اُلجھی ہُوئی تقریر ہوتی ہے

جئیں ہم کس طرح اے سخت جانی آبرو کھو کر
ہمارے سامنے جب غیر کی توقیر ہوتی ہے

اُسے نا مہرباں دیکھا تو اب وہ مہرباں ہوگا
جو یہہ سچ ہے کہ اُلٹی خواب کی تعبیر ہوتی ہے

ستم بھی اُسکے لکھے ہیں کراماً کاتبیں تم نے؟
مری تو رات دن اِک اِک خطا تحریر ہوتی ہے

نکمّا کر دیا ایسا ہمیں ناکامیِ دل نے
نہ اب تدبیر کرتے ہیں ۔ نہ اب تدبیر ہوتی ہے

وہ جس پر اپنے ہاتھوں سے مجھے تعزیر دیتے ہیں
وُہی تقصیر کرتا ہُوں ۔ وُہی تقصیر ہوتی ہے

کسی کے پانو میں ہوتی ہے لیکن ضبط کے ہاتھوں
ہماری آہ کے بھی پانو میں زنجیر ہوتی ہے

وہ کہتے ہیں سوا تیرے کوئی ہمکو نہ کیوں چاہے
محبت بھی کہیں اِک شخص کی جاگیر ہوتی ہے!

اِسی سے رات دن خلوت میں رو نا دل کا رتے ہیں
کہ تنہائی کی مونس اِک تری تصویر ہوتی ہے

عبث اے قہر وصلِ یار کی تدبیر کرتے ہو
یہہ ہو جاتی ہے خود ۔ "یلّے" یہہ جب تقدیر ہوتی ہے

خاک نکلے مرے ارمان جو مر کر نکلے
نکلے پھر بھی نہ نکلنے کے برابر نکلے

اب کہیں آرزوئے عاشقِ مضطر نکلے
بزمِ اغیار میں نکلے کہ ترے گھر نکلے

"رازِ اُلفت کو کہو ہم سے" یہہ کیا خوب کہی
لب پہ جو آ نہ سکے مُنہ سے وہ کیونکر نکلے

کرکے اِنکارِ ستم چُھوٹ گئے روزِ جزا
تمھیں اچھے رہے ۔ سب سے تمھیں بہتر نکلے

میری حسرت کبھی نکلی نہ اِسی حسرت میں
اب تری تیغ کھچے ۔ اب ترا خنجر نکلے

سرد آہوں کا مری اُسپہ اثر کیونکر ہو
جو ہَوا کھانے بھی پردے سے نہ باہر نکلے

دیکھتے ہی مجھے ساقی نے چُرائیں آنکھیں
جام نکلے نہ مرے واسطے ساغر نکلے

میرے مرنے کو سُنا اُس نے تو یہہ حکم دیا
اِس طرف سے نہ جنازہ کوئی لے کر نکلے

دل میں ہم یادِ خدا کو بھی جگہہ دیں لیکن
پہلے دل سے تو کہیں وہ بُتِ کافر نکلے

ابھی جا پہنچو ۔ ابھی پرکھو ۔ ابھی دیکھو اُنکو
تم تو دم بھر ہی میں اغیار کا دم بھر نکلے

اب کوئی دم بھی نہیں چین سے رہتا گھر میں
کیا ترے پانو مرے دل سے نکلکر نکلے

غیر کے آگے بدل جاتی ہے چتون کیونکر
میرے آگے تو وہی قہر کے تیور نکلے

ایک دن بھی نہ اُنھیں گھر سے نکلتے دیکھا
ہم نکلنے کو تو اُس راہ سے اکثر نکلے

بولے وہ دیکھ کے میّت مری افسوس کے ساتھ
"اِس طرح جان کسی کی نہ کسی پر نکلے"

روز محفل نئی معشوق نئے عیش نیا
اپنی تقدیر کے تم قہرؔ سکندر نکلے

تجھپہ قربان ہوئی جاتی ہے
جان اب جان ہوئی جاتی ہے

بات تیری نہیں اُٹھتی ہم سے
یہ بھی اِحسان ہوئی جاتی ہے

دل دئے دیتے ہیں تجکو اے زلف
کیوں پریشان ہوئی جاتی ہے؟

میری گردن پہ چھُری تو پھیرو
مشکل آسان ہوئی جاتی ہے

خانۂ دل میں نئی اِک حسرت
روز مہمان ہوئی جاتی ہے

تم چلے جاؤ تو دل کی بستی
ابھی ویران ہوئی جاتی ہے

کیا کروں ترک بتوں کی اُلفت
میرا ایمان ہوئی جاتی ہے

آئیں تو وہ - مری محفل کی ابھی
جوگنی شان ہوئی جاتی ہے

ہجر میں تن سے نکلتی ہی نہیں
رُوح ارمان ہوئی جاتی ہے

دل تو کیا چیز ہے - اُس کافر پر
جان قربان ہوئی جاتی ہے

اُف رے اُف جلوہ نمائی تیری
آنکھ حیران ہوئی جاتی ہے!

قہرؔ دل کو غمِ فرقت سے نجات
کوئی آسان ہوئی جاتی ہے؟

جلائے[1] برق یا آندھی اُڑائے اُسکو گلشن سے
نشیمن میں نہیں - تو مجکو مطلب کیا نشیمن سے

خبر مجکو بہار آنے کی پہونچی رنگِ گلشن سے
نکالے جب گریباں کے لئے کچھ تار دامن سے

اُٹھایا فائدہ ہم نے رہِ اُلفت میں ہر فن سے
دبائے پانو رہبر کے چھُڑائی آنکھ رہزن سے

ذرا بچکر چلے کوئی ہماری خاکِ مدفن سے
کہ پھر دامن نہ چھوٹے گی اگر لپٹے گی دامن سے

رہا کیا مجھ سے اِک تو ہی کشیدہ خاطر اے قاتل
تری تلوار بھی کیا کیا کھچی ہے میری گردن سے

[1] بر غزل حضرت نوح ناروی ۔

مجھے جوشِ جنوں ہے۔ وقتِ وصلِ بلبل و گل ہے — جُدا اب کیوں رہے چاکِ گریباں چاکِ دامن سے

کہوں کیا اُسکو گزری ہے جو مجھ پر دفن ہو کر بھی — چلا ہے جس گھڑی منھ پھیر کر وہ میرے مدفن سے

جہاں میں کوئی مجھ سا آشیاں برباد بھی دیکھا؟ — نہ دیکھا پھر نشیمن میں نے نکلا جب نشیمن سے

زمانے میں ہُوا ہے نامِ حُسن و عشق کا روشن — ہماری آہِ سوزاں سے تمھارے رُوئے روشن سے

کہیں ایسا نہ ہو چھُٹ جائے اُس سے بھی مکاں اُسکا — چھُڑاتا ہے مجھے صیّاد کیوں میرے نشیمن سے

یہہ ہے دستِ جُنوں کا اور ہے دستِ جُنوں اسکا — گریباں کو کوئی رشتہ نہیں اب میری گردن سے

خیر میرے دلِ آشفتہ کی تو کچھ نہیں تم کو — وہ کیا تھا جو ابھی پھینکا جھٹک کر اپنے دامن سے

وہ لے مرگِ محبت خارِ حسرت ہیں مرے دل میں — کہ سبزے کے عوض کانٹے اُگیں گے خاکِ مدفن سے

جب اُنکے رُوئے گُلگوں کا خیال آیا ہے گلچیں کو — تو چھوٹا ہاتھ سے دامن گرے ہیں پھول دامن سے

جگہ کیونکر ملے گی آپ کے کُشتوں کو محشر میں — جو ساتھ اِک اِک کے سو سو حسرتیں اُٹھیں گی مدفن سے

کرے گی اور کیا تیری نگاہِ تیز کی بجلی — گرے گی دل کے خرمن پر اُٹھے گی دل کے خرمن سے

وہ مجکو کیوں کریں بیتاب رو کر میری تُربت پر — اُٹھیں ڈٹ رہتے تڑپ کر یہہ نکل آئے نہ مدفن سے

ابھی تو میں نے زخمِ دل دکھائے بھی نہیں تمکو — ابھی سے تم نے کیوں آنکھیں چھپالیں اپنے دامن سے

گئے ہیں دیکھکر وہ یوں ہمارے دل کے داغوں کو — کہ جیسے کوئی خوش ہو کر چلا ہو سیرِ گلشن سے

اگر اِس سے رہا ہو کر وہاں میں جا نہیں سکتا — کوئی میرا قفس ہی باندھ دے شاخِ نشیمن سے

چڑھا کر پھُول تم نے اور اِحساں رکھدیا مجھ پر — دبا جاتا تھا میں پہلے ہی اپنے سنگِ مدفن سے

تمھارے چاہنے والوں کا مذہب ہی نرالا ہے — نہ اِنکو شیخ سے نفرت نہ اُلفت ہے برہمن سے

ذرا دیر کسی کے آرزوئے دید تو دیکھو — لڑی رہتی ہے چشمِ شوق اپنی چشمِ روزن سے

نظر آئے ہیں ٹکڑے دامنِ فرہاد کے کیا کیا — ملا ہے کوہ کا دامن جہاں صحرا کے دامن سے

کہیں چھُو نکلا نہ ہو بعد اسیری آشیاں میرا — الٰہی آج یہہ کیسا دھُواں اُٹھا ہے گلشن سے!

بُتانِ ماہوش کے عشق کا انجام کیا ہوگا — یہہ اے دل تجکو پہلے پوچھ لینا تھا برہمن سے

زمانہ جان دے اِس پر خدائی اِسکی شیدا ہو — اگر یہہ آسماں سیکھے ستم اُس چشمِ پُرفن سے

نہیں معلوم مجکو قتل کرکے خوش ہیں کیوں قاتل — لہو رویا ہے خنجر تو لپٹ کر میری گردن سے

ترے گھر کی طرف صیّاد کیا ہم آپ آئے ہیں؟
قیامت آپ کے اِک اِک قدم پر کیوں نہ برپا ہو
ابھی شوقِ اسیری ایسی گھبراہٹ کہاں کی ہے
عبث تاب و ہو رہا ہے حُسن عاشق اس سے اے قاتل
چمکتے ہیں مرے داغِ جنوں خورشید بن بن کر
ترا ثانی یہاں تک رشک سے دیکھا نہیں جاتا

اسیری کی ہوا ہمکو اُڑا لائی ہے گلشن سے
خدا رکھے ہزاروں فتنے وابستہ ہیں دامن سے
ابھی رخصت تو ہونے دے مجھے یارانِ گلشن سے
یہ دھبا مٹ نہیں سکتا ترے خنجر کے دامن سے
شبِ دیجورِ غم بھی کم نہیں کچھ روزِ روشن سے
کہ مرکر بھی تو میں جلتا ہوں اپنی شمعِ مدفن سے

وہ جب تک سامنے تھا اُسکے آگے چُپ نہ ہوتا تھا
بھلا اے مہر اب کیا فائدہ نالے سے شیون سے

دم نکلتا ہے لبوں پر جان ہے
آج ہے اقرار کل پیمان ہے
واہ ایسی چیز ہم دیدیں تمھیں
دل میں رہنے کو ہزاروں ہوں تو کیا
کس قدر ہے رشک تیرے عشق میں
جب سے میرا دل کسی پر ہے فدا
مثلِ سنگِ در نہیں ٹلتا کبھی،
آئے ہو دشمن کو لے کر اپنے ساتھ
سیکڑوں نکلیں۔ ہزاروں رہ گئیں
شکوہ بیداد پر بولا وہ شوخ

پھر بھی مرنے کا مجھے ارمان ہے
ٹالنے کا یہ طریق آسان ہے
دل نہیں ہے۔ یہ ہماری جان ہے
جو نکل جائے وُہی ارمان ہے
مدعی انسان کا انسان ہے
ناک میں دم ہے غضب میں جان ہے
کیا کوئی پتھر ترا دربان ہے
یہ کوئی احسان میرا احسان ہے
دل ہمارا حسرتوں کی کان ہے
جی بجا ہے دل لگی آسان ہے!

مہر کی اُلفت کو کیا سمجھے ہو تم
نیمہ وہ سو جان سے قربان ہے

خارِ حسرت کی کھٹک ہر آن ہے
دل لگی اے دل کوئی آسان ہے
رہ نہیں سکتا کبھی خالی یہ دل

کیا یہ تیرے تیر کا پیکان ہے؟
اس میں پہلے جان کا نقصان ہے
تو نہیں ہے تو ترا ارمان ہے

آپ سے جو کچھ کہا اغیار نے
افترا ہے جھوٹ ہے۔ بہتان ہے

جن سے خنجر بھی نہ سنبھل سکتا نہیں
انکو میرے قتل کا ارمان ہے!

فکرِ دنیا۔ خوفِ عقبیٰ۔ عشقِ یار
سیکڑوں غم ہیں اکیلی جان ہے

اُس لبِ جاں بخش پر مر جائیے
زندگی کا اور کیا سامان ہے

نکلیں اب نالے جگر سے کس طرح
تیر تیرا حلق کا دربان ہے

مجھ سے پوچھا میرے دل کا ماجرا
بندہ پرور آپ کا احسان ہے

عشق پر چلتا نہیں حکمِ خزاں
اس چمن کا پھول نافرمان ہے

آپ بھی ملیئے کسی دن مہر سے
سیکڑوں میں ایک ہی انسان ہے

جان کر تجھکو جفا کار وفا کی میں نے
جو خطا کی نہیں جاتی وہ خطا کی میں نے

عشق میں بیٹھ گیا دل تو تعجب کیا ہے
سختیاں بھی تو اُٹھائی ہیں بلا کی میں نے

یوں مرے دل پہ جفا بھی نہیں تم کرتے ہو
جس طرح تم سے محبت میں وفا کی میں نے

اُف رے ناکامیٔ قسمت نہ ہوئی وہ بھی قبول
اپنے مرنے کی شبِ غم جو دعا کی میں نے

آپ خنجر تو اُٹھائیں! ۔ مجھے تعزیر تو دیں!!
اب نہیں کی ہے خطا۔ تو بھی خطا کی میں نے

چارہ سازوں سے ہوئی جان چھڑانی مشکل
دلِ بیمار کی اچھی یہ دوا کی میں نے

حسرتِ قتل میں وہ لذتِ آزار ملی
کہ تہِ تیغ بھی جینے کی دعا کی میں نے

تم نے بیداد نہ کی۔ میں نے ستایا تم کو
یوں سہی۔ تم نے وفا کی ہے جفا کی میں نے

آنکھ کیوں عشقِ بتاں کر کے چراؤں زاہد
کوئی چوری تو نہیں کی ہے خطا کی میں نے

جان لے کر بھی کسی دن مرا دل رکھتا ہے؟
پھر وہ کس منہ سے یہ کہتے ہیں "وفا کی میں نے"

اُنکی صورت تو بھلا مجکو نظر کیا آتی
شکل دیکھی نہ شبِ ہجر قضا کی میں نے

مجھ سے درباں نے کہا "اور کوئی گھر دیکھو!"
درِ دلدار پہ جا کر جو صدا کی میں نے

مہر۔ یہ اُنکی نئی شرم۔ نئی شوخی ہے
کم نگاہی کو وہ کہتے ہیں "حیا کی میں نے"

مری فغاں سے تو ہجر کی شب - اِدھر کی دنیا اُدھر ہوئی ہے
مگر یہ اُن سے بھی کوئی پوچھے اُنھیں بھی اسکی خبر ہوئی ہے؟

ڈریں پسِ مرگ کس لئے اب - کہ عشق میں جیتے جی بھی ہم پر
یہی ستم عمر بھر رہے ہیں - یہی جفا عمر بھر ہوئی ہے

جو مہربان تو رہا عدو پر - تو مجھ پہ احسان کیا ہے اسکا
مرے بھی دل پر کبھی ستمگر - تری کرم کی نظر ہوئی ہے؟

جدھر پڑی یہ جدھر یہ پہونچی - اُدھر اُٹھائے ہیں اس نے فتنے
ابھی تو اک تو ہی فتنہ گر تھا - اب آنکھ بھی فتنہ گر ہوئی ہے

کہاں نہیں کس طرف نہیں اب - ترے ستم میرے غم کی شہرت
یہاں ہوئی ہے - وہاں ہوئی ہے - اِدھر ہوئی ہے اُدھر ہوئی ہے

اب اور الزام کس کو دیں ہم - نہ اشک بہتے نہ راز کھلتا
ہماری اُلفت کی پردہ در تو - ہماری ہی چشم تر ہوئی ہے

نظر بھی آئی جو دن کی صورت - تو یوں شبِ انتظار آئی
سفید آنکھیں ہوئیں جب اپنی - تو ہم نے جانا سحر ہوئی ہے

ہمارے آگے جو اب جھکی ہے - تو کیوں حیا اسکو ہم سمجھ لیں
لڑی ہے یہ غیر کی نظر سے - تری نظر کو نظر ہوئی ہے

یہ پوچھتے کیا ہو مجھ سے اب تم "کہاں سے آتے ہیں ہم بتاؤ"؟
تمھارے جانے کی غیر کے گھر - مجھے خبر پیشتر ہوئی ہے

کہی بھی کیا ایسی تم سے اس نے - جو اس قدر ہے ملال تمکو
بتاؤ تو کچھ ہمیں بھی آخر - عدو سے کس بات پر ہوئی ہے؟

جو میری حسرت - عدو کی خواہش میں فرق سمجھو تو میں بھی جانوں
تمھیں بھی انکی پرکھ ہوئی ہے - تمھیں بھی اتنی نظر ہوئی ہے

کسی کے دیدار کی تمنا ہوئی ہے کیا دل میں آج پیدا

یہاں تو قہر اپنی زندگی ہی۔ اِس آرزو میں بسر ہوئی ہے

وہ دل کو چُراتے ہی لگے آنکھ چُرانے
اِس سے یہی مطلب ہے کوئی چور نہ جانے

دل لے ہی لیا اُس بُتِ کافر کی ادا نے
اب کیا ہے جو تاکا تکرِ ہوش رُبا نے

باقی نہ رہی اب اِسے اُلفت کی تمنا
وہ ظلم پڑے ہیں دلِ شیدا کو اُٹھانے

دی حشر میں بے جُرمیٔ قاتل کی گواہی
آفت کی محبت نے۔ قیامت کی وفا نے

آنکھوں میں نہیں دل میں نہیں گھر میں نہیں تم
کیا کر لئے اب اور کہیں اپنے ٹھکانے؟

اُمیّد تو ہے تو مجھے مل جائے جو مانگوں
کیا کچھ نہ دیا مانگنے والوں کو خدا نے

رکھّا ہے وہاں میری کدورت کے سوا کیا
جاتے ہو دلِ غیر میں کیوں خاک اُڑانے

عُشاق نے پائے درم داغ ہزاروں
کیا عشق کی سرکار میں لُٹتے ہیں خزانے؟

جس شوخ پہ جان اپنی نکلتی ہے اُسے قہر
ہم جانتے ہیں۔ وہ ہمیں جانے کہ نہ جانے

ناصح مجھے لُوٹا ہے کسی ہوش رُبا نے
کیا ہوش سے یُوں کام نہیں ہوش ٹھکانے

وہ غیر کے ساتھ آئے ہیں ملنے کے بہانے
مارا ہے بڑا تیر مری آہِ رسا نے

چلتے تو ہیں اے دل ترا ہم حال سُنانے
آگے تری قسمت ہے۔ وہ مانے کہ نہ مانے

دل ہاتھ پڑا جبکے اُسی نے اِسے لُوٹا
شوخی کے تو شوخی نے۔ حیا کے تو حیا نے

تھی موت ہماری بُتِ کافر کا تغافل
جب اُس نے بھُلایا تو کیا یاد خدا نے

چھُو کر جو چلی باغ میں دامن کو تمھارے
سو ناز کئے اپنے مقدّر پہ صبا نے

وعدہ تو نہ لُوں اور دل اپنا انھیں دیدوں
کیا خوب۔ زمانے میں وہی تو ہیں سیانے

مرجاؤں اگر ہیں تو وہ عاشق مجھے جانیں
مارا مجھے بے موت اِسی شرطِ وفا نے

وہ آنکھ ہو کیا دل کے مُقابل جسے ہر بار
شوخی نے اُبھارا ہو۔ جھُکایا ہو حیا نے

جاتے ہو کہاں دیکھ کے زخمِ دلِ پُر خوں
ٹھہرو۔ ابھی ہیں داغِ جگر اور دکھانے

کیا خاک کہے قہر شبِ غم کا فسانہ
اُس شوخ سے۔ سُنتا نہیں جو ایسے فسانے

جو بات ہے بلا کی وہ اُس فتنہ گر میں ہے
شوخی نگاہ میں ہے شرارت نظر میں ہے

رکھّا ہی کیا اب اور تمھاری نظر میں ہے
جو تیر ہے وہ تیر ہمارے جگر میں ہے

کیا جانتا نہیں ہوں کہ مدِّ نظر ہے دل
جس پر تری نظر ہے وہ میری نظر میں ہے

پامال کر چکے مجھے ۔ اب اُسکو روندیئے
اِک فتنۂ خرام ابھی رہگذر میں ہے

میری طرف ہے اور ۔ عدو کی طرف ہو اور
کیا دُوسری نظر بھی تمھاری نظر میں ہے؟

سمجھاؤں کس طرح دلِ پابندِ عشق کو
میرے اثر میں ہو کہ وہ اُسکے اثر میں ہے؟

کافر تری نظر بھی کہیں کچھ ۔ کہیں ہے کچھ
ناوک اگر ہے دل میں ۔ تو برچھی جگر میں ہے

اِس میں حیا کہاں ۔ یہہ حیا سے جھکی نہیں
شرمِ جفا مگر تری نیچی نظر میں ہے

وہ دن گئے کہ آنکھ سے بہتا تھا خونِ دل
اب بوند بھی لہو کی کہاں چشمِ تر میں ہے

کیوں پوچھتا ہے دردِ محبت کو بار بار
اِس کا علاج کیا ذہنِ چارہ گر میں ہے

کیا سمجھے قہر کوئی کسی کی نگاہ کو
ہے آنکھ میں نظر کہ قیامت نظر میں ہے

نظم

ہزاروں ہیں آنکھوں میں گھر کرنے والے
نہیں ایک دو بھی بسر کرنے والے

جو کچھ ہم پہ گزری وہ تو نے بھی دیکھی!
اِدھر سے نگاہیں اُدھر کرنے والے

جُدائی کی راتیں بسر کر رہے ہیں
جُدائی کی راتیں بسر کرنے والے

مرے بختِ خفتہ کو کیونکر جگائیں
شبِ وصل سو کر سحر کرنے والے

تڑپ جاؤ تم بھی جو دل تھام کر ہم
کریں چار نالے اثر کرنے والے

تم اپنی نزاکت سے ہُشیار رہنا
یہہ گیسو ہیں دُہری کمر کرنے والے

طوالت شبِ ہجر کی کم نہ ہوگی
بسر کر ہی لیں گے بسر کرنے والے

کبھی تم سے آنکھیں ملاتے نہیں ہیں
مرے حالِ دل پر نظر کرنے والے

خدا جانے پورا کریں قول کب تک
یہہ دن رات شام و سحر کرنے والے

مُعافی محبت کی میں چاہتا ہوں
کریں درگزر ۔ درگزر کرنے والے

ادھر بھی کرم کی نظر ہو کسی دن
کرم کی نظر غیر پر کرنے والے

نہ بیٹھیں کبھی چین سے اپنے گھر میں
الٰہی ہیں در بہ در کرنے والے

بُرے حال سے بھی۔ بھلے حال سے بھی
گزر کر رہے ہیں گزر کرنے والے

کوئی طالب دید حاضر ہے در پر
خبر انکو کر دیں خبر کرنے والے

بجھے۔ قہر دل دے کے دیتا جگر بھی
نظر کیوں چرائی نظر کرنے والے

یہ ارماں کوئی اب ناوک فگن آسان نکلتا ہے
بڑی مشکل سے دل میں ڈوب کر پیکاں نکلتا ہے

محبت میں ہیں اسکی کوششیں بے فائدہ اے دل
کہیں حسرت نکلتی ہے، کہیں ارماں نکلتا ہے

ٹپکتے ہیں کسی کے ہجر میں کیا ایک دو آنسو
یہاں تو چشم تر سے رات دن طوفاں نکلتا ہے

اسے دیکھا ہے ہم نے خوب بنے دیدۂ دل میں
وہ جب گھر سے نکلتے ہیں وہ گھر ویراں نکلتا ہے

نکلتی ہیں عدو کی حسرتیں تو آئے دن کیا کیا
کبھی بھولے سے میرا بھی کوئی ارماں نکلتا ہے

نہ ملتا تھا جسے پانی بھی قاتل تیرے ترکش میں
وہ ناوک میرے زخم دل سے خوں افشاں نکلتا ہے

یہ آخر حال کیا ہے انکے بیماران الفت کا
سمجھتے ہیں وہ زندہ جسکو وہ بے جاں نکلتا ہے

بھلا کیونکر نہ حیرت ہو وہ صورت دیکھکر مجھکو
کہ آئینے میں جبکا عکس بھی حیراں نکلتا ہے

اسے وہ غیر سے پوچھیں وہی اسکو بتائے گا
نکلتا ہے تو کس ارمان سے ارماں نکلتا ہے

ترے خنجر بھی مانگی ہیں دعائیں ہیں نے جینے کی
کہیں مجھ سا کوئی بیداد کا خواہاں نکلتا ہے

اسے بھی لوگ نوک خار پر اک گل سمجھتے ہیں
جو دل سے کوئی اشک خوں سر مژگاں نکلتا ہے

تری لکنت مجھے اسکا یقیں آنے نہیں دیتی
کہ ٹکڑے ہوکے منہ سے وصل کا پیماں نکلتا ہے

نہ دیکھا قہر نے اک رات بھی وہ چاند سا چہرہ
نکلنے کو تو یوں اکثر مہ تاباں نکلتا ہے

تمھارے دشمنوں پر یہ قیامت کیا گزرتی ہے
کبھی دامن مسکتا ہے کبھی کاکل بکھرتی ہے

اشارہ کرکے اب چشم سخنگو کیوں مکرتی ہے
اسے آخر ہے ڈر کسکا وہ آخر کس سے ڈرتی ہے

ادا لیتی ہے دل۔ تیغ ادا دل میں اترتی ہے
یہ اپنا کام کرتی ہے۔ وہ اپنا کام کرتی ہے

زباں کیوں شکوۂ آزار و غم کا قصد کرتی ہے
بتائے گا اسے دل ہی جو کچھ دل پر گزرتی ہے

بتوں پر ایک دے کر ہیں کیا جان دیتے ہیں
نہ سچّی ہے زباں تیری - نہ اچھّی ہے نگہ تیری
مری فریاد کیا دل سے سُنے تو - سُن نہیں سکتا
تری تصویر تو مغرور تجھ سے بھی سوا نکلی
کیا وعدہ جو تُو نے حشر کا تو حشر ہوں لاکھوں
تصور ہر گھڑی مجکو رہے گا اچھّی صورت کا
جو دنیا سے نرالی ہے وہ کافر زلف ہے تیری
کسی کو کیا خبر کیا جانے کس کو دل دیا ہم نے
الٰہی کیوں نہ لکھ دی غیر کی قسمت میں وہ تُو نے
نکلنا بحرِ غم کی تہ سے مشکل ہے دلِ محزوں
تمھارے بیقراروں کو سکوں حاصل نہیں ہوتا
تلوّن ہے تری کاکل میں بھی تیری طبیعت کا

زمانہ اِن پہ مرتا ہے - خدائی اِن پہ مرتی ہے
یہ وعدے سے پلٹتی ہے - وہ پیماں سے مکرتی ہے
تری زلفِ دوتا ہر وقت تیرے کان بھرتی ہے
نہ میری بات سُنتی ہے - نہ مجھ سے بات کرتی ہے
کہیں اک دن کے ملنے سے طبیعت اپنی بھرتی ہے
نگاہوں پر جو چڑھتی ہے وہ کب دل سے اُترتی ہے
سنوارے سے بگڑتی ہے - بگاڑے سے سنورتی ہے
یہ دُنیا کیوں ہماری عاشقی کو نام دھرتی ہے
تڑپتے لوٹتے جو رات فرقت میں گزرتی ہے
ارے ناداں کہیں ڈوبی ہوئی کشتی اُبھرتی ہے؟
تڑپ اُٹھتا ہے دل جس دم طبیعت کچھ ٹھہرتی ہے
گھڑی بھر میں بگڑتی ہے - گھڑی بھر میں سنورتی ہے

لکھوائے مہر تم بھی نوحؔ[1] کے داماد کا سہرا
خوشی کے وقت اظہارِ خوشی مخلوق کرتی ہے

کیا زمیں پکڑی ہے جھک کر آسمانِ پیر نے
کب دیا مجکو سہارا آہِ پُر تاثیر نے
شرم کا قبضہ ہوا اُنکی نگاہِ شوخ پر
معترض ہیں آپ ناحق جذبِ حُسن و عشق پر
ناخنِ تدبیر کیا کھولے ترے دل کی گرہ
دل جلوں کی خاک کی تاثیر جاتی ہے کہاں
اک فقط میں ہی نہیں خاموش اسکو دیکھکر
اب خطاؤں کے سوا کرتا نہیں ہیں اور کام

نالہ کس دل سے کیا تھا عاشقِ دلگیر نے؟
جو ہوا تقدیر سے - جو کچھ کیا تقدیر نے
مار ڈالا اڑک کر اس چلتی ہوئی شمشیر نے
تیر کو چھوڑا کبھی دل نے کہ دل کو تیر نے؟
یہ تو ہے وہ پیچ جو ڈالا مری تقدیر نے
دل مسخّر کر لیے اِس سُرمۂ تسخیر نے
کر دیا تصویر تجکو بھی تری تصویر نے
یہ مری عادت بگاڑی لذتِ تعزیر نے

[1] جناب محمد نوح صاحب نوحؔ رئیس و تعلقہ دار نارہ - ضلع الہ آباد -

منتظر کب تک رہوں تیرا شبِ غم اے اجل
قید ہو کر میں زمین کوئے جاناں سے چلا
بلکہ ان دونوں نے مجکو محوِ حیرت کر دیا
خاکساری کی بدولت کس قدر پایا عروج

مار ڈالا جیتے جی مجکو تو اِس تاخیر نے
آسماں سر پر اُٹھایا نالۂ زنجیر نے
آپ کی تقریر نے اور آپ کی تحریر نے
کر دیا انسان کو اکسیر اِسی اکسیر نے

مہر وصلِ یار کی تدبیر تو ممکن نہ تھی
مجکو تو اُس سے ملایا ہے مری تقدیر نے

غمِ اُلفت میں اسکو لطف کیا معلوم ہوتا ہے
لبِ خاموش ناکام دعا معلوم ہوتا ہے
کوئی عاشق کوئی دل سے فدا معلوم ہوتا ہے
جبیں پر اسطرف بل اُس طرف ابرو بھی تنتے ہیں
قیامت جسکو کہتے ہیں ابھی آئی نہیں جاتی
نظر آتا ہے میرے دل میں ارماں یا نہیں آتا
خضر کی رہنمائی کیا ہمارے کام آئے گی
مری آنکھوں نے دیکھی ہے بہت کچھ عشق کی دنیا
عزیزِ دل سمجھتے ہیں ہم اُنکے دردِ اُلفت کو
کسی سے عرضِ مطلب بھی ہم اِس پہلو سے کرتے ہیں
ابھی ناخوش۔ ابھی خوش پھر ابھی خوش پھر ابھی ناخوش
وہی اُلفت میں لطفِ دوستی سے خوب واقف ہیں

جو اُس سے خوش دلِ درد آشنا معلوم ہوتا ہے
جو یہ سچ ہے تو اپنا خاتما معلوم ہوتا ہے
جسے دیکھو وہ اُسکا مبتلا معلوم ہوتا ہے
ادھر خنجر۔ اُدھر خنجر رکھا معلوم ہوتا ہے
ترا وعدہ بہت صبر آزما معلوم ہوتا ہے
نہیں معلوم ہوتا تمکو یا معلوم ہوتا ہے؟
وہ راہِ عشق سے نا آشنا معلوم ہوتا ہے
خوشی کم اور اِس میں غم سوا معلوم ہوتا ہے
یہ جتنا جانگزا ہے جانفزا معلوم ہوتا ہے
کہ اک قصہ ہمارا مدعا معلوم ہوتا ہے
وہ ظالم ہر گھڑی بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے
جنھیں تیرا ستم تیری ادا معلوم ہوتا ہے

اب احساں لینے یا اپنے ستم اُٹھواؤ تم اِس سے
تمھارے ہاتھ میں دل مہر کا معلوم ہوتا ہے

کوئی جس روز سے ہم سے خفا معلوم ہوتا ہے
انھیں کیوں اس کا سُن لینا بُرا معلوم ہوتا ہے
کہا جب اُس نے دشمن باوفا معلوم ہوتا ہے

زمانے کا ورق اُلٹا ہوا معلوم ہوتا ہے
ہمارا مدعا کب مدعا معلوم ہوتا ہے
یہی کہنا پڑا۔ جی ہاں بجا معلوم ہوتا ہے

تری بیداد پر کچھ تو سمجھ کر جان دیتا ہوں
وگرنہ یوں کسے مرنا بھلا معلوم ہوتا ہے

سُنیں کیونکر نہ وہ اپنے ستم کی داستاں ہم سے
گلوں میں لُطف شکووں میں مزا معلوم ہوتا ہے

کوئی دل سا بھی تُو نے سادہ دل دیکھا محبت میں
اِسے تیرا ستم تیری وفا معلوم ہوتا ہے

نمود اپنی نہ تھی مدِّ نظر تو کیوں چھپا کوئی
ہمیں تو وہ نہایت خود نما معلوم ہوتا ہے

مقابل اپنے دل کے رکھ کے تم دیکھو مرا دل بھی
یہہ کیا معلوم ہوتا ہے۔ وہ کیا معلوم ہوتا ہے

کروں میں کس طرح اُس سے گلہ اُسکی جدائی کا
جو ہو دل میں وہ کب دل سے جُدا معلوم ہوتا ہے

عدو میں اور اُن میں تفرقہ پڑنا نہیں مشکل
یہہ ملنا بھی کوئی دن کی ہوا معلوم ہوتا ہے

جدائی میں یہانتک زندگی سے تنگ آیا ہوں
کہ اب اِسکا وفا کرنا جفا معلوم ہوتا ہے

کوئی کہتا ہے محشر کوئی جنّت اُسکے کوچے کو
مگر مجکو وہ دونوں سے سوا معلوم ہوتا ہے

سرِ محشر دکھائے کس نے اپنے داغِ دل ہم اگر
کہ خورشیدِ قیامت ڈوبتا معلوم ہوتا ہے

محبت میں نہ کھائے جب تک اُس کے ہاتھ سے خنجر
تڑپنے کا کہیں اے دل مزا معلوم ہوتا ہے؟

نہیں معلوم کیونکر مہر نے تیری اطاعت کی
بظاہر تو وہ دل کا بادشا معلوم ہوتا ہے

وُہی اُسکو بتائے گا وہ کیا معلوم ہوتا ہے
جسے اچھا بُرا۔ اچھا بُرا معلوم ہوتا ہے

مرا شُکرِ جفا اُن کو گلا معلوم ہوتا ہے
وہ اچھے ہیں کہ اچھا بھی بُرا معلوم ہوتا ہے

بہت دلچسپ دل کا مُدّعا معلوم ہوتا ہے
نہیں معلوم تمکو کیوں بُرا معلوم ہوتا ہے

عدو کیا جانے کیوں اُنکو بھلا معلوم ہوتا ہے
ہمیں تو وہ بُرے سے بھی بُرا معلوم ہوتا ہے

جسے عالم کہے اچھا جسے دنیا کہے بہتر
بُروں کی آنکھ میں وہ بھی بُرا معلوم ہوتا ہے

اگر جینا نہیں اچھا تو مرنے کیوں نہیں دیتے
مرا مرنا بھی کیا تمکو بُرا معلوم ہوتا ہے

وہ میری آرزو سنکر بگڑتے ہیں۔ اُکھڑتے ہیں
ذرا سی بات پر کیا کیا بُرا معلوم ہوتا ہے

نہیں اُلفت عدو سے تو عدو کے ذکرِ اُلفت سے
وہ کیوں چڑتے ہیں انکو کیوں بُرا معلوم ہوتا ہے

اِسی ڈر سے کبھی دل کو بھی میں اچھا نہیں کہتا
کہیں تم یہہ نہ کہہ بیٹھو۔ بُرا معلوم ہوتا ہے

عیادت بھی مری کرتے ہیں پھر وہ یہہ بھی کہتے ہیں
ترا جینا تو اب ہمکو بُرا معلوم ہوتا ہے

جو طے کرنے ہوں جھگڑے تو کسی دن مل کے طے کر لو ۔ ہمیں یہہ روز کا قصّہ بُرا معلوم ہوتا ہے

وہ مجھ سے پوچھتے ہیں غیر میں آخر بُرائی کیا ۔ بُرائی اور کیا ہے وہ بُرا معلوم ہوتا ہے

ہمارا حال کب اے چارہ گر اچّھا نظر آیا ۔ بُرا معلوم ہوتا تھا۔ بُرا معلوم ہوتا ہے

وہ اچّھا ہے تو اچّھا کیوں نہیں دُنیا کی نظروں میں ۔ بُرا ہے جو وہی سب کو بُرا معلوم ہوتا ہے

بُرا معلوم ہوتا ہے ستم۔ یہہ سُنکے وہ بولے ۔ چلو جاؤ بھی۔ بیٹھو بھی۔ بُرا معلوم ہوتا ہے!

وہ یوں حالِ دلِ بیمار کو اچّھا کہے جائیں ۔ نگاہیں تو یہہ کہتی ہیں بُرا معلوم ہوتا ہے

بتا ناصح تجھی سے پوچھتا ہوں کیا علاج اِسکا ۔ جو اچّھا مجکو ہے تجکو بُرا معلوم ہوتا ہے

مرے دل پر کئے لیتے ہیں قبضہ وہ یہہ کہہ کر ۔ یہہ اچّھا گھر ہے۔ یہہ خالی بُرا معلوم ہوتا ہے

کبھی اپنے کرم کو بھی شریکِ جور کرنا تھا ۔ کہ یکساں حال تو سبکو بُرا معلوم ہوتا ہے

جو سچ پوچھو تو دُنیا میں کہاں دل کا سا ویرانہ ۔ مگر وحشت میں یہہ بھی تو بُرا معلوم ہوتا ہے

اِسی سے تو کسی کو نیم بسمل وہ نہیں رکھتے ۔ تڑپنا۔ لوٹنا اُنکو بُرا معلوم ہوتا ہے

خلش میں ہم نے مانا لطف ہے پھر بھی ہیں دل میں ۔ کھٹکنا خارِ حسرت کا بُرا معلوم ہوتا ہے

جو ہے دل کا تقاضا تو وفائیں پھیر لو اپنی ۔ مجھے احسان اوچھے کا بُرا معلوم ہوتا ہے

بظاہر وہ ہمیں معلوم ہوتے ہیں بہت اچّھے ۔ مگر کچھ ہم سے اُنکا دل بُرا معلوم ہوتا ہے

جنابِ قہر ہم کب تک بُرا کہنا سُنیں آخر
بس اب خاموش بھی رہیئے۔ بُرا معلوم ہوتا ہے

کیا کہیں کیا عشق میں ہم عمر بھر دیکھا کئے ۔ جو دکھایا دل نے قصّہ مختصر دیکھا کئے

جو زمانے میں زمانے کی نظر دیکھا کئے ۔ دیکھکر تیری نظر میرا جگر دیکھا کئے

یوں کیا ہم نے تصور آپ کا۔ یوں انتظار ۔ جانبِ دیوار دیکھا۔ سوئے در دیکھا کئے

ہائے اب اُس دل کو ویراں دیکھتی ہے اپنی آنکھ ۔ جس میں ہم برسوں کسی کو جلوہ گر دیکھا کئے

ہجر کی شب دید کے قابل تھا اپنا اضطراب ۔ شام سے اُٹھ اُٹھ کے آثارِ سحر دیکھا کئے

میرا حالِ زار بھی اُنکو تماشا ہو گیا ۔ داغِ دل دیکھا کئے۔ داغِ جگر دیکھا کئے

اور کیا دیکھا کئے ہم آسماں کو دیکھکر ۔ آہ کی تاثیر۔ نالوں کا اثر دیکھا کئے

کم نگاہی کی شکایت پر شرارت دیکھنا
وہ مجھے آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر دیکھا کئے

ہیں زمانے میں اگر تو ہیں وُہی اہلِ نظر
جو نگاہِ غور سے تیری نظر دیکھا کئے

جب نہ کچھ تدبیر سُوجھی جب نہ کچھ دیکھا علاج
مُنھ مرے زخمِ جگر کا چارہ گر دیکھا کئے

دیکھتے رستہ اُنھیں کا ہم یہ ہم نے کیا کیا
بھیجکر خط اُن کو راہِ نامہ بر دیکھا کئے

اُنکو کیا معلوم کیا گُزری ہماری جان پر
بزم میں جس دم ادھر سے وہ اُدھر دیکھا کئے

وہ تو دل تاکا کئے آنکھیں بچا کر بزم میں
اور ہم اُنکی نگاہوں کا ہُنر دیکھا کئے

تھا تصوّر میں جو اُن کا رُوئے روشن رات بھر
قہر اپنے دل میں اِک رشکِ قمر دیکھا کئے

شریر اُنکی نگاہِ شرمگیں معلوم ہوتی ہے
یہ سیدھی ہو کے بھی سیدھی نہیں معلوم ہوتی ہے

نہیں اُنکی یہانتک دلنشیں معلوم ہوتی ہے
وہ ہاں کہتے ہیں جب بھی تو نہیں معلوم ہوتی ہے

کرو معلوم تو کھُل جائے حسرت اہلِ اُلفت کی
نہیں معلوم کرتے ہو نہیں معلوم ہوتی ہے

کہوں کیا صورت آزار و جفا و جور کی ناصح
مری صورت سے کیا تجکو نہیں معلوم ہوتی ہے؟

مٹائے کیا خوشی عہدِ وفا پر عاشقِ مضطر
ترے دل میں بھی پوشیدہ نہیں معلوم ہوتی ہے

ٹپکتی ہے مرے دل کی تمنا میری آنکھوں سے
نہیں معلوم تمکو کیوں نہیں معلوم ہوتی ہے

یہانتک اب مرے دشمن کی اُلفت کا اثر پہونچا
تری صُورت۔ تری صُورت نہیں معلوم ہوتی ہے

جنابِ خضر کیوں عمرِ ابد پر جان دیتے ہیں
اُنھیں کیا زندگی اچھّی نہیں معلوم ہوتی ہے

بھلا یا کس طرح پھر حُسنِ عالم سوز نے عالم
یہ چنگاری سُلگتی تو نہیں معلوم ہوتی ہے

گُزرتی ہے جو بزمِ غیر میں سب جانتا ہُوں میں
تمھیں معلوم ہے تجکو نہیں معلوم ہوتی ہے

کروں اب کس طرح دعوت خدنگِ نازِ جانانکی
لہُو کی بُوند بھی دل میں نہیں معلوم ہوتی ہے

جنابِ قہر وعدہ تو کیا ظالم نے مِلنے کا
مگر ایفا کی صُورت کچھ نہیں معلوم ہوتی ہے

وصل کی رات بھی ارمان نکالے نہ گئے
ہو گئی صبح ترے حیلے حوالے نہ گئے

تیز خنجر مرے دل پر جو سنبھالے نہ گئے
زخم کیا کیا نگہِ ناز سے ڈالے نہ گئے

جب سنا انکو جبھی اس نے جگر تھام لیا — کبھی خالی دلِ بیتاب کے نالے نہ گئے

مثلِ موسیٰ انھیں ارمانِ تجلیؔ نہ رہا — جانبِ طور ترے دیکھنے والے نہ گئے

داغ ڈالے گئے تم سے مرے دل میں کیونکر — قبر پر تو کبھی دو پھول بھی ڈالے نہ گئے

چبھ گئے پانو میں کانٹے تو نکالے لیکن — خارِ حسرت دلِ مضطر سے نکالے نہ گئے

مل گئے خاک میں سب اشکِ محبت گر کر — چشمِ تر سے مری یہہ طفل بھی پالے نہ گئے

شبِ وعدہ بھی کٹی۔ روزِ جزا بھی گزرا — حیلہ جو کے وہ مگر حیلے حوالے نہ گئے

یوں تو دم بھر بھی ٹھہرنا ہے قیامت انکو — اڑ گئے جب مرے دل پر تو وہ ٹالے نہ گئے

رہ گئے ٹوٹ کے وہ بھی سرِ دشتِ غربت — میرے ہمراہ مرے پانو کے چھالے نہ گئے

داغ دل۔ دردِ جگر۔ شکوۂ غم۔ رشکِ رقیب
پھر اُس انجمنِ ناز سے کیا لے نہ گئے

بے پر قفس میں۔ باغ میں بے آشیاں رہے — برباد ہی جہاں میں رہے ہم جہاں رہے

میں تو وہ ہوں کہ جب مرے لب پہ فغاں رہے — سو آسماں بھی ہوں تو نہ اک آسماں رہے

اللہ رے ضبطِ غم۔ نہ کھلا رازِ غم کبھی — منھ میں زبان رکھ کے بھی ہم بے زباں رہے

لی جان تم نے جنکی ہوئے وہ شہیدِ عشق — حسرت ہے بسملوں پہ کہ یہہ نیم جاں رہے

کیا چھیڑ ہے۔ رہے تو وہ خود بزمِ غیر میں — مجھ سے یہہ پوچھتے ہیں کہ کل تم کہاں رہے؟

اچھا ہو دل کے دام جو دل ہی سے پوچھ لو — میری زباں رہے۔ نہ تمھاری زباں رہے

پھر کوئی کیا دلائے یقینِ وفا انھیں — سر کاٹ کر بھی جب ہوسِ امتحاں رہے

کس کو خبر ہے اُٹھ کے یہہ نیچی نظر تری — دل میں نہاں رہے۔ کہ جگر میں نہاں رہے

آئے گا دورِ چرخ سے ایسا بھی ایک دن — جب مجھ پہ مہرباں کوئی نا مہرباں رہے

پوچھیں جو مجھ سے وہ۔ رہے تیرِ نظر کہاں؟ — میں دل پہ ہاتھ رکھ کے یہہ کہدوں یہاں رہے

ٹکڑے اُڑیں جگر کے کہ ہو پاش پاش دل — کچھ ہو تمھاری تیغ مگر خوں چکاں رہے

نکلی جو سوزِ دل سے شبِ غم وہ آگ تھی — یوں تو کئی پہاڑ بھی آتش فشاں رہے

دیتے نہیں جو آپ ہی دل میں اُسے جگہ
پھر کہیئے مہرِ بے سروساماں کہاں رہے؟

ہم رہ گئے نظر کو جگر میں لئے ہوئے
چلتے ہُوئے وہ دل کو نظر میں لئے ہُوئے

تھی میری خاک ہی جو اُڑانی تو لے صبا
پھرتی کسی کی راہ گذر میں لئے ہُوئے

دیکھوں ۔ اِدھر تو دیکھو ۔ مرا دل نہو کہیں
ہے کچھ تمھاری آنکھ نظر میں لئے ہُوئے

برسوں کسی کا شوقِ نظارہ پھرا کیا
میری نظر کو روزنِ دَر میں لئے ہُوئے

تیرے مریضِ عشق کی ہے بس وُہی دَوا
تاثیر زہر ہو جو اثر میں لئے ہُوئے

اے دردِ دلکو لے کے وہاں کس طرح چلوُں
دل میں لئے ہُوئے ۔ کہ جگر میں لئے ہُوئے؟

دیکھو عُدو کو شوق سے ۔ لیکن یہ شرط ہے
میری نظر کو اپنی نظر میں لئے ہُوئے

تم چلتے وقت پانو تو رکھّو زمین پر
پھرتے رہو غرور کو سر میں لئے ہُوئے

کیا بدگماں ہیں کہ خود بھی چلے ہیں مہر
ہمراہ نامہ بر کو سفر میں لئے ہوئے

(ردیف اللام)

اُٹھائیں وہ قیامت کیوں نہ پھر مستانہ چالوں سے
کہ ملتی ہیں دُعائیں ہر قدم پر پائمالوں سے

صبا یوں چھیڑ کرتی پھر نہ ہم آشفتہ حالوں سے
اگر پڑتا اُسے پالا پریشاں کرنے والوں سے

چُرائیں تو نے کیوں محفل میں آنکھیں بیٹھنے والوں سے
جھکایا کیوں سر اے ساقی اُٹھیں وہ پی کے پیالوں سے

کھلی جاتی ہے کیوں دل میں ۔ کھلے ہیں کب لئے بلبل
جگر ٹکڑے ہُوا ہے اِن گلوں کا مسکا لوں سے

مسیح و خضر کے جینے کا یہ انجام ہوتا ہے
مریں گے رشک کھا کر تمھارے مرنے والوں سے

بہارِ گُل چمن کے رہنے والوں کو مُبارک ہو
بھلے پھولے ہیں ہم بھی اے جنُوں تلووں کے چھالوں سے

مرا دل کیوں نہ روئے میرے اشکوں کے نکلنے پر
کہ ہوتا ہے جُدا یہ بھی تو ان نازوں کے پالوں سے

جلاتا ہے اگر سوزِ دروں تو غم نہیں مجکو
کلیجا تو مرا ٹھنڈا ہی میرے دل کے چھالوں سے

یہ کب سُنتے ہیں انکے سامنے رونے سے کیا حاصل
کہیں دلِ بُتوں کے دل میں گھر ہوتا ہے نالوں سے

قیامت کا تو وعدہ اُنکے ٹالے ٹل نہیں سکتا
قیامت تک ہی ٹالے جائیں وہ حیلے حوالوں سے

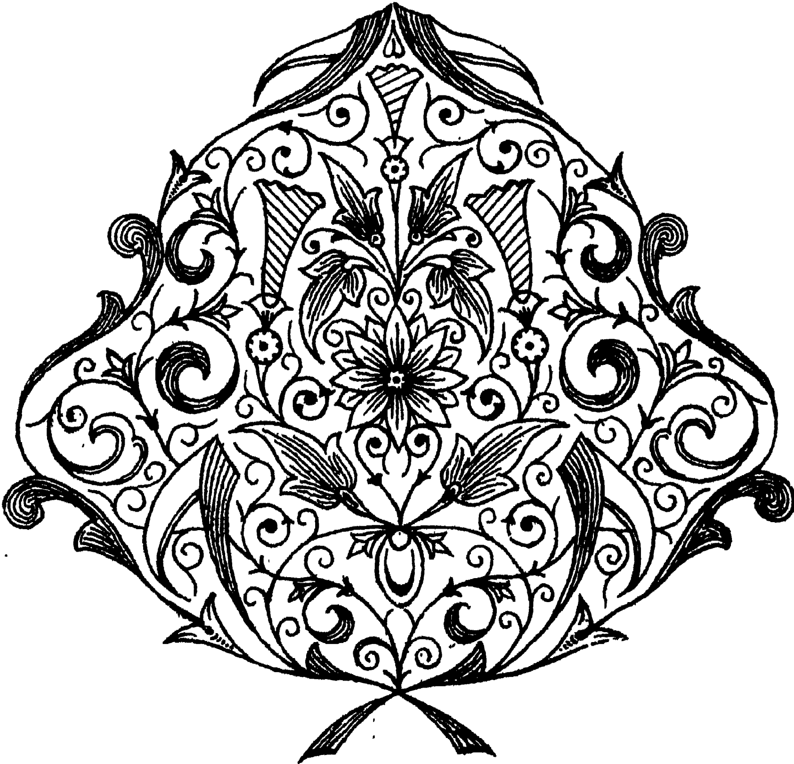
جو تھم تھم کر ذرا پانی بھی اُس پر پھر گیا تو کیا
سنبھلتا ہے مریضِ غم کوئی ایسے سنبھالوں سے

یہہ میں ہی تھا کہ دل ٹکڑوں میں آکر دیدیا تمکو
وہ دشمن ہے بھلا تم لے تو لو دل اُسکا چالوں سے

ہمیں اِس آستاں پر اِسنے پہلے بھی تو دیکھا ہے
اُلجھتا ہے تمھارا پاسباں کیوں دیکھے بھالوں سے

لڑائی بھی محبت کی نہ دیکھی حُسن سے خالی
لڑا کرتی ہیں آنکھیں عاشقوں کی مہ جمالوں سے

نہو رشکِ تصنُّع کس طرح یہہ سادگی اپنی
زباں سیکھی ہے آخر قہر ہم نے دِلّی والوں سے



مُسدّسات

مسدّس بہ تہنیتِ جشنِ تاجپوشیٔ اعلیحضرت قدر قدرت شاہِ برطانیۂ انگلستان شہنشاہ و قیصرِ ہندوستان مَلکِ مُعظّم ہزمیجسٹی ہنری جارج پنجم دام اقبالہٗ و مُلکہٗ

پھر یہ نویدِ بُلبُلِ شیدا سُنا گئی
پھر دورِ رنگِ حُسن کلی کھِل کے پا گئی
پھر ہند میں بہار نئے سر سے آ گئی
پھر برق چمکی پھر وُہی بدلی بھی چھا گئی
پھر ہر طرف چمن میں ترانے طرب کے ہیں
پھر سب کے دل میں جوش پہ ارمان سب کے ہیں

موسم خزاں کا موسمِ گُل سے بدل گیا
اچھی گھڑی اب آئی۔ بُرا وقت ٹل گیا
بُلبُل کے دل سے خارِ تمنا نکل گیا
جنگل میں بھی جو بیٹھ گئے جی بہل گیا
پھر یہ خوشی دکھائی ہے پروردگار نے
دل کی کلی کھلائی ہے بادِ بہار نے

پھر مرغِ خوشنوا کی ہوئی بانگ دل کے پار
پھر سبزہ زار میں لبِ جُو پڑ گئی پھوآر
پھر کوئلوں کی کُوک پپیہوں کی ہے پُکار
پھر ہر طرف بکھر گئے لُولُوئے آبدار
جوبن برس رہے ہیں غضب آبشار پر
رنگینیوں کے لُطف بھی ہیں کوہسار پر

اُف رے نمودِ حُسن نظر جس طرف اُٹھی
کُہسار ہو کہ دشت ہو۔ صُورت ہے ایک سی
آنکھوں میں شکل پھرنے لگی لالہ زار کی
جنگل مہک رہے ہیں۔ کھِلی ہے کلی کلی
باغوں میں بُلبُلوں کی دعائیں قبول ہیں
ایک ایک شاخ پر کئی خوش رنگ پھول ہیں

ہے رشکِ باغِ خُلد جو ہے تختۂ زمیں
سبزہ نہیں ہے۔ فرشِ زمرّد ہے بالیقیں

چھیڑے صبا جو نکہتِ گُل کو ذرا کہیں
خوش ہو اثر سے اُسکے وہیں خاطرِ حزیں

ظاہر ہوا عُروسِ چمن کی ترنگ سے
لیتی ہے ایک دل کو یہ سو رنگ ڈھنگ سے

دامن پہ تھی جو گرد کدورت وہ دھو گئی
موتی بھی بال بال میں شبنم پرو گئی
سج کر زمیں پہ سبزے کی صورت یہ ہو گئی
گویا سنگار کر کے دُلھن کوئی سو گئی

جھونکے نسیم کے اِسے جھُولا جھُلاتے ہیں
جو دیکھتے ہیں بانکی ادا لوٹ جاتے ہیں

جوشِ نمو سے جوش پہ لُطفِ بہار ہے
ڈوبا ہُوا شباب میں ہر برگ و بار ہے
آپ اپنے رُوئے صاف کی آئینہ دار ہے
جلوہ فروش قُدرتِ پروردگار ہے

کیا دلفریب حُسن ہے دلکش جمال آج
اِک اِک نہالِ ہند ہے کیا کیا نہال آج

گُلکاریاں ہوئی ہیں یہ صحرا و کوہ پر
رنگیں چمن کھِلے ہیں جدھر دیکھئے اُدھر
ٹپکے جو پھُول چھاؤں میں تاروں کی رات بھر
بھونروں نے اُنکو گھیر لیا ہے دمِ سحر

بدمست ہو رہے ہیں کہ ہئن جھُوم جھُوم کر
رنگِ شباب لُوٹتے ہیں جھُوم جھُوم کر

رنگینیاں ہوئی ہیں چمن میں بھی بے شمار
بیلا کہیں ۔ گلاب کہیں ہے کہیں چنار
نرگس کی آنکھ دیکھتی ہے سرو کا نکھار
سو رنگ رُوپ ہیں گُلِ صد برگ پر نثار

نکلے ہیں شاخ شاخ سے گُل رنگ ڈھنگ کے
کچھ پھُول ہند کے ہیں تو کچھ ہیں فرنگ کے

سوئے ہُوئے نصیب جو ہندوستاں کے تھے
پامال ذوق و شوق جو پیر و جواں کے تھے
کیونکر کہیں کہ جور کسی مہرباں کے تھے
سچ تو یہ ہے یہ سارے کرم آسماں کے تھے

ہے شکر کی جگہ کہ پھرے اب پھر اِسکے دن
جیسے پھرے دن اِسکے پھرے اور کسکے دن

آیا بہت دنوں میں زمانہ نشاط کا — مطرب سے کہہ دو چھیڑے ترانہ نشاط کا
میکش کو مل گیا ہے بہانہ نشاط کا — پڑھتا ہے میکدے میں دوگانہ نشاط کا
مشہور نام جارج ہے جس کا جہان میں
ہے جشن آج اُسی کا یہ ہندوستان میں

سُن کر نوید جشن کی شاہی پیام سے — گھی کے چراغ ہم نے جلائے ہیں شام سے
معلوم اب ہُوا یہ ہمیں دورِ جام سے — آئے ہیں شاہ ہند میں جائے قیام سے
مقدم سے آج شاہ کے پھر دھوم ہو گئی
زندہ پھر آج دہلئ مرحوم ہو گئی

سڑکوں پہ جابجا ہیں تماشائیوں کے دل — دیکھا جدھر اُدھر نظر آئی چہل پہل
سج دھج نثار آپ ہے سج دھج پہ آجکل — دلّی کا ہر مکان بنا ہے پری محل
آنکھوں میں رنگ رُوپ کا دریا اُبل گیا
دیکھی وہ لہر بہر کہ ارماں نکل گیا

مقدم سے شاہ کے وہ سُہانے ہیں مرغزار — جی چاہتا ہے جی کو بھی کر دیجے نثار
کل تک چمن یہاں کے تھے نظروں میں خارزار — صدقے ہیں آج انکی صفائی پہ سو نکھار
بن ٹھن کے بن گئی ہے پرستان کی پری
دہلی کے آگے شرم سے کیا آئے گی پری

کیا کثرتِ ہجوم کا دہلی کی ہو بیاں — لاکھوں کروڑوں آدمی دہان ہوں جہاں
ملتے نہیں مکان ٹھہرنے کو بھی یہاں — یہ کال پڑ گیا ہے جگہہ کا کہ الاماں
پھر اس پہ اضطرابِ دلِ ناصبور کا
دیکھے ہزار آنکھ سے جلوہ حضور کا

آخر کو بڑھ کے عمرِ شبِ تار گھٹ گئی — آثارِ صبح دیکھ کے غیرت سے کٹ گئی
جس دم نقاب مہر کے رُخ سے اُلٹ گئی — چمکی وہ برقِ نور کہ ظلمت بھی ہٹ گئی
پھر اس ادا کے ساتھ ہویدا ہوئی سحر

اپنی جھلک کی آپ ہی شیدا ہوئی سحر

لو کیمپ کو جلوسِ شہانہ ہوا رواں
دیکھا نہ تھا زمین پہ گردوں نے یہ سماں
ہیں ہند کے رئیس جلو میں بہ عز و شاں
اُف - گرمیٔ ہجوم سے جاڑوں ہیں گرمیاں!

جلوہ دکھا کے شاہ نے دل شاد کر دیا
اُجڑے ہوئے دیار کو آباد کر دیا

لوٹے نظر نے جلوۂ دیدار کے مزے
رفتار کے مزے - کبھی گفتار کے مزے
لطفِ جبیں لیا - لئے رخسار کے مزے
درباریوں کو مل گئے دربار کے مزے

گزرے جو وسطِ شہر سے کایا بدل گئی
جو تھا وہ کہہ اُٹھا مری حسرت نکل گئی

برسائے فرقِ شاہ پہ سب نے چمن کے پھول
دل ہیں سمائے جب چمن کے نہ بن کے پھول
خورشید نے گرائے فلک سے کرن کے پھول
ہم نے کئے نثار ریاضِ سخن کے پھول

دیکھو وہ پھول خاک میں سب ہیں ملے ہوئے
لیکن یہ گل رہیں گے ہمیشہ کھلے ہوئے

برسوں کے بعد ہند ہے پھر ہمکنارِ عیش،
اک عمر گزری کرتے ہوئے انتظارِ عیش
ہو ہو کے شاد لوٹ رہا ہے بہارِ عیش
اِس پر نثارِ عیش تو اب یہ نثارِ عیش

ہیں جلوہ گر جو اس میں شہنشاہ تخت پر
دِلّی کو آج ناز ہے پھر اپنے تخت پر

دِلّی ہیں کیسے عیش شہِ سنتوں کے تھے
دِلّی ہیں کیسے راج کئے پرتھی راج نے
دِلّی ہیں کیسے پانڈوؤں نے کئے مزے
دِلّی ہیں کیسے طے ہوئے مغلوں سے مرحلے

کتنے یہاں بگڑ گئے - کتنے سنور گئے
جلسے ہزاروں اسکی نظر سے گزر گئے

اِس جشن کی مگر تھی بہت اسکو آرزو
بخشی جو آکے آپ نے توقیر و آبرو
اے شاہ جب تک آپ آئے تھے رُو برُو
اب اسکی آن تان کے چرچے ہیں چار سُو

؎ دسمبر کا مہینا تھا۔

اقبال و بخت نے وہ لگائے ہیں چار چاند
ایک ایک چاند پر ہیں نچھاور ہزار چاند

جس دن سے کمپنی کی عملداریاں اُٹھیں
دلجوئیاں بھی ملکۂ وکٹوریہ نے کیں

برطانیہ کا ہند کی خاتم یہ ہے نگیں
ہمدردیاں بھی قیصرِ اڈورڈ کی رہیں

آئے پیامِ لطف بھی اکثر حضور سے
لیکن عنایتیں تھیں وہ سب دُور دُور سے

عالم پناہ آپ ہیں جم جاہ آپ ہیں
ضَو میں کبھی ہیں مہر کبھی ماہ آپ ہیں

دُنیا میں ہر بشر کے ہی خواہ آپ ہیں
جتنے ہیں شاہ اُن کے شہنشاہ آپ ہیں

چھپتا نہیں ہے دَورِ حکومت میں آفتاب
آنکھوں پہ پھر ہے جلوت و خلوت میں آفتاب

لندن میں جب وہ محفلِ عیش و سرور تھی
شوقِ لقا میں سب کی نظر ناصبور تھی

جس وقت تاجپوشیٔ فرقِ حضور تھی
ہندوستانیوں کی بھی خاطر ضرور تھی

اللہ رے منصفی کہ کیا جشن ہند میں
آنکھوں نے سب کی دیکھ لیا جشن ہند میں

تشریف آپ لائے ہمارے ہی واسطے
لاکھوں روپے اُٹھائے ہمارے ہی واسطے

دن اِس قدر گنوائے ہمارے ہی واسطے
تکلیف کر کے آئے ہمارے ہی واسطے

اِحساں یہ آپ کے نہ کبھی ہم بھلائیں گے
جاہ و حشم کی خیر ہمیشہ منائیں گے

اِنصاف و عدل و جود و عنایت سے ہو گئی
اُلفت کچھ ایسی شاہ کی صورت سے ہو گئی

مسرور روح عشرت و بہجت سے ہو گئی
وابستہ خلق دامنِ دولت سے ہو گئی

آقا کے ساتھ اِن کی عقیدت کو دیکھئے
ہندوستانیوں کی محبت کو دیکھئے

اُمیدوارِ دید کوئی اِن سا ہو تو لے
یہ دید کے لئے ہیں تو دید اِن کے واسطے

جلوہ دکھایا شاہ نے لندن میں بام سے — درشن کیا جھروکے میں اب اہلِ ہند نے
اکبر کا دور سامنے آنکھوں کے پھر گیا
نظروں سے جشنِ عہدِ جہانگیر گر گیا

ساقی خیال کس کو ہے شربِ مدام کا — طالب نہیں ہے مجھ سے کوئی چند جام کا
دے پہلے جام ملکۂ میری کے نام کا — پھر جام صحتِ شہِ عالی مقام کا
پی پی کے گھونٹ بادۂ گلگوں کے بار بار
صدقے ہوں بادشاہ پر اپنے ہزار بار

دے کر دعائیں شاہ کو با صد نیاز ہم — مانگیں جنابِ خضر سے عمرِ دراز ہم
مل کر بہم سجائیں کوئی بزمِ ناز ہم — پھر پھر اُس میں گائیں یہ لے کے ساز ہم
جشنِ شہانہ آج مبارک ہو شاہ کو
دلی کا تخت و تاج مبارک ہو شاہ کو"

مسدس خیر مقدم مہمانانِ برات

خیر مقدم کے لئے مطرب نے گائی ہے بہار — کھُب گئی ہے آنکھ میں دل میں سمائی ہے بہار
ہر در و دیوار پر خوش رنگ چھائی ہے بہار — غنچۂ دل کھل گئے جس سے وہ آئی ہے بہار
منظرِ نقشِ قدم گل کا نظارا ہو گیا
آپ کے آنے سے گلشن گھر ہمارا ہو گیا

مست و بیخود ہیں سرور و کیف بے منت میں ہیں — گو نہیں پیتے ہیں پھر بھی ایک کیفیت میں ہیں
کیا کہیں کس عیش میں ہیں اور کس راحت میں ہیں — جب سے دیکھا آپ کو ہم جیتے جی جنت میں ہیں
آپ آنکھوں میں سمائے شاد آنکھیں ہو گئیں
آپ نے آباد کیں۔ آباد آنکھیں ہو گئیں

آپ نے تکلیف فرمائی کرم ہم پر کیا — ہم کو ممنونِ عنایت لطف فرما کر کیا
کیا ہمارے گھر ہی کو فردوس کا منظر کیا — سچ تو یہ ہے دل میں بھی آ کر ہمارے گھر کیا

جو نہو سکتا ہو اُسکو ہم بھلا کیونکر کریں
شُکر اس بندہ نوازی کا ادا کیونکر کریں

یہہ زباں - یہہ بات - یہہ شیریں زبانی آپ کی
یہہ محبت - یہہ وفا - یہہ مہربانی آپ کی
یہہ خوشی - یہہ خوشدلی - یہہ خوش بیانی آپ کی
یہہ مُروّت - یہہ عطا - یہہ قدردانی آپ کی

بھُولنے کی ہیں کہیں - یہہ بھُول جانے کی نہیں
یاد کیا کیا آئیں گی - کیوں یاد آنے کی نہیں

یہہ نہ کہیئے شوق ہی اب اور کس کا دل میں ہے
پُوچھیے تو پھر بتائیں ہم کہ اب کیا دل میں ہے
جلوۂ دیدار نے کیا خاک چھوڑا دل میں ہے
آپ کو دل میں بٹھالیں یہہ تمنا دل میں ہے

خانۂ دل میں ہمارے آپ اگر مہمان ہوں
پھر تو ہم بھی لاکھ انسانوں کے اک انسان ہوں

دل ہے پُر ارماں - مگر خالی ہمارا ہات ہے
ہم سے ہو سکتا نہیں کچھ - اپنی کیا اوقات ہے
اِس سے کیا خدمت ہو - یہہ کب قابلِ خدمات ہے
ہاں نبھالیں آپ ہمکو تو یہہ کتنی بات ہے

آپ کے نزدیک یہہ کیا بات ہے - کچھ بھی نہیں
سامنے خورشید کے کیا رات ہے - کچھ بھی نہیں

اب دُعا ہے - آپ دُنیا میں رہیں باعزّ و شاں
کوئی صدمہ آپ کو پہونچے نہ زیرِ آسماں
قدردانی آپ کی دل سے کریں سب قدرداں
آپ کے خادم رہیں ہم - آپ ہم پر مہرباں

یہہ ہمارے آپ کے اخلاص کی صورت رہے
مہر باہم - ربط باہم - باہمی اُلفت رہے

مُسدّس مُرافعۂ منجانب یتیمانِ ہند بخدمتِ زرداران ہند

اے اہلِ ہند تمکو اسکی بھی کچھ خبر ہے
سینے میں سوزِ غم ہے - اشکوں سے آنکھ تر ہے
اک دلگداز صدمہ اب جانِ ہند پر ہے
باقی کہاں وہ دل ہے - باقی وہ کب جگر ہے

پانی ہوئے ہیں غم سے گھُل گھُل کے آہ دونوں

نکلے ہیں اشک بنکر آنکھوں سے آہ دونوں

اِک آگ سی لگی ہے سوزِ غمِ نہاں سے
آتا نہیں ہے لب پر کچھ قلبِ ناتواں سے
خاموش جل رہا ہے مجبوریٔ فغاں سے
پھر حالِ غم سُنائے کِس مُنھ سے کس زباں سے

جو ہو بیان اِس سے یہ وہ مِحَن نہیں ہے
یہ کیا کہے کہ اسکو تابِ سُخن نہیں ہے

اِس سے یتیم اس کے بچے نہیں ہیں پالے
ہر وقت بھوک سے ہیں ایک ایک کے نالے
بے موت پڑ رہے ہیں جینے کے اِنکے لالے
کس کے سُپرد کر دے کس کے کرے حوالے

بے باپ ماں کے بچے بے نان و بے نمک ہیں
اِن بے کسوں پہ کیا کیا صدمے تہِ فلک ہیں

کون اِنکے پونچھے آنسو۔ کون اِنکی لے بلائیں
ہمدرد ہو جو کوئی تو داغِ دل دکھائیں
اب ہیں نہ باپ اِنکے۔ اب ہیں نہ اِنکی مائیں
جنکو یہ رو چکے ہیں اُنکو کہاں سے لائیں

کوئی نہیں ہے اِنکا۔ یہ کر رہے ہیں نالے
اب کاش بیکسی ہی اِن کو گلے لگا لے

ماں باپ کے الم سے سینہ فگار یہ ہیں
جو رہ گئے ہیں اُن کو کیوں ناگوار یہ ہیں
باغِ خزاں رسیدہ قبل از بہار یہ ہیں
سمجھیں تو جانے والوں کی یادگار یہ ہیں

اُف دورِ آسمانی۔ اُف گردشِ زمانہ
تُف دورِ آسمانی۔ تُف گردشِ زمانہ

پھر سوزِ دل دکھا دے اے حدّتِ تپِ غم
پھر آسماں ہلا دے اے اضطرابِ ماتم
پھر سیلِ غم بہا دے اے آنکھ ہو کے پُرنم
پھر واقعہ سُنا دے اے نالۂ شرر دم

آ دل میں اب اُمنڈ کر مہرِ پدر کہاں ہے
لے ماں کی مامتا اب اِنکی خبر کہاں ہے

رہتا نہیں ہمیشہ رنگِ بہارِ ہستی
ہیں اِک طلسمِ حیرت لیل و نہارِ ہستی
ناپائدار ٹھہرے نقش و نگارِ ہستی
دیکھا تو موت ہی ہے پایانِ کارِ ہستی

زردار ہو کہ بے زر کس کو فنا نہیں ہے
دُنیا ہے نام جس کا دارِ بقا نہیں ہے

رہنا ہے تمکو زندہ تو نیک کام کرلو
ننھے یتیم بچّوں کا انتظام کرلو
کچھ نیک کام کرکے دُنیا میں نام کرلو
جو دے سکو وہ دے کر اِن کو غلام کرلو

کہتا ہے کون تم سے سب اپنا گھر لُٹاؤ
جتنا لُٹا سکو تم اُتنا تو زر لُٹاؤ

اب بارِ غم اُٹھائیں یہہ ناتواں کہانتک
اے دل جگر جلائیں یہہ شمع ساں کہانتک
اب سر پہ لیں بلائیں یہہ نیم جاں کہانتک
اب یوں سہیں جفائیں یہہ بے زباں کہانتک

دُنیا سے اُٹھ گئے ہیں وہ تھے جو اِنکے والی
اب تم ہو اِن کے مالک۔ اب تم ہو اِنکے والی

زردار ہو اگر تم محتاجِ زر ہیں یہہ بھی
اِنسان ہی کے آخر لختِ جگر ہیں یہہ بھی
دل سے مدد کرو کچھ بے برگ و بر ہیں یہہ بھی
ہو آدمی تو پالو اِن کو بشر ہیں یہہ بھی

ہو جب تمھیں نہ اِنکی پھر کس کے ہو رہیں یہہ
تم کچھ نہ دو۔ تو یہہ دو۔ کچھ کھا کے سو رہیں یہہ

رہتے ہیں دل میں روشن ہر وقت داغ اِنکے
حاصل نہیں ابھی جب اِن کو فراغ اِنکے
ہوتے نہیں ہیں ٹھنڈے جلتے چراغ اِنکے
کیا کام دے سکیں گے آگے دماغ اِنکے

تم کھاؤ لقمۂ تر۔ خونِ جگر پیئیں یہہ
یہہ زندگی ہو اِن کی۔ تو کس طرح جیئیں یہہ

اِن کے الم سے دل پر چلتے تھے غم کے بھالے
سائیں نہ ہم یہ ہیں ہم درویش پھیری والے
آخر فقیر بنکر گھر سے قدم نکالے
آئے ہیں اِنکی خاطر جھولی گلے میں ڈالے

دینا ہے تمکو جو کچھ دو اِنکو یہہ حزیں ہیں
کچھ اپنے واسطے تو ہم مانگتے نہیں ہیں

فاقوں سے جب بُری گت اِن بیکسوں کی ہولی
تو پھر نے تمھارے آگے زباں کھولی

دن رات یہ صدا ہے۔ ہر وقت ہے یہ بولی
"اُنکے فقیر ہیں ہم ۔ بھردو ہماری جھولی"
داتا ہو تم تو بابا پُورا سوال کردو
مُفلس یتیم ہیں یہ ۔ اِنکو نہال کردو

مُسدّسِ نظّارۂ حسُن

اے حُسن آہ تو ہے رنگِ لقائے عالم
جب شوق کی نظر سے دیکھی فضائے عالم
رنگینیاں تری ہیں رنگیں نمائے عالم
تیری جھلک نے کیا کیا ہمکو دکھائے عالم
اِک اِک قدم پہ سَو سَو جلوہ نمائیاں ہیں
رنگیں ادا یہ تیری رنگیں ادائیاں ہیں

اِس خاکداں میں تو ہے اِس خاکداں کی رونق
تو ہے زمیں کی رونق ۔ تو آسماں کی رونق
باغِ جناں میں تو ہی باغِ جناں کی رونق
ہے تیرے دم قدم سے کون و مکاں کی رونق
عالم نے تیرے کھوئے کیا عقل و ہوشِ عالم
اے حُسن آہ تو ہے جلوہ فروشِ عالم

آنکھوں میں کھُب رہی ہے کیسی بہارِ دُنیا
کِس درجے دل رُبا ہیں نقش و نگارِ دُنیا
گلشن بنا ہُوا ہے کیا خارزارِ دُنیا
جلوہ مگر ترا ہے آئینہ دارِ دُنیا
پایا شفق میں تیرا رنگ بہار ہم نے
دیکھا سحر میں تیرا آکیا نکھار ہم نے

نکلا ہے نغمہ بنکر بُلبُل کے تو سخن سے
خورشید کی کرن سے ۔ پھر شمع انجمن سے
پھُوٹا ہے رنگ ہو کر تو گُل کے پیرہن سے
جلوہ ترا عیاں ہے کس کس نئی پھبن سے
ہر شان میں جُدا ہے رنگِ ظہور تیرا
آنکھوں میں نور تیرا ۔ دل میں سُرور تیرا

تیری خبر نہ اِسکو ۔ اِسکی خبر نہ تجھکو
وہ ہمت ہی نہیں ہے دیکھے جدھر نہ تجھکو
اس پر بھی چھوڑتی کیا اِسکی نظر نہ تجھکو
پھر اور کس کو دیکھے ۔ دیکھے اگر نہ تجھکو

تیری جگہ ہے دل میں۔ گھر ہے ترا جگر میں
اے حسن کھب رہا ہے تو مہر کی نظر میں

مسدس تعزیتِ انتقالِ پُر ملال جنت آرامگاہ ہز ہائی نس مہاراجہ سر مادھوراؤ سندھیا عالیجاہ بہادر بہ القابہ فرمانروائے گوالیار

فلک اس سے سوا ہم پر ستم کرتا تو کیا کرتا
اسے لکھ کر کوئی اظہارِ غم کرتا تو کیا کرتا
نہ کرتا اس الم سے پُر الم کرتا تو کیا کرتا
یہہ غم ہی جب نہ ہو سکتا رقم کرتا تو کیا کرتا
کہیں کیا کیوں رہے ہیں ہم دمِ تحریر گھٹ گھٹ کر
کئی دن تک قلم گر گر پڑا ہاتھوں سے چھٹ چھٹ کر

یہہ کچھ کم ہے ستم مادھو مہاراجہ کی رحلت کا
قلق کیونکر ہو کم مادھو مہاراجہ کی رحلت کا
یہہ کچھ کم ہے الم مادھو مہاراجہ کی رحلت کا
بہت ہے ہمکو غم مادھو مہاراجہ کی رحلت کا
یہہ غم وہ غم ہے جس غم نے کچھ ایسے ہوش کھوئے ہیں
کہ بوڑھے بھی تو بچوں کی طرح چلا کے روئے ہیں

ہوا کالی گھٹا کو چرخ پر جب کھینچ لاتی ہے
ہمیں کیا کیا مہاراجہ کی شفقت یاد آتی ہے
ہمارے صبر کے خرمن پر اک بجلی گراتی ہے
مگر اب وہ قیامت توڑتی ہے۔ ظلم ڈھاتی ہے
خبر کس کو تھی سارے عیش۔ غم ہو جائیں گے ہمکو
جو اُنکے تھے کرم ہم پر۔ ستم ہو جائیں گے ہمکو

یہہ مانا آج وہ بھی جا ملے اُن تاجداروں میں
عزیزوں کو الم ہے۔ رنج ہے۔ ماتم ہے ملداروں میں
نظر آتے ہیں اب تک جنکے مدفن سبزہ زاروں میں
مگر اے دل ابتا۔ تو کیوں ہے اُنکے سوگواروں میں
فنا ہونے سے پہلے ہی جو پیدا نام کرتے ہیں
اے ناداں۔ کہیں ایسے مہاراجہ بھی مرتے ہیں

ہوا تھا تنگ جنکے دم سے ہر لنگ ہام کا گھوڑا
اجل نے تو اُنھیں پیرس میں بھی جانے پر نہیں چھوڑا
بلائے ناگہانی ہو گیا اُنکے لئے پھوڑا
مگر اپنے لئے اب یہہ دلاسا بھی ہے کیا تھوڑا

اُنھیں کے تھے۔ اُنھیں کے پھر بھی ہم زیرِ نگیں ہونگے
جیاجی راؤ اِک دن اُنکے سچّے جانشیں ہونگے

نہ دل میں نازِ خدمت ہے۔ نہ سر میں کچھ ہوائیں ہیں
زباں پھر برآخر یہی جاری دعائیں ہیں
وفائیں ہم نے کیا کی ہیں۔ ہماری کیا وفائیں ہیں
عطا مرحوم کو وہ ہوں۔ خدا کی جو عطائیں ہیں

مہارانی کو صبر آئے۔ تمنا یہ بھی بر آئے
جیاجی راؤ کا عہدِ حکومت جلد تر آئے

مُسَدّسِ تعزیت برسی عرش آشیانی ہز ہائی نس مہاراجہ سر مادھو راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر اعلیٰ علیین والیِ ریاستِ گوالیار

گریباں چاک ہے پھر اُنکے ماتم میں سحر کیا کیا
ملال و رنج تازہ کر رہے ہیں بام و دَر کیا کیا
بڑی حسرت برستی ہے پھر اُنکے قصر پر کیا کیا
بہے ہیں میں نے آنسو اُنکے غم میں سال بھر کیا کیا

نہ میری آستیں دیکھو۔ نہ میری چشمِ تر دیکھو
مرا غم دیکھنا ہے تو مرا دل چیر کر دیکھو

دِن اس غم کا وہی دِن ہو۔ جو دِن ہو اُنکے مرنے کا
پڑا جو زخم اس غم سے نہیں وہ زخم بھرنے کا
غم اس دِن کا وہی غم ہو۔ جو غم ہے یاد کرنے کا
نہ کیوں صدمہ اِس دِن۔ ہو یہ دِن صدمہ گزرنے کا

اِسی دن ہم نے جب مادھو مہاراجہ کی برسی ہے
وہ دن دیکھا کہ اُنکے دیکھنے کو آنکھ ترسی ہے

بچے تھے بادشاہوں میں وہ ہی اک بادشا ہمکو
نہ تھا اُن سے سوا کوئی۔ وہ تھے سب سے سوا ہمکو
نظر آیا زمانے میں نہ اُن سا دوسرا ہمکو
مگر اب آسماں نے کر دیا۔ اُنسے جدا ہمکو

یہ مصرع یاد آتا ہے ہمیں شیون میں نالے میں
"خدا[1] بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

رہے ہیں زندہ کیوں ہم اپنے آقا سے جُدا ہو کر
رسائی نارسائی ہو گئی صبر آزما ہو کر
غم اسکا دل سے نکلے گا تو نکلے گا فنا ہو کر
کراہیں رک گئیں مجبور ہو کر۔ نا رسا ہو کر

[1] مصرعِ حضرت داغ دہلوی ؒ

اسی کا رنج ہے۔ افسوس ہے شیون ہے۔ ماتم ہے
اسی کا ہم کو رونا ہے۔ اسی کا تمکو بھی غم ہے

چلو۔ اٹھو۔ سدھارو۔ رو چکے غم ہو چکا اُنکا
سرِ تسلیم جب پیشِ قضا خم ہو چکا اُنکا
کہاں تک اُنکا ماتم ہوگا۔ ماتم ہو چکا اُنکا
جو کچھ ہونا تھا رنج و غم۔ اسی دم ہو چکا اُنکا

اب اس آہ و فغاں سے گریہ و زاری سے کیا حاصل
نہو جب دل ہی پہلو میں۔ دل افگاری سے کیا حاصل

یہ دن ہے اُنکی برسی کا۔ اسی دن سوگ اٹھاتے ہیں
اسی دن نام پر مرحوم کے دیتے دلاتے ہیں
دعائے مغفرت کے ساتھ نالے لب پر آتے ہیں
بہت خیرات کرتے ہیں۔ بہت دولت لٹاتے ہیں

جو پوچھو فلسفہ اس کا تو بس یہ ہے جواب اسکا
کہ اس دن مرنے والے کو پہونچتا ہے ثواب اسکا

مہارانی نے جو خیرات کی اُسکا تو کیا کہنا
دعا بھی دل سے جو دن رات کی اُسکا تو کیا کہنا
عطائے زر جو ہاتھوں ہات کی اُسکا تو کیا کہنا
غرض اُنکے لیے جو بات کی اُسکا تو کیا کہنا

مگر مادھو مہاراجہ وہاں کب اُنکو پائیں گے
جو اچھے کام تھے اُنکے وہی کام اُنکے آئیں گے

یہ مانا اُنکے سوزِ غم نے دل میں داغ ڈالے ہیں
مگر یہ دن دعا کا ہے دعائیں کرنے والے ہیں
بہت ہم اُنکو روئے ہیں۔ بہت آنسو نکالے ہیں
کہ اس دن کی دعاؤں سے وہاں بھی بول بالے ہیں

دعا اے مہرؔ کر۔ آلام سے چھوٹیں مہاراجہ
بہاریں گلشنِ فردوس کی لوٹیں مہاراجہ

مخمسات

مخمس تہنیتِ ولادت باسعادت شاہزادی میری کملا راجہ صاحبہ دخترِ نیک اختر حضور پُر نور ہز ہائی نس مہاراجہ جنرل سر مادھو راؤ سندھیا

عالیجاہ بہادُر دام اقبالہٗ، فرمانروائے گوالیار

اے شہِ عالی ہمم جراَت بڑھے۔ ہمت بڑھے
مرتبہ۔ توقیر حشمت۔ آبرو۔ عزت بڑھے
کانپ جائے دل عدو کا اس قدر صولت بڑھے
دولتِ برطانیہ کے عہد میں وقعت بڑھے
تو ہے عالیجاہ تیری اور بھی عظمت بڑھے

آس کی اولاد کی ہوتی ہے سب کو احتیاج
پاک طینت۔ نیک سیرت۔ خوبصورت خوش مزاج
اِس میں مفلس ہو کوئی یا مالکِ اقلیم و تاج
چاندسی بیٹی تجھے اللہ نے بخشی ہے آج
ہے یہ مطلب اور تیرے ملک کی زینت بڑھے

اسکی پیدائش میں ہو جتنی سخاوت وہ ہے کم
اور یاس اپنے نہیں کچھ اے شہِ گردوں حشم
کیا تری آنکھوں کے آگے قدرِ دینار و درم
ہو کے خوش دینے کو آئے ہیں دعائیں دل سے ہم
غم مٹے۔ عشرت ملے۔ کلفت گھٹے۔ راحت بڑھے

یہ وہ بیٹی ہے جو بیٹے کے برابر ہے عزیز
پیار میں مطلق نہیں فرزند و دختر کی تمیز
وقت یاور۔ بخت خادم۔ شوکت ادنیٰ سی کنیز
ہے اگر اولاد کی اُلفت جہاں میں کوئی چیز
تجکو اسکی چاہ ہو۔ اسکو تری حسرت بڑھے

بادۂ عشرت سے عالم ہی نرالا ہوگیا
میکدہ آباد۔ بارونق شوالا ہوگیا
جلوۂ پُرنور سے گھر گھر اُجالا ہوگیا
رند و زاہد کا برابر بول بالا ہوگیا
اِس خوشی کے جشن کی کچھ اور بھی شہرت بڑھے

اِسکو پالیں دل کے گہوارے کے اندر رات دن
پیار دونوں کا رہے اِس پر برابر رات دن
جان تک اپنی کریں اِس پر تصدق[1] رات دن
اِسکو رکھیں آنکھ کی پتلی بناکر رات دن
اِتنی ماں کو مامتا ہو۔ باپ کو اُلفت بڑھے

مطلعِ ثانی

یا الٰہی سندھیا سرکار کی ثروت بڑھے
ساتھ ہی ثروت کے دختر کا قد و قامت بڑھے

[1] ارمان۔

یہہ بہر صورت پھلے پھولے۔ بہر صورت بڑھے
شان اسکی ہو دو بالا۔ چوگنی شوکت بڑھے

ہے بہت کچھ ذی حشم اب بھی۔ مگر حشمت بڑھے

عیش و عشرت میں رہے ملنا ملانا راتدن
شوخیٔ طفلی ہو بخشش کا بہانا راتدن
عہد میں اسکے پھلے پھولے زمانا راتدن
کمسنی کا کھیل ہو موتی لٹانا راتدن

عمر بڑھے بڑھکر دعا دے اور بھی ہمت بڑھے

جب خزاں کے دور میں اڑتی چمن کی دھول ہو
پھر بھی رنگِ تازگی کا وہ اثر معقول ہو
جب نہ بلبل کی دعائے دل کوئی مقبول ہو
یہہ جو مرجھائی کلی چھوئے تو کھِل کر پھول ہو

پھول کو توڑے تو ٹوٹے پھول میں نکہت بڑھے

ہو فروغِ پرچمِ فتح و ظفر ربِّ قدیر
نیّرِ اقبال چمکے صورتِ ماہِ منیر
عرشِ اعظم کی بلندیٔ مراتب ہو حقیر
اسکے طالع سے رہے افتادگی کا وج گیر

آسماں جسکو گرائے اسکی بھی رفعت بڑھے

دل میں کیوں آئے مریضوں کے نقاہت کا خیال
تندرستی ہر کسی کو دے نویدِ نیک فال
کیوں رہے بیمارِ الفت بھی کوئی آشفتہ حال
اعتدالِ طبعِ عالی سے ہو پیدا اعتدال

دردِ خود بن جائے درماں اس قدر صحت بڑھے

خلقِ پیہم سے رہے باہم نہ فرقِ خویش و غیر
پاک نظروں میں برابر ہوں حرم ہو یا ہو دیر
سب رہیں آپس میں مل جلکر مٹے آپس کا بیر
ایک سی دونوں ہوں مندر کی فضا مسجد کی سیر

اسکے دورِ عمر میں ہر مذہب و ملت بڑھے

سنگدل ہوں نرم دل میں نرم دل بھی نرم تر
بھول جائیں سختیاں ہی جھیلنی جن و بشر
روئی کے گالے بنیں سینوں میں پتھر کے جگر
ہر طرف ہو اسکی وہ طبعِ ملائم کا اثر

رحم کی عادت فزوں ہو۔ قہر کی قلت بڑھے

جہل کی تاریک راتیں جگمگائیں چاندسی
اور ہو یمنِ سعادت سے فلاحِ ملک بھی
چاندنی بن بن کے پھیلے روشنی تعلیم کی
کال کا ہو کال۔ لہراتی رہے کھیتی ہری

ہو تجارت کی ترقی صنعت و حرفت بڑھے

پھر چلے باغ جہاں میں عیش و عشرت کی ہوا | پھر خوشی و خرمی کے گل کھلیں صبح و مسا
ہو عطا چنکوؔ مہارانی کو بیٹا چاند سا | جشن میں پھر جشن ہو پیدائشِ فرزند کا
چاہتا ہوں اِس قدر اِس جشن کی مدت بڑھے

خوش رہے چنکوؔ مہارانی کی یہ نورِ نظر | خوش رہیں گجراؔ مہارانی کی یہ لختِ جگر
اب دعا ہے قہرؔ کی چونسٹھ گھڑی آٹھوں پہر | اِسکے حسنِ دم قدم سے رات دن شام و سحر
خاندانِ سندھیا کی رونق و زینت بڑھے

خمسہ تضمینِ غزل بلبلِ ہندوستان استاد السلطان ملک الشعرا دبیر الدولہ ناظمِ یار جنگ بہادر فصیح الملک عالیجناب نواب میرزا خاں صاحب داغؔ دہلوی اعلی اللہ مقامہ استادِ مصنف

زباں تک آئی ہوئی بیشتر نہیں چھپتی | چھپی جو شام تو وقت سحر نہیں چھپتی
پہونچ ہی جاتی ہے اڑکر خبر نہیں چھپتی | چھپاؤں اُسکی شکایت مگر نہیں چھپتی
اِدھر نکلتی ہے منہ سے اُدھر نہیں چھپتی

بشر سے طرزِ نگاہِ بشر نہیں چھپتی | کہ رہ کے پردے میں یہ پردہ در نہیں چھپتی
فریب لاکھ کرے تو۔ مگر نہیں چھپتی | ترے چھپائے دغا کی نظر نہیں چھپتی
یہ چور آنکھ تو اے فتنہ گر نہیں چھپتی

وہ۔ اور اُسکو تمنا ہو میرے ملنے کی | کہے پھر اُسکو وہ سبھ سے۔ یہ تونے خوب کہی
ضرور بھید ہے کوئی ضرور اِس میں ہے نئی | گھڑی ہے دل سے جو تونے وہ بات ہے تیری
کہ اُسکے منہ کی تو اے نامہ بر نہیں چھپتی

نسیمِ صبح کی اٹکھیلیوں کا کیا کہنا | کہ اُن سے پردہ نشیں کا اُٹھا دیا پردا
انھیں حیا ہے۔ اِسے کچھ نہیں خیال اُسکا | یہ سیر ہے کہ دوپٹا اُڑا رہی ہے صبا
وہ جب چھپاتے ہیں سینہ۔ مگر نہیں چھپتی

بشر چھپائیں تو بلبل اِسے سناتی ہے | جو وہ چھپائے تو لب پر گلوں کے آتی ہے

ے اسم گرامی بڑی مہارانی صاحبہ مہاراجہ مادھو راؤ سندھیا والیِ گوالیار۔ ے نام نامی جناب والدہ صاحبہ مہاراجہ گوالیار
ے اسم مبارک جناب چھوٹی مہارانی صاحبہ مہاراجہ گوالیار۔

چھپاییں گل بھی تو کیا کیا صبا اُڑاتی ہے
تمہاری بات زمانے میں کھل ہی جاتی ہے
یہ بات کیا ہے کہ اسکی خبر نہیں چھپتی

عدو سے تیری محبت کو میں چھپاؤں تو
وہ کیا چھپے جو چھپائے سے اور ظاہر ہو
یہ کس کے بس کی ہے۔ کون اس سے یہ کہے کہ نہ رو
جو تڑپے دل تری محفل میں تھام لوں دل کو
مگر چھپائے سے یہ چشم تر نہیں چھپتی

یہ ایک دم میں جلائے گی ایسے پردے سو
بھڑک کے آئے گی باہر بہ رنگ شعلۂ نو
عبث ہے فکر و تردد۔ فضول ہے تگ و دو
چھپائے سے تہِ دامن چھپے چراغ کی لو
لگی ہوئی مرے دل کی مگر نہیں چھپتی

اگرچہ صبح کی صورت کی صبح ہے یارب
مگر مجھے تو مصیبت کی صبح ہے یارب
غضب کی۔ قہر کی آفت کی صبح ہے یارب
یہ صبحِ ہجر۔ قیامت کی صبح ہے یارب
کہ میرے بختِ سیہ سے سحر نہیں چھپتی

حجاب ہے یہ تمہارا برائے نام حجاب
اسے حجاب سمجھتا ہے کون خانہ خراب
ہوا نہ برق کا پردہ۔ نہ ہو سکے گا سحاب
نگاہِ شوق ہے بجلی کی طرح زیرِ نقاب
ہزار اُس کو چھپاؤ مگر نہیں چھپتی

الٰہی ہوتے ہیں کیسے وہ چاہنے والے
جو کرتے رہتے ہیں فرقت میں رات دن نالے
یہاں تو سانس بھی لینے کے پڑ گئے لالے
نفس کے ساتھ ہی پڑتے ہیں لب پہ تبخالے
ہماری سوزشِ داغِ جگر نہیں چھپتی

وفورِ شوق کے بھی اضطراب چھپتے ہیں
غمِ فراق کے بھی التہاب چھپتے ہیں
چھپائے سے کہیں حسن و شباب چھپتے ہیں
سحاب میں تو مہ و آفتاب چھپتے ہیں
نقاب میں تری صورت مگر نہیں چھپتی

جو بیچ میں رہیں لاکھوں حجاب بھی حائل
یقیں ہے پھر بھی نہ تجھ سے چھپے ترا مائل
شناخت اُسکی نہ ہو۔ اسکے ہم نہیں قائل
بدل بدل کے وہ آواز گو بنے سائل
صدائے عاشقِ شوریدہ سر نہیں چھپتی

چھپے گا بانگِ طرب میں بھلا یہہ کیا نالہ، الگ ہمیشہ رہے گا۔ الگ رہا نالہ
جُدا ہے اُسکا ترنُّم۔ مرا جُدا نالہ ملے ترانۂ بلبل سے کیا مرا نالہ
صدائے نغمہ زن و نوحہ گر نہیں چھپتی

بنیں بھی حلق کے دربان اب اگر چھالے رہیں بھی اب جو لبوں پر سکوت کے تالے
وہ دل میں آئیں گے کیا جو نکل گئے نالے چھپائیں کیا تری چاہت کو چاہنے والے
جب ایک بار کھُلی۔ عمر بھر نہیں چھپتی

رہے اُمیدِ مسرّت میں کیوں کوئی بیدار یہہ انتظار۔ شبِ انتظار رہے بیکار
اگر سمجھ ہو تو یہہ جاننا ہے کیا دُشوار زباں پہ آتے ہی کھُلتے ہیں نیک و بد آثار
دُعائے با اثر و بے اثر نہیں چھپتی

یہہ سیکڑوں ہیں۔ ہزاروں میں انتخاب ہے داغ جواب اسکا کہاں ہے۔ یہہ لاجواب ہے داغ
اسی کے نور سے تو مہر فیضیاب ہے داغ تری طبیعتِ روشن اِک آفتاب ہے داغ
کبھی چھپائے سے یہہ جلوہ گر نہیں چھپتی

خمسہ بر تضمینِ غزل ناخُدائے سُخن تاج الشعرا جناب منشی محمد نوح صاحب نوحؔ ناروی رئیس و تعلقہ دار نارہ۔ ضلع الہ آباد۔ جانشینِ عالیجناب فصیح الملک حضرت داغؔ دہلوی مرحوم

کسی کو سونپ کر دل جاں نثاری دہی کچھ ہے کسی کی جان لے کر دل فگاری اور ہی کچھ ہے
محبت اور کچھ ہے بیقراری اور ہی کچھ ہے یہہ مانا شمعِ محفل کی بھی زاری دہی کچھ ہے
ہماری چشمِ تر کی اشکباری اور ہی کچھ ہے

ترے رُخسارِ روشن رشکِ مہر و ماہِ کامل ہیں ترے انداز۔ تیرے ناز بھی غارتگرِ دل ہیں
وہ اوروں میں کہاں ہیں خوبیاں جو تجکو حاصل ہیں حسینانِ جہاں میں یوں تو شمع و گل بھی اخل ہیں
مگر یہہ تیری صورت پیاری پیاری اور ہی کچھ ہے

سُنے بھی تو اسے ہر دم۔ کہوں بھی میں اگر پیہم سمجھ میں تیری پھر بھی آئے تو کیا آئے اے ہمدم

نہ ہے یہہ نغمۂ شادی نہ یہہ ہے نوحۂ ماتم
نہ ہے یہہ نالۂ بلبل نہ یہہ ہے گریۂ شبنم
مری فریاد ہے کچھ اور زاری اور ہی کچھ ہے

وہی اب تجھ سے کہتے ہیں۔ مجھے رہنے دو آنکھوں میں
نہ رک سکتے تھے شوخی سے کبھی دم بھر جو آنکھوں میں
جگہہ کوئی نہ دے کس واسطے ایسوں کو آنکھوں میں
وہ رہتے ہیں تو دل میں وہ جو پھرتے ہیں تو آنکھوں میں
یہہ پردہ اور کچھ ہے پردہ داری اور ہی کچھ ہے

ضرورت کیا ہے اسکی پیش ہو محشر میں یہہ جھگڑا
قیامت آئے کیوں اسکے لئے کیوں حشر ہو برپا
یہیں تو عفو کر دے۔ ہے جو تجھکو عفو ہی کرنا
گناہوں کو مرے جب پوچھکر بخشا تو کیا بخشا
الٰہی شیوۂ آمرزگاری اور ہی کچھ ہے

اٹھاتی ہے قیامت اسکی چشمِ فتنہ زا کیسی
لپٹتی ہے بلا بن بن کے وہ زلفِ دوتا کیسی
خدا جانے یہہ ہے ترکیبِ بزمِ دلربا کیسی
کسے کہتے ہیں خاطر۔ لطف کیا شے ہے وفا کیسی؟
وہاں مہمان داری اور ہی کچھ ہے

نشیلی ہیں۔ رسیلی ہیں۔ بہت ہیں چلبلی آنکھیں
جھکی رہتی ہیں ہر دم نشہ سے جادو بھری آنکھیں
نہیں ہیں پھر بھی دل کی تاک سے خالی کبھی آنکھیں
شرابِ حسن سے بدمست ہیں گو آپ کی آنکھیں
مگر اسپر بھی انکی ہوشیاری اور ہی کچھ ہے

ترا دل کیا نہیں تیغِ نگاہِ حور کا بسمل
تمنا جامِ کوثر کی ہے طینت میں تری داخل
سمجھتا ہے عبث رندوں کو تو تعزیر کے قابل
فقط اک آدھ تو پی ہی نہ کی زاہد تو کیا حاصل
ارے اے خود نما پرہیزگاری اور ہی کچھ ہے

اٹھانا قہر کو رنجِ جدائی۔ یا ستم سہنا
اڑانا عیش دشمن کو کرم سے مطمئن رہنا
یہہ اپنی اپنی قسمت ہے۔ یہہ اپنا اپنا ہے کہنا
میسر ہو جو وصلِ یار تو پھر اسکا کیا کہنا
مگر اے نوح لطفِ بیقراری اور ہی کچھ ہے

خمسہ تضمینِ غزلِ فصاحت مآب بلاغت انتساب جناب منشی سید وحیدالدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشینِ حضرت داغ دہلوی نور اللہ مرقدہٗ

خدنگِ ناز مرے دل کے پار کس کا ہے
شکار کس نے کیا ہے۔ شکار کس کا ہے
بتائے کوئی مجھے جان نثار کس کا ہے
فریفتہ یہہ دلِ بے قرار کس کا ہے
یہہ ذکر لب پہ مرے بار بار کس کا ہے

ہوئی ہے مدِّ نظر کس کو جلوہ فرمائی
طوافِ گورِ غریباں کی کس نے ٹھہرائی
یہہ کس کے آنے کی بادِ صبا خبر لائی
بنے ہیں نقشِ قدم دیدۂ تمنائی
یہہ انتظار سرِ رہگذار کس کا ہے

نہ مجھ سے حالِ دلِ مبتلا سُنا اُس نے
نہ کی قبول کوئی میری اِلتجا اُس نے
پھر اور کی یہہ نئی قسم کی جفا اُس نے
چلا جو بزم سے میں رُوٹھکر کہا اُس نے
پرائے دل پہ بھلا اختیار کس کا ہے

الٰہی کس نے یہہ چلبلی ہوئی زباں پائی
الٰہی کس کو عطا کی یہہ تُو نے گویائی
یہہ سُن کے اور طبیعت ہوئی تمنائی
شبِ وصال یہہ آواز کان میں آئی
ہجومِ شوق میں اب انتظار کس کا ہے

کسی کو تجھ سے محبت نہ پہلے ایسی تھی
جو آئی تازہ مصیبت ہمیں نے وہ جھیلی
یہہ تیرے عشق میں اب اور جان کس نے دی
ہمارے دل کی طرح چھا رہی ہے حسرت سی
تری گلی میں نیا یہہ مزار کس کا ہے

بہت سہے ہیں محبت میں خانماں برباد
سہے ہیں سیکڑوں غم جھیلیں سیکڑوں بیداد
بس اب تو دل میں یہہ آتی ہے اے دلِ ناشاد
کسی کے ظلم کی جی کھول کر کریں فریاد
کہ خوف اب ہمیں روزِ شمار کس کا ہے

نہ ہم سے ملتے نہ ہم پر کبھی کرم کرتے
ستم کیے ہیں جو اب تک وہی ستم کرتے
گزر گئی ہے یہاں عمر ضبطِ غم کرتے
عدُو کے قول کی تردید کیوں نہ ہم کرتے
یہہ دیکھنا تھا تمھیں اعتبار کس کا ہے

یہہ سمجھے کیا کوئی۔ کیا راز عشق کا جانے
یہہ کیا خبر ہے مجھے۔ یہہ مری بلا جانے
یہہ کس نے مجکو کیا ناصبُور کیا جانے
یہہ کون مجھ سے ہم آغوش ہے خدا جانے

مری بغل میں یہ دل بیقرار کس کا ہے

جناب مہرؔ ستم ہو اگر ستم سہہ لے
نہ سو میں چوکے نہ سو سو ہزار میں چوکے
جو اپنی بات پر آئے تو کیا نہ کر گزرے
ہم ایک عمر سے واقف ہیں خوب بیخود سے
کوئی ابھارے اِسے پھر یہ یار کس کا ہے

خمسہ بر غزل خود مصنّف

فرقت نے بیقرار کیا۔ تم نے کیا کیا
غم نے مجھے شکار کیا۔ تم نے کیا کیا
آنکھوں نے اشکبار کیا۔ تم نے کیا کیا
تیغ نگہ نے وار کیا۔ تم نے کیا کیا
ہاں اُس نے دل فگار کیا۔ تم نے کیا کیا

پہلے ذلیل و خوار کیا تم نے کیا کیا
اب حشر آشکار کیا تم نے کیا کیا
پھر ظلم اختیار کیا تم نے کیا کیا
جلوہ سر مزار کیا تم نے کیا کیا
سوتوں کو بے قرار کیا تم نے کیا کیا

ابتک اُسے یہ طرزِ جفا یاد ہی نہ تھی
دیکھی جو میرے رنج و مصیبت میں کچھ کمی
ایسی نہ بُری تھی۔ نہ ایسی تھی کجروی
اندازِ جور اپنے سکھا کر فلک کو بھی
آشوبِ روزگار کیا تم نے کیا کیا

دے جان اگر کوئی تو بلا سے دیا کرے
مرتے رہیں رقیب ہمیشہ خدا کرے
احساس ہی نہ ہو تمھیں کوئی وفا کرے
مرگِ عدو کا رنج تمھاری بلا کرے
آنکھوں کو اشکبار کیا تم نے کیا کیا

تم سے نہیں ہیں بخدا کچھ شکایتیں
ہم سے نہ پوچھو۔ ہم نے اٹھائیں جو ذلتیں
جھیلی ہیں ساری اسکی بدولت مصیبتیں
کرنی پڑیں فراق میں دشمن کی منتیں
دل نے ذلیل و خوار کیا۔ تم نے کیا کیا

یا صبح تک اڑائے رقیبوں سے قہقہے
پیچیدہ ایسے پیش ہوئے کیا معاملے
یا شرم و مکنت کے سبب سے نہ آسکے
وعدے کی شب بتاؤ تو کس شغل میں رہے

ہم نے تو انتظار کیا ۔ تم نے کیا کیا!

بے چین کر کے اُسکو بہت بیقرار ہوں
اپنی نظر میں آپ ہی رُسوا و خوار ہوں
کیا جانے قتل ہوں ۔ کہ سزاوارِ دار ہوں
اے نالہائے نیم شبی شرمسار ہوں

برہم مزاجِ یار کیا ۔ تم نے کیا کیا!

ممکن نہیں کہ آنکھ کسی اور پر پڑے
تم سے غلط کئے ہیں اُنھوں نے مرے گلے
ممکن نہیں کہ دل میں ہوں ارمان اور کے
غیروں کے کہنے سُننے سے مجھ سے خفا رہے

ایسوں کا اعتبار کیا تم نے کیا کیا

قطعہ

مانا کہ انتہا کی طبیعت ہے چُلبلی،
لیکن یہہ دل لگی ہے ۔ یہہ ہے چھیڑ کو ہنسی
رکتی نہیں زبان کسی بات پر کبھی
جب یہہ کہا کہ وعدے کی شب جاگتے کٹی

اچھّا اُمید وار کیا ۔ تم نے کیا کیا!

تم قول دو تو قول کے پورے رہا کرو
یوں منتظر بنا کے نہ دھوکے دیا کرو
وعدہ کرو کسی سے ۔ تو وعدہ وفا کرو
بولے وہ ہنس کے ۔ تم تو نہ ہم سے گلا کرو

آنکھوں نے انتظار کیا ۔ تم نے کیا کیا!!

سمجھے تھے عاشقی کو ہنسی دل لگی ۔ مذاق
ہے موت بھی محال ۔ اگر زندگی ہے شاق
اُلفت کی آرزو تھی ۔ محبت کا اشتیاق
پھر اب اُٹھاؤ بیٹھے ہوئے سختیٔ فراق

کس سنگدل کو پیار کیا تم نے کیا کیا

خمسہ بر غزلِ خود مُصنّف

خال بھی چہرۂ انور کے دکھا دیتے ہیں
شعبدے حُسنِ فسوں گر کے دکھا دیتے ہیں
پیچ بھی زلفِ معنبر کے دکھا دیتے ہیں
جلوے اکثر مجھے جی بھر کے دکھا دیتے ہیں

تجکو روزن ہی ترے در کے دکھا دیتے ہیں

حوصلے اب دلِ مضطر کے دکھا دیتے ہیں
زیرِ شمشیر گلا دھر کے دکھا دیتے ہیں
حسرتِ وصل کا دم بھر کے دکھا دیتے ہیں
لیجئے آپ کو ہم مر کے دکھا دیتے ہیں

صرف کہتے ہی نہیں۔ کرکے دکھا دیتے ہیں

اک فقط تو ہی نہ بیداد کرے گا جل کر
اس قدر بل کی نہ لے۔ ہم سے نہ اتنا بل کر
اور ایسے ہیں جو رکھ دیں گے کلیجا مل کر
تجھکو کیا ناز ہے فتنے تو اٹھا تو چل کر

سیکڑوں تیرے برابر کے دکھا دیتے ہیں

کون ہے۔ کون ہے وہ۔ ہو گی یہہ پیاری جسکو
قتل کرکے ہمیں پھر قتل کرے گی کس کو
اس نے رکھا ہی نہیں زندہ کسی مونس کو
لے لگا لیتے ہیں مقتل میں گلے سے اس کو

لے تری تیغ کا دم بھر کے دکھا دیتے ہیں

ہو گیا رنگ زمانے کا دگر گوں کیسا
ہے وُہی ظلم۔ وُہی جور۔ وُہی تازہ جفا
ہاں مگر حال نہ بدلا تو نہ بدلا اُن کا
عرصۂ حشر میں بھی ہمکو وہ آنکھیں کیا کیا

سامنے داورِ محشر کے دکھا دیتے ہیں

مل گئی گو ہمیں فرصت ستم پیہم سے
دُور پھر بھی تو نہیں کچھ یہہ تمھارے دم سے
تم نے گو مل کے چھڑایا ہمیں رنج و غم سے
ابھی خوش ہو۔ ابھی ہو جاؤ گے ناخوش ہم سے

اب نہیں۔ بعد گھڑی بھر کے دکھا دیتے ہیں

رشکِ جامِ مئے احمر وہ گلابی آنکھیں
یوں جھکا دیتی ہیں اکثر وہ گلابی آنکھیں
ہیں گلابی سے بھی بہتر وہ گلابی آنکھیں
مُجھکو محفل میں دکھا کر وہ گلابی آنکھیں

دَور چلتے ہُوئے ساغر کے دکھا دیتے ہیں

سوزِ دل تے ہی دئے داغ مہِ کامل کو
آتشِ عشق تو پگھلاتی ہے بھاری سل کو
جل گئی شمع بھی معلوم ہے یہہ محفل کو
نہیں ممکن کہ لگی ہو نہ بتوں کے دل کو

آگ ہم سینے میں پتھر کے دکھا دیتے ہیں

یہہ کبھی ایک جگہ۔ خاص کسی مرکز پر
انکے نظّارے سے ہو جاتی ہے تسکیں دم بھر
نہیں رہتے نہیں ٹکتے نہیں رُکتے دم بھر
برق و سیماب کا دیکھوں نہ تماشا کیونکر

ڈھنگ کچھ یہہ دلِ مضطر کے دکھا دیتے ہیں

مجھ سے کہنے کو تو کیا کیا نہیں کہتا کوئی
میں جسے شوق سے سُنتا۔ نہیں کہتا کوئی

کتنے ظالم ہیں اَحِبّا نہیں کہتا کوئی
کب سے مشتاق ہُوں اِتنا نہیں کہتا کوئی
چل اُسے ہم بھی تجھے جی بھر کے دکھا دیتے ہیں

حُسن کی دید کو نسبت ہے فقط عاشق سے
اُسکو دیکھے بھی کوئی اور تو کیونکر دیکھے
کیوں نہ اِس ظلم کے ہر وقت کروں میں شکوے
کیا قیامت ہے کہ آئینے کو میرے ہوتے
آپ جلوے رُخِ انور کے دکھا دیتے ہیں

کیا نئی بات ہے یہہ کیوں ہو پریشاں دل میں
کہ رہا کرتے ہیں انسان کے اِنسان دل میں
پردہ کس کا ہے رہو تم کسی عُنواں دل میں
اور رہے کون بجز حسرت و ارمان دل میں
رہنے والے تمھیں اِس گھر کے دکھا دیتے ہیں

خاک میں وصل کے ارمان ملائے ہیں بہت
داغ کھائے ہیں بہت رنج بھی پائے ہیں بہت
تنگ جینے سے غمِ ہجر میں آئے ہیں بہت
قہر نے لُطف ستم کے تو اُٹھائے ہیں بہت
ناز اُٹھا کر بھی ستمگر کے دکھا دیتے ہیں

مُبارکبادیاں

مُبارکبادئی ولادتِ باسعادتِ جارج وِکرم وکٹر جیواجی راؤ سندھیا ولی عہد ہزہائی نس مہاراجہ جنرل سَر مادھوراؤ سندھیا عالیجاہ بہادُر بہ القابہ دام اقبالہٗ فرمانروائے گوالیار

ہم تمھیں دیتے ہیں سرکار مُبارکبادی
ہو یہہ مسعود و پُر انوار مُبارکبادی
اب دکھایا ہے ولی عہد نے جلوہ اپنا
کب سے تھی طالبِ دیدار مُبارکبادی
ہوکے اِس نُور سے پُر نُور جو مضموں نکلے
بن گئی مطلعِ انوار مُبارکبادی
یہہ نرالی ہے۔ انوکھی ہے مُبارک تاثیر
ہو گئے ہیں مرے اشعار مُبارکبادی
بختِ خوابیدہ کا جب آج مُقدر جاگے
کیوں نہ دے طالعِ بیدار مُبارکبادی
ہے جو برسات تو برسا کے گُہر دریا کے
دے نہ کیوں ابرِ گُہر بار مُبارکبادی

تار بارش کا بندھا ہے نہیں تھمتا پانی — دئے جاتا ہے لگاتار مبارکبادی

اے مہاراجہ کہے پھر وہ مبارک ہو تمھیں — پائے جب طاقتِ گفتار مبارکبادی

بزم میں دے تمھیں آئینہ نویدِ عشرت — رزم میں دے تمھیں تلوار مبارکبادی

تخت کے نقشِ نگاریں تمھیں دیتے ہیں دعا — تاج کے گوہرِ شہوار مبارکبادی

ہر جگہہ خلق میں ہے عیش و مسرت کا ظہور — چار دیتے ہیں دعا، چار مبارکبادی

اسکی شہرت کہیں ہوگی۔ کہیں شہرہ ہوگا — دیں گے گلدستہ و اخبار مبارکبادی

بعد مدت کے یہ موقع اُسے ہاتھ آیا ہے — دے گا سرکار کو دربار مبارکبادی

اک سے خوش رہو۔ اولاد سے تم شاد رہو — ہو مبارک تمھیں سرکار مبارکبادی

ہے خوش آیندِ ولادت کے اثر سے ذرہ — بات ہے اک دمِ اظہار مبارکبادی

ہو کے خوش جب یہ کہا ذہنِ رسا نے مجھ سے — لیجئے ہو گئی تیار مبارکبادی

مجکو یہ فکر ہوئی اب وہ دعائیں مانگوں — جن سے ہو جائے نمودار مبارکبادی

اے ولی عہد خدا دے تجھے سو سال کی عمر — اور میں دوں تجھے سو بار مبارکبادی

وہ دن اللہ کرے ہو ترے سر پر سہرا — اور دے قیصرِ نمکخوار مبارکبادی

مبارکبادِ جشنِ سالگرہ میری کملا راجہ صاحبہ شہزادیِ حضورِ عالی ہز ہائی نس مہاراجہ جنرل سر مادھوراؤ سندھیا عالیجاہ بہادر والیِ گوالیار

وہ آج کملا کی ہے شاندار سالگرہ — نثار جسپہ ہیں اُسکی ہزار سالگرہ

ہوا ہے بھائی۔ تو ماں باپ کی نگاہوں میں — بڑھائے کیوں نہ بہن کا وقار سالگرہ

کریں گے یاد کہ قابل ہے یاد کرنے کے — رہے گی یاد کہ ہے یادگار سالگرہ

کیا تھا اسکو نومبر میں اس لئے پیدا — کہ ہر خزاں میں دکھائے بہار سالگرہ

گرہ لگائی ہے اس واسطے کملادیں — کہ اس سے ہوتی رہے گی شمار سالگرہ

یہ وہ گرہ ہے کہ جسکے لگائے جانے کی — رہی ہے سال بھر امیدوار سالگرہ

وہ شاہزادے کے ہونے کا جشنِ شاہی تھا — یہ شاہزادی کی ہے شاہوار سالگرہ

جو شاہزادے کو جشنِ طرب مبارک ہو — تو شاہزادی کو ہو سازگار سالگرہ
دُعا یہ مہرِ دُعاگو کے لب پہ جاری ہے — اِسی طرح ہوں الٰہی ہزار سالگرہ

مُبارکبادِ جشنِ سالگرہ حضورِ پُرنور مہاراجہ جارج جیواجی راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر بہ القابہ دام اقبالہٗ والیِ گوالیار

آج کا دن ہو مہاراج مُبارک تمکو — اور ہو سالگرہ آج مُبارک تمکو
تخت کے تاج کے مالک بھی ہوئے ہو تم آج — تختِ مسعود تمھیں تاج مُبارک تمکو
اور اک لال گرہ آج کلاوے میں بڑھی — اور اک سالگرہ آج مُبارک تمکو
ہے اکائی سے دہائی جو سوار اُتبے میں — ہو یہ نو سال کی سرتاج مُبارک تمکو
یوں تو کہنے کے لئے سالگرہ ہے دسویں — لاکھ میں ایک ہے یہ آج مُبارک تمکو
آج اس راج کے ہیں زیرِ نگیں اور بھی راج — یہ مہاراج ۔ مہاراج مُبارک تمکو
جشنِ جمشید کو اس جشن سے نسبت کیا ہو — وہ اُسے کل تھا یہ ہے آج مُبارک تمکو
نذر دے کر تمھیں دیتے ہیں دُعا درباری — ہو یہ دربار مہاراج مُبارک تمکو
دے رہے ہیں تمھیں سرکش بھی مُبارکبادی — ہو نئے ڈھنگ کا یہ باج مُبارک تمکو
آج ہیں شہر میں آراستہ بازار و مکاں — رونقِ سالگرہ آج مُبارک تمکو
دشت میں بھی یہ مسرت ہے کہ ہنگام شکار — کہتے ہیں ضیغم و دُرّاج مُبارک تمکو
تار پر تار یہ باہر سے چلے آتے ہیں — "ہُو مہارج یہ جشن آج مُبارک تمکو"
آج زر لوٹکر اُسکا جو کھلے ہیں غنچے — مُلکِ دشمن کا یہ تاراج مُبارک تمکو
ملتے ہیں منصب و جاگیر ۔ خطاب و انعام — بخشنا اِن کا مہاراج مُبارک تمکو
آج اُمید بر آئی ہے برابر سب کی — کہتے ہیں مُنعم و محتاج مُبارک تمکو

ق

ہے جو یہ سالگرہ گرہ کشائے عالم — اور ہے آج مہاراج مُبارک تمکو
کیا عجب مہر کی قسمت کی گرہ بھی کھُلکر — کہدے یہ فیض کی معراج مُبارک تمکو
جس طرح تخت تھا کل تمکو سعید و اسعد — ہو تمھیں سالگرہ آج مُبارک تمکو

صد۱۳ وسی سال رہے حُکم تمہارا جاری — صد۱۳ وسی سال ہو یہ راج مُبارک تمکو

مُبارکبادِ عطائے تمغا و خطاب "سی۔ آئی" بہ حضُور لامع النُّور ہر ہائی نس مہارانی چینکو راجہ صاحبہ سندھیا دام اقبالہا صدر نشین کونسل آف رجنسی گوالیار

یہ محفل اور یہ جلسا مہارانی مُبارک ہو
جو شاہوں کو دیا جائے۔ جو شاہوں سے لیا جائے
خطاب اچھا ہے تاجِ ہند کا۔ یہ تاجِ عزّت ہے
یہ تم پر خوب سجتا ہے کہ تم ہو موتیوں والی
زبان دی اِس خوشی نے بے زبانوں کو بھی گلشن میں
مُبارک ہو مُبارکبا دکھنا مہر خادم کا

تمھیں "سی۔ آئی" کا تمغا مہارانی مبارک ہو
مُبارک ہے خطاب ایسا مہارانی مُبارک ہو
تمھیں یہ تاجِ عزّت کا مہارانی مُبارک ہو
یہ تاجِ ہند کا ہیرا مہارانی مُبارک ہو
کھلا جو پھُول وہ بولا مہارانی مُبارک ہو
پھر اِندر[1] کا اُسے گانا مہارانی مُبارک ہو

مُبارکبادِ عطائے خطابِ دیوان بہادُر بموقعۂ تہنیتِ سالِ نو بہ عالیجناب راے جے گوپال صاحب اشٹھانا بی۔ اے ایل ایل۔ بی فائینس ممبر گوالیار گورنمنٹ

یہ دریا دل ہیں عادل ہیں۔ یہ فیض رسانِ زمانہ ہیں
یہ نیک نفس۔ دیوان بہادُر جے گوپال اشٹھانہ ہیں

مسرّت یوں تو سالِ نو کی ہر اک سال ہوتی ہے
یہ وہ سالِ مُبارک ہے کہ اِس میں فضلِ یزداں سے
زمانے میں کیا کرتے ہیں نیکی چار۔ چھ۔ دس سے
یہ سب پر لُطف کرتے ہیں سبھی کا ہے خیال اِنکو
مٹاتے ہیں یہ زورِ طبع سے ہر طرح کی اُلجھن
بڑے دانا۔ بڑے منصف۔ بڑے پاکیزہ طینت ہیں

مُبارک ہے بہت اُنیس سو چونتیس ۱۹۳۴ع کا آنا
ہوئے "دیوان بہادُر" رائے جے گوپال اشٹھانا
یہ ایسے نیک ہیں۔ اِنکا زمانے بھر نے گُن مانا
سبھی پاتے ہیں اِنسے فیض نادان ہو کہ ہو دانا
کوئی کیسی ہی گتھی ہو انھیں آتا ہے سُلجھانا
انھیں آتا نہیں نا منصفی کو کام میں لانا

[1] نام طوائف ملازم دربار گوالیار

دیانت میں بھی اچھے ہیں اَمانت میں بھی اچھے ہیں — پھر ایسا ہی انھیں مادھو مہاراجہ نے بھی جانا
انھیں اوصاف نے اِنکو بنایا ممبرِ کونسل — نہیں کیا دل لگی ہے آج ایسا مرتبہ پانا

یہہ اب دیواں بہادر ہیں - دُعا اب مہر کی یہہ ہے
الٰہی اِنکو اس سے بھی بڑے رُتبے پہ پہونچانا

سہرے

سہرا بتقریبِ جشنِ شادیِ اعلیحضرت کیواں مرتبت ہز ہائی نس مہاراجہ کرنل سر مادھوراؤ سندھیا عالیجاہ بہادر دام مُلکہٗ

رہے سہرے کے سر اب کیوں نہ عزوجاہ کا سہرا — کہ عالیجاہ کے سر پر بندھا ہی بیاہ کا سہرا
بجائے رشتہ گوندھا ہے اسے تارِ رگِ جاں سے — عجب مُنھ بولتی تصویر ہے نوشاہ کا سہرا
پروئے ہیں ہزاروں لعل گوہر اسکی لڑیوں میں — خراجِ معدن و دریا ہے عالیجاہ کا سہرا
نگہباں چشمِ بد کا بَن کے وقتِ جلوہ آرائی — ہُوا ہے مستحقِ انعامِ خاطر خواہ کا سہرا
نہ ہے رفعت نہ ہے عظمت فلک بھی نذر کرتا ہے — شعاعِ مہر کی بدّھی شعاعِ ماہ کا سہرا
یہہ نوشہ مالکِ تخت و نگیں ہے سخت حیراں ہوں — اسے نوشاہ کا سہرا کہوں یا شاہ کا سہرا
رُخِ نوشاہ اوجھل ہو نگاہِ چشمِ بدبیں سے — بنا ہے اِس لئے پردہ نظر کی راہ کا سہرا
زباں نے اتنے برسائے ہیں آج اس پر گلِ تحسیں — کہ سہرے پر مکرّر اور اک ہے واہ کا سہرا
مُبارک ہو تمھیں چیجا[1] مہارانی مُبارک ہو — تمھاری آرزو کا ہے تمھاری چاہ کا سہرا
کہے ہیں مہر اوروں نے بھی عالیجاہ کے سہرے — پسند آیا ہے لیکن بندۂ درگاہ کا سہرا

سہرا بتقریبِ شادی بابو رام سروپ عرف رام ورما سٹھولے خلفِ اکبر مصنّف

کیوں نہ مسعود و مُبارک ہو گھڑی سہرے کی — بنکے قسمت لڑی ایک ایک لڑی سہرے کی
اپنے سر پر اسے دیتے ہیں جگہہ رام سروپ — ساری دُنیا سے ہے تقدیر بڑی سہرے کی

[1] اسمِ گرامی جناب والدہ صاحبہ مہاراجہ کرنل سر مادھوراؤ سندھیا۔

کیوں نہو آنکھ مری جوشِ طرب سے پُرنم
اِک طرف لالہ و گُل - ایک طرف لعل و گُہر
کثرتِ گُل سے بنا حاصلِ گلشن سہرا
فرطِ شادی سے وہیں بڑھ کے بلائیں لے لیں
یہہ دُعا مہر کی ہے دولت و اقبال بڑھے

بڑے ارمان سے دیکھی ہے گھڑی سہرے کی
پتی پتی ہے جواہر سے جڑی سہرے کی
قابلِ دید ہے ایک ایک لڑی سہرے کی
رُخِ نوشاہ پہ جب آنکھ پڑی سہرے کی
سہرے والے کو مُبارک ہو گھڑی سہرے کی

سہرا بتقریبِ شادی چودھری سچّدانند سہائے۔ بی۔ اے ایل ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ لکھنؤ دامادِ مُصنّف

کہوں کیوں نہ آنکھوں کا تارا ہے سہرا
یہہ ہو سچّدانند تمکو مُبارک
گُندھے ہیں بہت اِس میں ہیرا و زمرّد
چمک کر یہہ پھولوں سے کہتے ہیں موتی
کیا پیش جس وقت مالن نے لاکر
بڑھائے گا یہہ عمر و اقبال و دولت
نہیں مہر کے پاس اِسکے سوا کچھ

یہہ پیارا ہے دولہ - یہہ پیارا ہے سہرا
بڑی آرزو کا تمھارا ہے سہرا
مُرصّع جواہر سے سارا ہے سہرا
تمھارا نہیں ہے - ہمارا ہے سہرا
مُبارک - مُبارک پُکارا ہے سہرا
سعادت کا روشن ستارا ہے سہرا
یہہ نذر اُس نے کہہ کر گزارا ہے سہرا

سہرا بتقریبِ شادی بابو بھگوان سُروپ رستوگی خلفِ دوم مُصنّف

مُبارک ہو نظر کو دیکھنا بھگوان کا سہرا
نہیں بھولا سما تا رُخِ جبینِ حُسن آگیں پر
زمیں سے آسماں تک غل مچی ہے دھوم سہرے کی
رگِ جاں میں پرو کر غنچۂ دل اِسکو گوندھا ہے
جہانِ حُسن و خوبی میں یہہ اپنے آپ ثانی ہے
اِسی نے باندھکر سر پر مقدر اسکا چمکایا

بڑے ارمان کی بدّھی - بڑے ارمان کا سہرا
تمنا تھی کب سے اِس گھڑی اِس آن کا سہرا
فرشتے دیکھنے آئیں گے کیا انسان کا سہرا
نہیں دیکھا کبھی آنکھوں نے اِس سامان کا سہرا
نہ ہے اِس شان کا طرّہ - نہ ہو اِس شان کا سہرا
نہو ممنون کیوں نوشاہ کے احسان کا سہرا

دعائے عمر و دولت دے کے اہلِ بزم کہتے ہیں ۔ کہا ہے مہرؔ تم نے یہ نئے عنوان کا سہرا

سہرا بتقریبِ شادی بابو گوبند سروپ ورماسٹھولے عرف منوہر سہائے - ایم اے - ایم - او - ایل خلفِ سوم مصنف

دھوم شادی کی مچائی ہے ترے سہرے نے ۔ یہ گھڑی ہمکو دکھائی ہے ترے سہرے نے
کیوں گلِ عیش نہ بن جائیں دلِ اہلِ نظر ۔ کہ کلی دل کی کھلائی ہے ترے سہرے نے
ماہ و پرویں سے زیادہ گلِ تر ہیں روشن ۔ یہ ضیا حسن کی پائی ہے ترے سہرے نے
یوں سرِ بزم نہ کرتے یہ چٹک کر باتیں ۔ بات غنچوں کی بنائی ہے ترے سہرے نے
سر جھکانا ترے قدموں پہ ترے سر چڑھنا ۔ یہ ادا کس کی اڑائی ہے ترے سہرے نے
تجکو مسعود و مبارک ہو یہ گوبند سروپ ۔ محفلِ عیش سجائی ہے ترے سہرے نے
آرزوؤں سے تمناؤں سے بندھکر سر پر ۔ مہرؔ کو شکل دکھائی ہے ترے سہرے نے

سہرا بتقریبِ شادی بابو بدری پرشاد ورماسٹھولے بی کام خلفِ چہارم مصنف

کون کہتا ہے کہ ہے یہ گلِ تر کا سہرا ۔ دل کا ٹکڑا ہے مرے لختِ جگر کا سہرا
ہو نہ کیوں بزمِ طرب اسکی ضیا سے روشن ۔ بدر ہے بدری پرشاد کے سر کا سہرا
جس نے دیکھا ہو دیکھے وہ مری آنکھوں سے ۔ رگِ گل رشتۂ جاں تارِ نظر کا سہرا
فرقِ نوشاہ پہ کیا خوب ہے پگڑی کی پھبن، ۔ اور طرے پہ ہے طرۂ گلِ تر کا سہرا
پہلوؤں میں جو ادھر ہے گلِ تر کی بدھی ۔ تو ادھر فرق پہ ہے لعل و گہر کا سہرا
نگہِ شوق ہے اپنی کہ بچھی جاتی ہے ۔ اور اک سہرے پہ ہے تارِ نظر کا سہرا
کیوں نہ اے مہرؔ سمائے یہ مری آنکھوں میں ۔ ہے مرے نورِ نظر لختِ جگر کا سہرا

سہرا بتقریبِ شادی بابو جگناتھ پرشاد ورماسٹھولے خلفِ پنجم مصنف

باندھکر جب مرا نورِ نظر آیا سہرا ۔ آنکھ کی راہ سے دل میں اتر آیا سہرا

غنچۂ خاطرِ احباب کھلانے کے لئے
دیکھکر دیدۂ انجم سے فلک کہتا ہے
چاندنی رات جو شادی کے لئے ٹھہرائی
بنکر اِک گلشنِ گلہائے تر آئی بدّھی
تھا جو اِسکو نظرِ بد سے بچانا لازم
بنگیا عقدِ ثریّا وہیں سرِ شہ کا طرّہ
کیوں نہ مسعود و مبارک ہو جگن کی شادی
سہرا اے قہر یہ ہے شیام بہاری جی کی

بزم میں صورتِ بادِ سحر آیا سہرا
کب زمیں پر کوئی ایسا نظر آیا سہرا
چاندنی رات کا بنکر قمر آیا سہرا
لیکر اِک معدنِ لعل و گہر آیا سہرا
پردہ بنکر رُخِ نوشاہ پر آیا سہرا
مہِ تاباں یہ جو طرّہ نظر آیا سہرا
جاہ و اقبال کی لے کر خبر آیا سہرا
بندرابن میں جو تجھکو نظر آیا سہرا

سہرا بنا برتقریبِ شادی بابو سورج پرشاد ورما سٹھولے خلفِ اصغرِ مصنّف

گلزارِ محبت سارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
ہو کیوں نہ منوّر اِس سے جبیں کیونکر نہ جبیں پہ چمکے
موتی حق اپنا جتاتے ہیں گندھکر سہرے کی لڑیوں میں
وہ زیبِ گلو یہ زینتِ سر یوں بھی یہ ہے اُس سے برتر
بکھری ہیں صبا کے جھونکوں سے جس دم رُخ پر اسکی لڑیاں
"ہو عمر بڑی اقبال بڑھے دولت ہو فزوں خوش حال رہو"
ہے قہر یہ شادی بھی شادی کی مبارکبادی بھی

پیارا ہے سورج پیارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
قسمت کا روشن تارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
کلیاں کہتی ہیں ہمارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
کب ہار سے بازی ہارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
حوروں نے آکے سنوارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
سر پر بندھکر یہ پکارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا
یوں کہنا کام تمھارا ہے سورج کا سہرا پھولوں کا

سہرا بتقریبِ شادی چودھری کشن پرشاد خلفِ چودھری امبکا پرشاد صاحب رئیس بازار جھاؤلال لکھنؤ

سمایا ہر نظر ہر دل میں سہرا
ہمکنے کو چمکنے کو برابر
گھڑی سہرے کی جب ماں باپ دیکھیں

رہا سہرے کے سر محفل میں سہرا
گل و گوہر بنے شامل میں سہرا
کرے گھر کیوں نہ انکے دل میں سہرا

تماشائی ہیں اسکے اہلِ محفل
تماشا بن گیا محفل میں سہرا

ق
کشن پرشاد باندھیں اپنے سر پر
یہہ رکھتا تھا تمنا دل میں سہرا

ہوئی پُوری وہ حسرت آج اسکی
نظر آیا ہمیں محفل میں سہرا

ادائیں اسکی کیا کیا دلنشیں ہیں
کھُبا جاتا ہے کیا کیا دل میں سہرا

مُبارک امبکا پرشاد کو ہو
سرِ نوشاہ پر محفل میں سہرا

عجب کیا مہر زُہرہ گائے آکر
حریمِ چودھری منزل میں سہرا

سہرا بتقریب شادی حافظ ریاض احمد صاحب ریاؔض دامادِ جناب مولوی محمد نُوح صاحب نُوؔح تاج الشعرا جانشینِ حضرت داؔغ دہلوی رئیس و تعلقہ دار نارہ الہ آباد

زیب دیتا ہے جبیں پر تری کیا کیا سہرا
کیوں نہ پیارا ہو کہ ہے پیارے کا پیارا سہرا

ہو مُبارک تجھے نوشاہ یہہ تیری شادی
ہو مُبارک تجھے نوشاہ یہہ تیرا سہرا

اہلِ محفل بھی کریں سیرِ بہارِ گلشن
خوب مالن نے گُلِ تر سے یہہ گوندھا سہرا

اِس سے بڑھکر ہو کوئی تو کوئی دیکھے اُسکو
سارے عالم کی نگاہوں میں سمایا سہرا

رشک پیدا نہ کہیں ہو چمن و دریا میں
گُل و گوہر کا بنا اِس لئے دُہرا سہرا

غنچہ کھِلا جاتا ہے نہ بے جوشِ نشاط
اپنے جامے میں نہیں پھُولا سماتا سہرا

لڑتی ہیں دیکھنے والوں کی نظر سے لڑیاں
نظرِ بد کا نگہبان ہے کیسا سہرا

رکھکر اِخلاص بنا اور بنی کا باہم
نُوؔح کی حسرتِ دل پُوری کریگا سہرا

تجکو مسعُود و سزاوار و مُبارک ہو ریاؔض
کس محبت سے لکھا مہؔر نے تیرا سہرا

سہرا بتقریب شادی قاضی سیّد بختیار حسن وکیل نورآباد ریاست گوالیار خلف قاضی سیّد مقصُود حسن صاحب حیرؔت مرحوم شاہجہانپوری تلمیذِ خاص حضرت داؔغ

بندھا جو سر پہ دُرِ آبدار کا سہرا
ہزار کا بھی ہُوا سو ہزار کا سہرا

نہ باغبان نے دیکھا۔ نہ جوہری نے سُنا
اِس آب و تاب کا۔ ایسی بہار کا سہرا

برابر اسکے کروڑوں میں ایک بھی تو نہیں،
بلائے تو کوئی اِس سے ہزار کا سہرا

زمرّدیں سرِ دستار ہے اگر طرّہ
تو ہے جبیں پہ گلِ نوبہار کا سہرا

یہ دَورِ عیش و طرب آج ہے تو دُونا ہی
پلائے جامِ مئے خوش گوار کا سہرا

بنا بنی کی جو شادی رچی ہے ساون میں
بنے نہ کیوں رگِ ابرِ بہار کا سہرا

رواں جو ہے سرِ نوشاہ پر سرِ توسن
سوار دیکھتے ہیں شہسوار کا سہرا

گلے کا ہار بنی ہے اسی لئے بدّھی
کرے سکیگا نہ کچھ کام ہار کا سہرا

بنیں گے آرسی مصحف کے وقت تارِ نگاہ
رُخِ عروس پہ نوشہ کے پیار کا سہرا

لڑی لڑی جو پروئی ہے رشتۂ جاں سے
ضرور ہے یہ کسی جاں نثار کا سہرا

خلوصِ دل سے دُرِ نظم نذر کرنے کو
لکھا ہے قہرؔ نے یہ بختیار کا سہرا

سہرا بتقریب شادی کتخدائی سیّد اقبال احمد نقوی فرزندِ ارجمندِ جناب سیّد حکیم احمد صاحب نقوی بی۔ اے۔ بدایونی سینیر ممبر کورٹ آف وارڈس گوالیار

اگرچہ گُل سے بھی۔ گوہر سے بھی ہے رفعت سہرے کی
سرِ اقبال احمد پر ہے یہ قسمت ہے سہرے کی

مبارک ہو مرے نوشاہ یہ تجکو مبارک ہو
بڑی چاہت۔ بڑے ارمان کی ساعت ہے سہرے کی

زباں سے تو بیاں اسکی خوشی کا ہو نہیں سکتا
مگر دل جانتا ہے خوب جو عشرت ہے سہرے کی

عجب شاداب پھولوں سے اسے مالن نے گوندھا ہے
مشامِ جاں بھی جس سے تر ہے وہ نکہت ہے سہرے کی

چٹک غنچوں کی لڑیوں میں کہے جاتی ہے رہ رہ کر
کہ اک منہ بولتی تصویر کی صورت ہے سہرے کی

جھکائے مول دل سے۔ جان سے کیونکر کوئی اسکا
نہ وہ قیمت ہے سہرے کی نہ یہ قیمت ہے سہرے کی

یہ گُل ہیں شوخ چشم انکی تو آنکھیں بند کیا ہوتیں
مگر پردہ رُخِ پُرنور کا حیرت ہے سہرے کی

رُخِ نوشاہ کا آئینہ اپنے پاس رکھتا ہے
نصیبے کا سکندر ہے بڑی قسمت ہے سہرے کی

رہے کیونکر نہ تابِ رُخ سے ہر گُل سرنگوں اسکا
ملائے آنکھ تجھ سے یہ کہاں طاقت ہے سہرے کی

جو سر جھکر بھی سہرے کی لڑ سرِ دامن تک آیا ہے
لگے آنکھیں ترے قدموں پہ یہ حسرت ہے سہرے کی

بنا عقدِ ثریّا طرّہ خطِ کہکشاں بدّھی
یہ دیکھی آسمانوالوں میں کیا عزت ہے سہرے کی

اِسی سے چیز بسیں آج چیزِ عنبریں میں ہے
رُخِ روشن کے تو ہے چاند پر ظلمت ہے سہرے کی

اُٹھے گا کس طرح پھر آرسی مصحف میں چہرہ دل سے
اگر دولہا دلھن کے رُخ سے یہ اُلفت ہے سہرے کی

بچاتا ہے یہ ایسی ویسی نظروں سے ترے رُخ کو
جبینِ حُسنِ آگین پر یہی خدمت ہے سہرے کی

اِسے پاکر بھلا کیونکر نہ دل ماں باپ کا خوش ہو
بڑی دولت ہے سہرا بھی بڑی دولت ہے سہرے کی

بنا اچھی بنی لائے بنی اچھا بنا پائے
یہی شادی ہے شادی کی یہی بہجت ہے سہرے کی

حکیم احمد تمھیں فرزند کی شادی مبارک ہو
ملے سہرے سے تمکو آج جو راحت ہے سہرے کی

بزرگ اس خانداں کے ہیں جنابِ ذوالفقار احمد
اُنھیں کے دم سے یہ عزت ہے یہ حرمت ہے سہرے کی

تعجب کیا اگر حوریں بھی آکر گائیں یہ سہرا
یہاں بزمِ طرب ہے خُلد میں شہرت ہے سہرے کی

یہاں ہم کل بھی آئے تھے یہاں ہم اب بھی آئے ہیں
جو وہ دعوت تھی رخصت کی تو یہ خدمت ہے سہرے کی

کلام اچھا کلیم اچھے یہ مہر اقبال منزل میں
بہت بیاری بہت گہری نورانی صحبت ہے سہرے کی

سہرا بتقریبِ شادی پنڈت کرشن نارائن کول۔ بی۔ اے۔ فرزندِ ارجمند جناب
پنڈت لاڈلی پرشاد صاحب کول ڈپٹی انسپکٹر جنرل میونیسپلٹیز ریاست گوالیار

اِسی دن کی دُعائیں مانگتے تھے پھول سہرے کے
سمائیں آپ میں کیونکر آج پھولے پھول سہرے کے

بندھا ہے کرشن نارائن کے جب سر پر تو محفل میں
پتنگے بن گئے ہیں شمعِ رُخ کے پھول سہرے کے

ترے چہرے پہ چمکاتے ہیں۔ مہکاتے ہیں سہرے کو
دمکتے لعل لڑیوں کے۔ مہکتے پھول سہرے کے

نظر آنے لگا حُسنِ رُخِ نوشاہ سہرے میں
کچھ اِس انداز سے مالن نے گوندھے پھول سہرے کے

مہک اُٹھے دماغِ اہلِ محفل یک بیک کیا کیا
صبا نے جس گھڑی آکر کھلائے پھول سہرے کے

دکھائیں کھِل کے کلیوں نے بہاریں اپنی اب دیکھیں
نکالیں کیا نرالے شاخسانے پھول سہرے کے

زباں رکھکر نیا پہلو نزاکت کا نکالا ہے
کیا کرتے ہیں آنکھوں سے اشارے پھول سہرے کے

اُڑی ہیں گلشنِ فردوس تک وہ اِنکی خوشبوئیں
کہ رضواں کو بھی یہ حسرت ہے دیکھے پھول سہرے کے

جھکا کر ہم نے گردن دل کی آنکھوں سے اُنھیں دیکھا
نہ جب دم آنکھ کے تِل میں سمائے پھول سہرے کے

چمک کر آسماں پر کہہ گئے تارے شبِ شادی
زمیں پر ہم اگر ہوتے تو بنتے پھول سہرے کے

۵۱ ف۔ پورا چاند۔ ۵۲ ف۔ اندھیری رات۔

انھیں کو دیکھتا ہے چشمِ حیرت سے جسے دیکھو
بنے ہیں آئینہ حیراں بنا کے پھول سہرے کے

یہہ دیکھی بادہ خواروں کی کرامت بزمِ شادی میں
برس کر جب کھلا بادل تو بنے سے پھول سہرے کے

جو دولھا کے رُخِ پُرنور سے ہر گُل مہِ نو ہے
دُلھن کی بھی جبیں پہ ہیں ستارے پھول سہرے کے

بلائیں لینے والی ماں رُخِ نوشاہ کی۔ دیکھا!
بلائیں لے رہے ہیں آج کتنے پھول سہرے کے

مبارک لاڈلی پرشاد کو ہو دیکھنا سہرا
کہ ہیں اُنکی تمنا کے دعا کے پھول سہرے کے

خوشی سی ہے خوشی اِس بیاہ کی شادی سی شادی ہے
کھلے جاتے ہیں دل ہی دل میں اپنے پھول سہرے کے

اب اِس پر ایسی ویسی اک نظر بھی پڑ نہیں سکتی
محافظ ہیں رُخِ نوشہ کے سارے پھول سہرے کے

ملے عمرِ خضر۔ بختِ سکندر۔ دولتِ قارُوں
یہہ کہکر چمکے موتی۔ اور مہکے پھول سہرے کے

یہہ کی ہے خوب گلکاری۔ تمھارا مہر کیا کہنا
بنائے ہیں گلِ مضموں سے اچھے پھول سہرے کے

نویدِ شادی بابو شیام بہادر خلف منشی پریم نارائن صاحب تحصیلدار نورآباد۔ گوالیار

مئے گلرنگ ہے گلشن ہے۔ گھٹا چھائی ہے
خوب رندانِ قدح خوار کی بن آئی ہے

زینتِ باغ اِدھر ہے گُل وریحاں کی بہار
رونقِ دشت اُدھر لالۂ صحرائی ہے

اک طرف دشمنِ ایماں ہے نگاہِ نرگس
اک طرف توبہ شکن سبزے کی انگڑائی ہے

کیوں نہ ایسے میں بنیں شیام بہادر دولھا
عیش کا وقت ہے عشرت کی گھڑی آئی ہے

صاحبِ ضلع جھانسی ہیں جو مکھنے سنوج بھان
اُنکی دختر سے یہ نسبت ابھی ٹھہرائی ہے

اُنکے فرزند وہیں ہیں۔ وہیں جائیگی برات
اِلتجا آپ سے اب یہہ بہ جبیں سائی ہے

آئیے۔ کیجئے یہہ میری تمنا پوری
دل مرا آپ کی شرکت کا تمنائی ہے

آپ آکر جو مرے گھر کو کرینگے گلزار
تو یہہ سمجھونگا مرے گھر بھی بہار آئی ہے

اِس قدم رنجہ کی کیوں قدر نہوگی مجکو
یہہ قدم رنجہ مری منزلت افزائی ہے

رُباعیات

پایا تو نشاں ہے بے نشانی تیرا
دیکھا تو مکاں ہے لامکانی تیرا

زیبا ہے تجھی کو نازِ یکتائی پر
تیرا نہ عدیل ہے نہ ثانی تیرا

ولہٗ

نظروں سے کبھی چھُپا نہ دیکھا نہ سُنا
چھُپنے میں بھی بے ضیا نہ دیکھا نہ سُنا
پردے میں رہے اور ضو نمودار رہی
اِس حُسن سا خود نما نہ دیکھا نہ سُنا

ولہٗ

دیوانہ ہُوا ہے۔ کب مُداراتیں ہیں
یہہ قہر پری وشوں کی سب گھاتیں ہیں
سر پر بھی نہ چار اُنگلیاں جو رکھیں،
وہ بات کریں کسی سے؟ یہہ باتیں ہیں

ولہٗ

اِس پردے کی خوب پردہ داری نکلی
دیکھا تو نہ چھاؤں تک تمہاری نکلی
فرقت میں ہماری جان تڑپانے کو
نکلی بھی تو دل کی بے قراری نکلی

ولہٗ

ہیں اور بھی تو جہاں میں حسرت والے
لیکن نہیں دیکھے ایسے اُلفت والے
دیدیتے ہو اپنی جان بھی دل دے کر
اے قہر ہو تم نئے محبّت والے

قطعاتِ تاریخی

قطعۂ تاریخِ وفاتِ حسرت آیاتِ بُلبُلِ ہندوستان دبیر الدولہ ناظم یار جنگ بہادر فصیح الملک نوّاب میرزا خان صاحب داغ دہلوی اُستادِ مصنّف

عید کے دن ماتمِ اُستاد سے
حشر برپا قہر ہر محفل میں ہے
بیوفائی کیوں نہ کرتی زندگی
بیوفائی اِسکی آب و گِل میں ہے
اُٹھ گیا دُنیا سے اُستادِ جہاں
اب جہاں کی شاعری مشکل میں ہے
دُوسرا کیسا اب فصیح الملکِ سا
کون اِس اُجڑی ہوئی منزل میں ہے
داغ کے مرنے سے دِلّی مرگئی
داغ دونوں کا دلِ عاقل میں ہے

یہہ تو سب سچ ہے۔ مگر ماتم ہے کیوں؟	یوں زمانہ کیوں غمِ باطل میں ہے؟
زندۂ جاوید کی کیسی وفات!	داغ زندہ ہر کسی کے دل میں ہے
اے اجل تو کیا مٹائے گی اُسے	کس لئے اِس سعیِ بیحاصل میں ہے
وہ کہاں تیرے مٹانے سے مٹا	داغ تو اب بھی مَہ کامل میں ہے
مصرعِ تاریخ سے ظاہر ہُوا	"دیکھ اجل اب داغ سب کے دل میں ہے"

قطعۂ تاریخِ انتقالِ پُر ملال عالیجناب منشی کنہیا لال صاحب وکیل ہائی کورٹ، گوالیار پدرِ بزرگوارِ مصنّف

سایۂ مہرِ پدر جب سر سے اُسکے اُٹھ گیا	رہ گیا زیرِ فلک جب مہرِ بے مہرِ پدر
اُس نے رو رو کر لکھا یہہ مصرعِ سالِ وفات	"ذرہ ناکارہ ہے اب مہرِ بے مہرِ پدر" ۱۹۰۸ء

قطعۂ تاریخِ رحلتِ پُر حسرت عالیجناب منشی مصری لال صاحب سررشتہ دار پنشنر گوالیار عمِ نامدارِ مصنّف

حیف کیسا صدمۂ جانکاہ ہے یہ مرگِ عم	جس سے عشرت خانۂ دل خانۂ ماتم ہُوا
ہو کے غمگیں لکھدیا یہہ سالِ رحلت مہر نے	"انتقالِ عم سے ہمکو آہ بیحد اغم ہُوا" ۱۹۰۸ء

قطعۂ تاریخ وفات منشی چھوٹے لال صاحب نمبردار و رئیس بدایوں و ممبر میونسپل بورڈ شہر۔ برادرِ خالہ زاد مصنّفِ دیوان حسبِ فرمائشِ اہلیۂ مرحوم و مغفور بہ صنعتِ توشیح

۱	آہ چھوٹے لال صاحب یہہ نہ تھی ہمکو خبر	دُور اس دُنیا میں اتنا کم رہے گا آپ کا	۴
۵۰	نام رہ جاتا ہے باقی۔ نام باقی ہے فقط	قدرداں دس نام سے عالم رہے گا آپ کا	۱۰۰
۱۰	یہہ نہ تھا معلوم ہمکو آپ رہنے کے نہیں	ہم رہینگے اور ہمکو غم رہے گا آپ کا	۵
۵	ہو گیا یہہ عمر بھر کا بیٹا اب تو ہمیں ۱۷	کیا کوئی دو چار دن ماتم رہے گا آپ کا	۲۰

۱	اب تو ہم ہیں اور غم ہے ہمارے دم کے ساتھ	دَم میں جب تک دم رہے گا غم رہیگا آپ کا	۴
۴	دردِ دل کس کو سُنائیں ۔ سُننے والا کون ہے	آپ ہی سُن جائیں آکر ۔ دم رہیگا آپ کا	۱
۸۰۰	ضبط کی تاکید کیوں ہے ۔ ضبط سے کیا فائدہ	ضبط کرنے سے تو دل میں غم رہیگا آپکا	۸۰۰
۷	زہراب کیوں دے نہیں دیتے عزاداروں کو آپ	اِس طرح کب تک بھلا ماتم رہیگا آپکا	۱
۹۰	صُنعتِ توشیح میں تاریخ لکھی قہر نے	ہر سرِ مصرع سے پیدا غم رہیگا آپکا	۵
۹۶۸	۱۹۰۸ء		۹۴۰

قطعہ تاریخ ترتیب دیوانِ چراغِ سُخن مصنفہ جناب منشی حُب لال صاحب رعدؔ تلمیذِ خاص حضرتِ داغ دہلوی ؒ

کیے ہیں کیسے "چراغِ سخن" نے دل تسخیر	کوئی یہ حُب کا عمل ہے کہ سحر سازی ہے
یہ قہرؔ نے سرِ اخلاص سے کہی تاریخ +۱	جنابِ رعد کی اچھی سخن طرازی ہے ۱۳۳۳ھ

قطعۂ تاریخ وفاتِ ابوالخیال نواب ناظم علی خاں صاحب ہجرؔ شاہجہاں پوری تلمیذِ ارشد حضرتِ داغ دہلوی ؒ

ہجرؔ کو چھین لیا جلد اجل نے افسوس	رہگیا دل پہ جہاں کے سُخنِ ہجر کا داغ
حضرتِ ہجرؔ کی ہجرت کا یہ سالِ ہجری	لکھدیا قہرؔ نے آخر "سخنِ ہجر کا داغ" ۱۳۳۲ھ

قطعۂ تاریخ طبع جلد سوم تذکرۂ خمخانۂ جاوید مؤلفۂ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے رئیسِ اعظم دہلی

طربِ عیش کا آنکھوں میں سمایا تھا سماں	کھُبی جاتی تھی نظر میں گُل و ریحاں کی بہار
تھا غضب جلوۂ نیرنگئ خوبانِ چمن	تھی ستم شیوۂ بدمستئ مستاں کی بہار
موسمِ گُل کی ہوا نے وہ ہوا باندھی تھی	کہ اِک اِک برگِ خزاں تھا چمنستاں کی بہار
شاملِ فصلِ بہاری جو ہوئی تھی برسات	تھی عجب روح فزا ابرِ بہاراں کی بہار

کثرتِ عیش سے بدلی تھی یہ غم کی صورت — وصل کی شب سے سوا تھی شبِ ہجراں کی بہار
دشتِ پُرخار میں بھی دیکھ کے سبزے کی نمود — یاد آتی تھی بہت کوچۂ جاناں کی بہار
پھول بن بن کے نکلتے تھے شرارے دل سے — پھلجھڑی جیسی تھی آہِ شرر افشاں کی بہار
دیکھکر اسکو کلی دل کی نہ کھلتی کیوں کر — اک نئے ڈھنگ کی تھی اک نئے عنواں کی بہار
شادبشاش تھا جی۔ خوش تھی طبیعت میری — اور پھر یہ کھلی تھی دلِ شاداں کی بہار
پھول جھڑتے تھے دہن سے مرے ہنگامِ کلام — قابلِ دید مگر تھی لبِ خنداں کی بہار
مجکو حیرت تھی یہ کیا بات ہوئی بارِ خدا — نظر آئی ہے جو یوں عیشِ فراواں کی بہار
غیب سے آئی وہیں کان میں میرے آواز — دلکش اس وجہ سے ہے اب کے زمستاں کی بہار
تذکرہ رائے سری رام نے جو لکھا ہے — جسپہ سو جان سے قرباں ہے گلستاں کی بہار
جس کا خمخانۂ جاوید ہے تاریخی نام — جس کا ہر جام ہے میخانۂ مستاں کی بہار
جسکا ہر غنچہ ہے گلزارِ سخن کی زینت — جس کا ہر پھول ہے رخسارِ حسیناں کی بہار
جسکا ہر حرف ہے معنی و بیاں کا زیور — جس کا ہر لفظ ہے اُردو کے دبستاں کی بہار
جسکے عنوان یہ ہے مدحتِ آصف مرقوم — جسپہ ہے خاتمِ محبوب علی خاں کی بہار
تیسری جلد اُسی کی یہ چھپی اب کے برس — دیکھئے اس میں ہر اک طبعِ غزلخواں کی بہار
انتخابِ سخن اس طرح کیا ہے جس سے — نظر آتی ہے اِک اِک شعر میں دیواں کی بہار
پوچھنا نظم کا کیا۔ نثر بھی وہ لکھی ہے — جس کا ہر فقرہ ہے نظمِ دُرِ غلطاں کی بہار
کاغذ اچھا ہے۔ چھپائی ہے نہایت اچھی — لوحِ رنگیں بھی ہے رنگِ رُخِ خوباں کی بہار
طبعِ رنگیں کا جو لکھنا تھا مجھے رنگین سال — دیکھکر پھر سے میرے دلِ جویاں کی بہار
مجھ سے ہاتف نے کہا کس لئے خاموش ہو تم — "یہ ہی جلد سوم گلشنِ رضواں کی بہار" ۱۹۱۵ء

دیگر

کیا سری رام دہلوی نے یہ — تذکرہ لاجواب لکھا ہے!
شاعروں کے کلام کا اِس میں — انتخاب اِنتخاب لکھا ہے
ہیں سوانح بھی زندگی کے درج — عمر کا بھی حساب لکھا ہے

جلدِ ثالث یہہ اُس کتاب کی ہے
اِس میں ہیں جلوہ گر فصیح الملک[1]
کیا ہو اُنکے کلام کی تعریف
اور بھی شاعروں کے شعروں کا
ہو نہ کیوں اِسکا یہہ شباب حسن
سب نے جب اِس کتاب کو پڑھکر
مہر نے اِس کا زُبدہ بتن میں

جسکو باآب وتاب لکھا ہے
کیا فصاحت کا باب لکھا ہے
جو لکھا لاجواب لکھا ہے
بیمثال انتخاب لکھا ہے
اِس میں حسنِ شباب لکھا ہے
منتخب۔ لاجواب لکھا ہے
سال بھی "انتخاب" لکھا ہے ۱۳۲۲ھ

دیگر

ہیں سری رام ایک دہلی کے رئیس
تذکرہ لکھا اُنھوں نے اِک ضخیم
کی ہے محنت سالہا سال اِس قدر
ہم بھی دیکھیں کوئی اب اِک دوسری
ہے جو یہہ مہرِ انتخابِ منتخب

علم میں۔ خلق وکرم میں لاجواب
ہے وہ اُردو نظم کا نادر نصاب
کردیا برباد سب عہدِ شباب
لکھ تو دے اِتنی بڑی۔ ایسی کتاب
اِسکی ہے تاریخِ "عطرِ انتخاب" ۱۳۲۲ھ

دیگر

سری رام کا وصف کیا کیا کروں میں
سُخنور نہیں۔ تو سُخن فہم ہیں وہ
لکھا تذکرہ وہ اُنھوں نے کہ جس کا
یہہ ہے تیسری جلد اُس تذکرے کی
اِسے دیکھکر میں دعا دے رہا ہوں
نہ سوچو۔ نہ سمجھو۔ نہ پوچھو۔ نہ ڈھونڈو
کہو مہر اِنکار کا سر اُڑا کر

وہ عالم۔ وہ فاضل وہ قابل۔ وہ لائق
سُخن سے ہیں یوں بھی تو اُن کے علائق
بڑی مدّتوں سے زمانہ تھا شائق
لکھائی۔ چھپائی ہے سب اِسکی فائق
کہ ہو یہہ الٰہی پسندِ خلائق
اگر مصرعہ سال کے تم ہو شائق
"سری رام کی کانِ تالیفِ فائق" ۱۳۲۲ھ

دیگر در صنعتِ نادرہ

بتائیدِ یزدان وفضلِ الٰہ
چو لالہ سری رام رنگین رقم

[1] خطاب حضرتِ داغ دہلوی رہ۔

رقم کرد مخمخانۂ شاعراں
بہ نادر مجمل سالِ خمخانہ مہر
کہ از نشۂ بادہ اش سرخوشم
بدبیہہ نوشتم "سرور و ظلم"
۱۹۱۵ء

قطعۂ تاریخِ وفات منشی عبدالرحیم خلف منشی کریم بخش ساکن مرادآباد

چو شد عبدالرحیم از دارِ فانی
بہ فکرِ سالِ رحلت - مہر - از غیب
دلِ پیر و جواں صیدِ قلق شد
ندا در نادر آمد "جاں بحق شد"
۱۳۳۳ھ

قطعۂ تاریخ طبعِ دیوانِ چراغِ سخن مصنفۂ منشی حب لال صاحب رعد تلمیذِ خاص حضرت داغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

معطر ہے اہلِ سخن کا دماغ
یہ مہکے ہیں گلہائے بستانِ رعد
سخن فہم سمجھیں نہ اسکو سخن
یہ نکلا ہے سینے سے ارمانِ رعد
جو شعر و سخن میں تھا فضل و کمال
وہ چھوٹا نہ تا حدِ امکانِ رعد
کوئی کتنی ہی مدح اُن کی کرے
زیادہ ہے اُس سے کہیں شانِ رعد
مبارک ہو اردو کو اردو کے سر
رہے گا ہمیشہ یہ احسانِ رعد
لکھی مہر نے اسکی تاریخِ طبع
چھپا خوب دلکش یہ "دیوانِ رعد"
۱۳۳۳ھ

دیگر ذو قافیتین

کہا ہے یہ رعد نے وہ دیواں کہ جاں بھی اپنی اسے قرباں
بیان کی ہے جدائی اچھی۔ بیاں کیا ہے وصال اچھا
عجب ہے یہ حسن کا مرقع غضب نرالے حسین ہیں اسکے
کسی نے چھب تختی پائی اچھی۔ کسی نے پایا جمال اچھا
کسی کا سجدے میں سر جھکا ہے۔ تو کوئی زیرِ قدم مٹا ہے
کسی نے کی جبہ سائی اچھی کوئی ہوا پائمال اچھا
بٹھا کے رندوں کو میکدے میں۔ بلا کے ساقی نے ہوش کو
صراحی گل کی بنائی اچھی بنایا جامِ سفال اچھا
فراق کے بعد وصلِ جاناں سے کی ہے یہ بات خوب ثابت
بھلائی سے ہے برائی اچھی۔ اگر ہو اُسکا مآل اچھا
بتا دیا ہے کہ عشق اچھا مگر نہیں اس میں شرکت اچھی
رقیب سے ہے لڑائی اچھی۔ رقیب سے ہے ملال اچھا

ہوئے ہیں خوش شعر کہنے والے۔ ہوئے ہیں خوش شعر سننے والے
چھپا یہہ جس دم کلامِ رنگیں ہوا مرا دل بھی فکر آگیں
میانِ بزمِ سخن سے فوراً صدا مرے کان میں یہہ آئی

یہہ شاعری ہے کمائی اچھی۔ شاعری ہر کمال اچھا
لکھائی اچھی چھپائی اچھی۔ کہو کوئی قہر سال اچھا
"زبان شیریں۔ صفائی اچھی۔ بیان دلکش خیال اچھا"
۱۹۱۵ء

دیگر

ہوگیا طبع رعد کا دیوان
وقتِ ترتیب تھا "چراغ سخن"
۱۹۱۴ء
لوگ آنکھوں میں دیں جگہہ اسکو
کتنا شیریں کلام ہے۔ گویا
دلِ حسّاد و نکتہ چیں کے لئے
حضرتِ داغ اب کہاں باقی
شعر کہنا ہو تو اسے پڑھئے
ایک اِک شعر ہے زبانوں پر
مصرعِ سالِ طبع لکھدو قہر

آپ اپنی نظیر اب یہہ ہے
رشکِ ماہِ منیر اب یہہ ہے
نذرِ چشمِ بصیر اب یہہ ہے
خود شکر اور شیر اب یہہ ہے
تیز پیکانِ تیر اب یہہ ہے
اُنکا فیض اخیر اب یہہ ہے
وجہہِ نفعِ کثیر اب یہہ ہے
کس قدر دلپذیر اب یہہ ہے
"سخنِ بے نظیر اب یہہ ہے"
۱۹۱۵ء

دیگر

وہ دیوان چھپا حضرتِ رعد کا
ہوا جب یہہ روشن چراغِ سخن
ہوئی روشنی اسکی کچھ ایسی تیز
کہا بکرمی سال یہہ قہر نے

جسے دیکھکر سب نے کی واہ واہ
جلے اپنے دل میں بہت کینہ خواہ
کہ خیرہ ہوئی حاسدوں کی نگاہ
"چراغِ سخن کیا چھپا آج واہ"
۱۹۷۲ب

دیگر

زمانے کو تھا جس کا شوقِ دیدار
اگر ہے طبع کی تاریخ مطلوب

چھپا اب وہ کلام رعدِ یکتا
لکھوائے قہر "نظم عالم آرا"
۱۳۳۳ھ

قطعۂ تاریخ غسلِ صحت جناب مولوی محمد نوح صاحب نوح رئیس و تعلقہ دار نارہ

ضلع الہ آباد ارشد تلمیذ حضرتِ داغ دہلوی

قہر رنجور تھا بہت غمگیں
جب سے رنجور اُسکے تھے بھائی

دلِ اندوہگیں یہ تھی ہر دم
رنج و آلام کی گھٹا چھائی

بھائی وہ نوح ناروی جن پر
ہوگئی ختم نظم آرائی

میر کی سادگی ہوئی ختم
حضرتِ داغ کی زباں پائی

حسن ہے وہ بیان میں اُنکے
اہلِ دہلی ہیں جسکے شیدائی

جب سے تکلیف سخت تھی اُنکو
کوئی سختی کی تھی گرہ آئی

بارے فضلِ حکیم مطلق سے
آگئی راس چارہ فرائی

جب سُنا نوح ہوگئے اچھے
جان میں جانِ قہر کی آئی

اب طبیعت بحال اُن کی ہے
یہہ خبر کر گئی مسیحائی

سالِ صحت کی فکر ہوتی کیا
تھی جو دل میں زبان پر آئی

بے سرِ یاس لکھدی یہہ تاریخ
"حضرتِ نوح نے شفا پائی"
۱۹۱۶ء

قطعۂ تاریخِ سرفرازیِ خطاب عالیجناب سید التفات رسول صاحب ہاشمی
تعلقہ دار جلال پور رئیس سندیلہ ضلع ہردوئی

ہوئے ہیں خان بہادر اب التفات رسول
دعائیں دیتے ہیں اقبال و عمر کی احباب

کہا یہہ قہر نے سالِ نشاط خوش ہو کر
"ملا ہے خان بہادر کا باشکوہ خطاب"
۱۹۱۴ء

قطعۂ تاریخ ملاقاتِ نوح و قہر در لشکر پایہ تخت گوالیار

وہ گرمی کی شدت وہ بارش کا موسم
کیا ہے سفر کتنی زحمت اُٹھا کر

سرِ دل سے اے قہر تاریخ لکھدو
"ملے قہر سے نوح لشکر میں آکر"
۱۳۳۴ھ

قطعۂ تاریخ عطائے خلعت و مسندِ سرداری وزارت مآب سعائی خیل [illegible]

چندروجی راؤ صاحب آنگرے سردار ریاست گوالیار

مُبارک ہو سرینت آنگرے صاحب مُبارک ہو
ملا ہے آپ کو خلعت ۔ ملی ہے آپ کو مسند
یہی تھی آرزو سب کی یہی ارمان تھا سب کا
سُنا دُ قہر تم اب سال یہہ مسند نشینی کا

عطا کی ہے پھر اب مادھو مہاراجہ نے سرداری
خدا چاہے گا تو جاگیر بھی ہو جائے گی جاری
کہ دیکھیں آپکو پہنے ہوئے پوشاکِ درباری
"ملی پھر آنگرے صاحب کو زیبِ قومِ سرداری"
۱۳۳۵ھ

قطعۂ تاریخِ طبع دیوان جناب نواب ناظم علی خاں صاحب ہجر مرحوم رئیس شاہجہانپور ارشد تلمیذِ حضرتِ داغ دہلوی

ہجر کا دیوان کیا اچھا چھپا
قہر لکھدو تم بھی یہہ تاریخِ طبع

خود کلام ہجر ہے تعریفِ ہجر
"گلشنِ اعجاز ہے تصنیفِ ہجر"
۱۳۳۵ھ

قطعۂ تاریخ طبعِ دیوان جناب عبدالمجید صاحب ازل اسسٹنٹ دفتر چیف انجینیر انہار پنجاب و تلمیذِ خاص حضرتِ داغ دہلوی نوراللہ مرقدہٗ

واہ کیا کہنا ازل ۔ کیا آپنے دیوان لکھا
مژدہ اسکے طبع ہونے کا سُنا جب قہر نے

جو غزل اس میں لکھی وہ دلکش و زیبا لکھی
طبع کی تاریخ "تقسیمِ انجمن آرا" لکھی
۱۳۳۶ھ

دیگر

ہے وہ معشوقِ معانی آج دیوانِ ازل
عیسوی سن میں لکھو یہہ مصرعِ تاریخ قہر

ہر ادا اچھی ہے جسکی دل میں مثلِ نوکِ تیر
"بے بدل کیا لُعبت چیں ہے یہہ دیوانِ بےنظیر"
۱۹۱۷ء

دیگر

عبدالمجید ازل کا اچھا چھپا یہہ دیوان
اُنیس سو چوہتّر ۔ ہے سالِ طبع اس کا

شہرہ ہو کیوں نہ اسکا ہندوستاں میں گھر گھر
تاریخ قہر لکھدو تم ۔ "بے نظیر ۔ برتر"
۱۹۷۴ب

قطعۂ تاریخ وفاتِ واقفِ فنِ سخن ماہرِ عروض و قوافی مولوی سید عبدالاحد شمشاد لکھنوی منیجر مدرسۂ چشمۂ رحمت غازیپور

خلق میں اے مہر جب آنکھوں سے اوجھل ہو گیا
بکرمی نکلا اجل کے قلب سے سالِ وفات

آفتابِ آسمانِ نظم و را وئیِ عروض
چل بسے عبدالاحد شمشاد حاویِ عروض
۱۹۷۴ ب

قطعۂ تاریخ انتقالِ پُرملال جنابِ قاضی عزیزالدین رخشاں جیوری شاگرد جنابِ احسان شاہجہانپوری مرحوم

جا کے رخشاں نے کیا جس دم وطن میں انتقال
حشر برپا گھر میں گھر والوں کے اِن نالوں سے تھا
رو کے اب مُنھ دھوئیں کیا ہم جب عزیزالدین ہی
کیا غضب ہے ساتھ اپنے لے گئے عارف[1] کو بھی
مزرعۂ دل میں نہالِ غم ہرا کیوں کر نہ ہو
اپنے بھائی کے لئے پھر کیوں نہ غمگیں ہوں ریاض[2]
فرطِ غم سے ہے کہاں احباب کو اپنی خبر
صبر کرنا چاہئے۔ بے صبر ہونا ہے فضول
یہ سمجھ لو ایک دن ہم سب کو ہونا ہے جدا
تھی اُدھر تاکیدِ ضبطِ غم۔ اِدھر یہ حال تھا
صبر مشکل تھا مگر اس کے سوا چارہ نہ تھا
مہرِ غمگیں نے سنایا اُنکو یہ سالِ وفات

سب عزیز و آشنا مصروفِ ماتم ہو گئے
"ہائے کیسے لُٹ گئے" "کیسے نصیبے سو گئے"
عمر بھر کو مُنھ ہمارا آنسوؤں سے دھو گئے
کیا ستم ہے چار دن میں۔ ایک گھر سے دو گئے
مرنے والے مر کے تخم اس میں جب اسکا بو گئے
جب ہمیشہ کے لئے وہ زیرِ تربت سو گئے
وہ لگائیں کھوج کیا اُنکا۔ جو خود ہی کھو گئے
وہ نہیں آتے ہیں پھر کر۔ اس جہاں سے جو گئے
اُنکو ہونا تھا جدا ہم سے۔ جدا وہ ہو گئے
اِنکو سمجھانے جو آئے۔ وہ بھی آ کر رو گئے
صبر کر کے صبر کرنے والے گم صُم ہو گئے
ضابرو۔ قاضی عزیزالدین جنت کو گئے
۱۹۱۸ء

قطعۂ تاریخ وفاتِ نعیم النسا زوجۂ سید تفضل حسن فتح پوری منیجر لیدر فیکٹری گوالیار

[1] نام برادرِ مرحوم۔ [2] ریاض الدین ریاض حق۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ٹی

چو رفت زوجِ تفضّل حسن فتح پوری
ازین جہان و بہ گلزارِ خلد گشت مُقیم
نوشت قہر بہ سالِ مسیح سالِ وفات
"شُدہ پسندِ نعیم النسا ریاضِ نعیم"
۱۹۱۸ء

قطعۂ تاریخ طبعِ دیوان شاہ سیّد حامد حسینؒ حامدؔ سجّادہ نشینِ درگاہِ شاہ ارزاں دیوان واقع عظیم آباد پٹنہ و تلمیذِ حضرتِ داغؔ دہلوی رح

شاہِ حامد حسینؒ حامدؔ کو،
فقر میں بھی فراغ اچھّا ہے
زیبِ درگاہِ شاہ ارزاں ہیں،
یہ پتا یہ سُراغ اچھّا ہے
حضرتِ داغؔ سے تلمّذ ہے،
شعر میں رنگِ داغؔ اچھّا ہے
خود بھی اِک خوش بیان شاعر ہیں
فکر اچھّی۔ دماغ اچھّا ہے
طبع اُنکا ہُوا ہے اب دیوان
یہ گُلِ باغِ داغؔ اچھّا ہے
کیا تر و تازہ ہیں گُلِ مضموں
شاعری کا یہ باغ اچھّا ہے
یہ پئے روشنئ بزمِ سخن
گوہرِ شب چراغ اچھّا ہے
بادۂ عشق و عاشقی کے لئے
جام اچھّا ایاغ اچھّا ہے
اِسکے چھپنے کی عیسوی تاریخ
قہر لکھ "فیضِ داغؔ اچھّا ہے"
۱۹۲۰ء

دیگر

شاہِ حامد کا بہ فضلِ ذُوالمِنَن
چھپ گیا دیوان رشکِ گلستاں
سالِ ہجری طبع کا پُوچھیں اگر
قہر کہدو "باغِ گلبرگِ بیاں"
۱۳۳۸ھ

دیگر

چھپ کے حامد حسینؒ کا دیوان
عارضِ حُسن کا بنا ہے جمال
قہر۔ تاریخ سوچتے کیا ہو
"نُورِ عارض"۔ ہے اِسکا فصلی سال
۱۳۲۷ ف

قطعۂ تاریخِ رحلت جناب منشی ونایک پرشاد صاحب طالبؔ بنارسی تلمیذِ خاص حضرتِ داغؔ دہلوی رح

زمزمے اب طالبِ خوش فکر کے باقی نہیں
رہگیا قالب ہی قالب حیف ہے افسوس ہے

قہر اِس خاموشیٔ دائم کی یہہ تاریخ لکھ
"ہو قضا لبدوز طالب حیف ہے افسوس ہے"
۱۳۳۸ھ

قطعۂ تاریخ وفاتِ منشی عابد علی خوشنویس گوالیار

اُٹھ گیا دُنیا سے فنِ خوشنویسی یک قلم
ہوگیا عابد علی جادُو رقم کا اِنتقال

قہر کو تاریخ صُوری معنوی کی فکر تھی
دی ندا ہاتف نے "ہے تیرہ سو اُنتالیس سال"
۱۳۳۹ھ

قطعۂ تاریخ طبع دیوانِ دُوم طوفانِ نوح مُصنفہٗ جناب تاج الشُعرا ناخدائے سُخن مولوی محمد نوح رئیس و تعلقہ دار نارہ ضلع اِلہ آباد۔ جانشینِ حضرت داغ دہلوی

چھپا یہہ دُوسرا دیوان بہت خوب
بہت ہو خوبصورت اِسکی تاریخ

اِسے تھی اِس میں چھپنے کی تمنا
نکالے اب یہہ حسرت اِسکی تاریخ

مُراد اِسکو یہہ مُنہ مانگی ملی ہے
منائے اِسکی عشرت اِسکی تاریخ

جنابِ نوح کا طوفان ہے یہہ
بڑی ہے درحقیقت اِسکی تاریخ

فصاحت کے بہائے اِس نے دریا
یہہ دیتی ہے شہادت اِسکی تاریخ

کلامِ جانشینِ داغ یہہ ہے
بہت پائے گی عزت اِسکی تاریخ

ہُوا یہہ آپ مشہورِ زمانہ
اِسے کیا دے گی شہرت اِسکی تاریخ

یہہ خود تاریخ حُسن و عشق کی ہے
کہے کیا کوئی حضرت اِسکی تاریخ

یہہ ہے جانِ بیاں۔ کانِ معانی
نہو کیوں بیش قیمت اِسکی تاریخ

کرے آخر کہاں تک قہر تعریف
سُنیں اہلِ بصیرت اِسکی تاریخ

جو ہے یہہ شاعرِ فاضل کا دیوان
تو ہے "زیبِ فضیلت" اِسکی تاریخ
۱۳۳۹ھ

قطعۂ تاریخ طبع مجموعۂ نظم موسُوم بہ "رفیقِ مسلم" مصنفۂ منشی احمد دراز خان

عاجز تلمیذِ تاج الشعرا مولوی محمد نوح صاحب نوح ناروی جانشین حضرت داغ دہلوی

کلام پُر لطف ہے سراپا بتائے مہر اسکے حسن کیا کیا	لکھا ہے اچھا چھپا ہے اچھا۔ نہایت اچھا ہے خوشنما ہے
ہوئی ہے فتح جہاں جو دیں سے۔ تو اسکا یہ سالِ طبع سُنئے	جنابِ عاجز۔ رفیقِ مسلم۔ کلام قومی جہاں کشا ہے ۱۳۴۹ھ

قطعۂ تاریخ طبعِ دیوانِ "برقِ تخیل" مصنفۂ جناب ابو التوقیر منشی منظور احمد صاحب افسر امروہی

کس قدر پُر سوز ہے۔ پُر درد ہے طرزِ بیاں	دردمندانِ محبت کی یہہ گویا جان ہے
اِک مرقع ہے نیاز و ناز کا سارا کلام	عاشقوں کا دین معشوقوں کا یہہ ایمان ہے
کیوں نہ سمجھیں پھر اسے ہم اِک کتابِ حسن و عشق	عشق کا سرمایہ اس میں حسن کا سامان ہے
مل گئی اسکی زبانِ چاپ سے تاریخ مہر	"خوب افسر کا دُرِ نایاب یہہ دیوان ہے"
	۱۳۴۲ھ

دیگر

جب سُنا یہہ چھپ رہا ہے "برقِ تخیل" آج کل	کیا کہے مہر اسکو کیسا مہر کا جی خوش ہوا
سالِ فصلی طبع ہی کے دل سے نکلا فی البدیہہ	"خوب افسر کا کلیدِ عقل یہہ دیوان چھپا" ۱۳۳۳ فصلی

قطعۂ تاریخ وفاتِ عبد الغنی فرزندِ ڈاکٹر ریاض الدین صاحب سنبھلی اسسٹنٹ سِول سرجن گوالیار

ریاض الدین کو اے مرگِ فرزند	دیا جب تُو نے غم عبد الغنی کا
گئے لشکر سے لکھوا کر یہہ تاریخ	"ہُوا ہمکو الم عبد الغنی کا" ۱۳۴۲ھ

قطعۂ تاریخ طبعِ دیوان "شہرۂ آفاق" مصنفۂ منشی غلام حسین خاں آفاق بنارسی تلمیذِ جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر حضرتِ جلیل مانکپوری

پڑ رہی ہے آج جس پر ایک عالم کی نگاہ	کہدیا دیوان ایسا۔ تھا یہہ کام آفاق کا
کیوں نہ ہو ہر شعر اس کا غیرتِ شعرِ حزیں	جانتے ہیں سب بنارس ہے مقام آفاق کا

ہر سخن اپنی جگہہ رکھتا نہیں اپنا جواب
یا رُباعی - یا غزل - یا ہے سلام آفاق کا

کوئی بندش - کوئی پہلو حُسن سے خالی نہیں
اللہ اللہ رے سُخن میں اِہتمام آفاق کا

جو اِسے پڑھتا ہے ہو جاتا ہے دل سے مُعتقد
جو اِسے سُنتا ہے پی لیتا ہے جام آفاق کا

پُرضیا اِسکی ضیا سے اِس طرح آفاق ہو
جس طرح آفاق میں روشن ہو نام آفاق کا

"شہرۂ آفاق" جسکا نام ہی رکھدیں جلیل
وہ سخن کیونکر نہ ہو مشہور عام آفاق کا

مہر اِس دیوان کی تاریخ بھی تم یہ کہو
"شہرۂ آفاق ہے بیشک - کلام آفاق کا"
۱۳۴۳ف

قطعۂ تاریخ وفاتِ منشی ہمت سہائے صاحب سکسینا بریلوی وکیل و مجسٹریٹ گوالیار

مہر نیکی کا صلہ ہمت سہائے
خُلد میں پائیں خُدائے پاک سے

وہ نہیں نکلیں گے - نکلے گا مگر
سالِ رحلت "خاطرِ غمناک" سے
۱۹۲۱ع

قطعۂ تاریخ تعمیرِ خانہ باغ جناب سید حکیم احمد صاحب نقوی بدایونی بی-اے سکریٹری جوڈیشل ڈپارٹمنٹ گوالیار

چو سید حکیم احمد ایں خانہ باغ
بنا کرد رشکِ ریاضِ نعیم

مسیحی رقم کرد تاریخ مہر
"عدیم البدل خانہ باغِ حکیم"
۱۹۲۸ع

قطعۂ[1] تاریخ طبع دیوان "دُرِّ یکتا" مصنفہ منشی شنکر سروپ صاحب مفتون شکوہ آبادی تلمیذ حضرتِ نوح ناروی جانشینِ حضرتِ داغ رح

کلام اپنا جو چھپوا یا کیا احسان یہ مفتون نے
دعائیں دے رہا ہے دل اُنھیں ہر اُنکے ممنوں کا

نہ سمجھیں کیوں کسی کی یادگارِ مرگ وہ اِسکو
کہ ہے ابتو یہی آرام اُنکی جانِ محزوں کا

جنابِ نوح جو ہیں جانشیں داغِ سخنور کے
یہ دیواں ہے دُرِ مکنوں اُنھیں کے فیضِ مکنوں کا

نہو پھر کیوں نہ مانا اِس کے اِک اِک شعر پر مفتوں
کہ ہے جو شعر اِسکا وہ اثر رکھتا ہو افسوں کا

بھلا کیا خاک ہوگی اِس سے نسبت گنجِ قاروں کو
یہ دولت ہے معانی کی - خزانہ ہو یہ مضموں کا

[1] بعد کو معلوم ہوا کہ یہ دیوان ابھی طبع نہیں ہوا ہے -

سنِ ہجری میں سالِ طبع اسکا قہرؔ یہہ لکھدو	چھپا ہے "دُرِ یکتا" آج یہہ دیوان مفتوں کا

۱۳۴۸ھ

قطعۂ تاریخ طبعِ دیوانِ "سوزِ بیدلؔ" مصنفۂ شیخ محمد دلاور بیدلؔ متوطنِ سہارنپور وخود ساکنِ حال گزر گنج پشاور تلمیذِ خاص امیر الکلام حسّان الہند حضرت غریب مرحوم و مغفور سہارنپوری

شاعرانِ نغز گو ہیں آجکل
یہہ دلیری ہے مگر کس لطف کی
رہنے والے ہیں سہارنپور کے
ہیں یہہ تلمیذِ غریبِؔ نکتہ داں
مانتے ہیں یہہ فصیح الملکؔ کو[1]
اور جو اُن سے ہوئے ہیں فیضیاب
دل سے ہیں دِلّی کی بولی پر فدا
ہیں یہ قادر نظم کی ہر صنف پر
واقفِ فنِ رسوزِ شعر ہیں
ہیں غرض بیدلؔ نہایت پختہ کار
"سوزِ بیدلؔ" انکا دیوانِ بدل
فارسی۔ اُردو جو توام اس میں ہیں
خوب پرکھا ہے انھیں صرّاف نے
بیٹھکر پردہ نشیں کے دھیان میں
چال سے طاؤس کی دے کر مثال
اُف رے جذبِ عشق کی نیرنگیاں
گو یہہ حسن و عشق کا میخانہ ہے
یہہ دو رنگی اسکی کرتی ہے عیاں
حضرتِ بیدلؔ بھی ہیں اک خوش کلام
ہیں تو بیدلؔ۔ ہے دلاور انکا نام
اور رکھتے ہیں پشاور میں قیام
شاعری میں جنکا برتر تھا مقام
تھے جو فخرِ ہند۔ اُستادِ نظام
کرتے ہیں اُنکا بھی دل سے احترام
اور ہیں پٹے پر اُس کے صبح و شام
ہو غزل۔ یا ہو رباعی۔ یا سلام
جانتے ہیں خوبیاں اسکی تمام
مانتے ہیں اسکو سارے خاص و عام
چھپ رہا ہے اب بہ حسنِ اہتمام
مثلِ جوڑا ہے دو پیکر یہہ کلام
ہو نہیں سکتے ہیں کھوٹے اسکے دام
دل سے آنکھوں کا لیا ہے خوب کام
حُسن والوں کا دکھایا ہے خرام
کفر و دیں رکھتے ہیں اس میں ایک نام
ہیں مئے عرفاں کے بھی کچھ اس میں جام
ہوگا یہہ دیوان مقبولِ انام

[1] خطاب حضرت داغ دہلوی مرحوم

اسکے چھپنے کا کہو یہ سال مہر
"حضرت بیدل کا ۱۳۹۵ھ رفیع ہے کلام"

قطعۂ تاریخ انتقال زندہ دل خوش بیاں میاں بنّے خاں متوطن رام پور مقیم لشکر گوالیار

باعثِ تفریح تھا جس کا وجود
اُسکی اب ترکیبِ جسم وجاں نہیں
کہدیا یہ مہر نے سالِ وفات
"آہ غم! موجود بنّے خاں ۱۳۶۳ھ نہیں"

قطعۂ تاریخ طبع دیوان دوم "مشہورِ آفاق" مصنفہ منشی غلام حسین جاں آفاق بنارسی تلمیذ جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر حضرتِ جلیل مانکپوری

جو نام آفاق کے دیواں کا چھپ کر
ہوا زیبِ زباں "مشہورِ آفاق"
تو سالِ طبع اُسکا مہر نے بھی
لکھا "مشکورِ جاں مشہورِ آفاق" ۱۳۵۳ھ

قطعۂ تاریخ وفاتِ حسرت آیات شاعرۂ یگانہ مخفیٔ زمانہ جناب بیگم فخر النسا صاحبہ حجاب شاہجہانپوری ارشد تلمیذۂ حضرتِ جلال لکھنوی مرحوم و مغفور

جو زندگی میں رہ نہیں سکتے کسی طرح
آرام بے حساب وہ ہیں امنِ خلد میں
غمگیں ہے مہر کس لئے تاریخ کہہ کے دیکھ
"فخر النسا حجاب ۱۳۹۰ھ وہ ہیں امنِ خلد میں"

تقریظ منظوم جلد سوم تذکرۂ "خمخانۂ جاوید" مولفہٗ لالہ سری رام صاحب ایم اے رئیس اعظم شہر دہلی

ہر بات جہاں میں شعرا کی ہے نرالی
ہو واقعہ کوئی کہ ہو مضمونِ خیالی
جادو کا اثر رکھتی ہے تقریرِ دل آویز
انکا کوئی مضموں نہیں تاثیر سے خالی
یا رب کوئی ٹکسال ہے یا انکی طبیعت
سانچے میں ڈھلی نکلی ہے جو منہ سے نکالی
وہ مال ہے پونجی سخنِ نغز کی ان کے
جس کا بجز انکے کوئی وارث ہے نہ والی
آزردہ کسی حال میں ان کو نہیں دیکھا
جاتی نہیں انکے کبھی چہرے کی بحالی
چپ بیٹھے تو قربان خموشی ہوئی لب پر
کی بات تو ہر بات میں اک بات نکالی
اس طرح چہکتے ہیں یہ گلزارِ سخن میں
گویا روشِ بلبلِ خوش لہجہ اڑا لی
سیکھے کوئی ان لوگوں سے اندازِ تکلم
رندوں سے جو کی بات تو زہّاد پہ ڈھالی
جو بات یہ کہہ دیں گے پھر اس سے نہ ہٹینگے
ہٹ جائیں اگر قطبِ جنوبی و شمالی

ہر پھول سے یہہ گوندھتے ہیں ہار سخن کے — ہے انکی طبیعت چمنِ نظم کی مالی
جب ڈھونڈتے ہیں سرخیِ لب کی کوئی تشبیہہ — گلشن سے یہہ پھولوں کی اڑا لاتے ہیں لالی
ہر چشمِ گہربار کے اشکوں سے بناکر — موتی کی پنہا دیتے ہیں یہہ کان میں بالی
مرجاتے ہیں اندازِ خموشی پہ کسی کے — جی جاتے ہیں سنکر لبِ خاموش سے گالی
اللہ رے نزاکت نہ دہن ہے نہ کمر ہے — یہہ سب سے جدا رکھتے ہیں معشوق خیالی
دیکھو تو انھیں پیار کی باتوں میں انھوں نے — کس پیار سے اردو کی زباں تھی کبھی پالی
جس طور سے چاہیں یہہ کریں صرف زرِ نظم — قدرت نے انھیں سونپی ہے اس گنج کی تالی
جی چاہا تو جاگی ہوئی قسمت کو سلایا — بن آئی تو بگڑی ہوئی تقدیر بنالی
دل میں جو سمایا کوئی اندازِ جنوں کا — مجنوں کی طرح سر پہ وہیں خاک اڑالی
صحرا میں لگی پیاس تو صحرا میں پئے اشک — رستے میں لگی بھوک تو ٹھوکر کوئی کھالی
زاہد کی مذمت سے کیا ہے کبھی جی خوش — میخانے کی تعریف سے رندوں سے دعالی
یا ہجر کی شب بند کئے دل میں سب ارماں — یا وصل کی شب حسرتِ دل خوب نکالی
یا دل ہی میں اک شوخ کو مہمان بلاکر — آئی ہوئی سر پہ سے گھڑی ہجر کی ٹالی
جنت میں بھی دنیا کے حسیں یاد رہے ہیں — اللہ رے ان لوگوں کی آشفتہ خیالی
عشق انکا مگر پاک ہے، عاشق ہیں یہہ اسیر — ہے دل کے مرقع میں جو تصویرِ جمالی
لاتے نہیں یوں چھپ کے یہہ میخانے سے بوتل — واعظ کی پڑی آنکھ تو دامن میں چھپالی
یہہ رندِ سیہ مست ہیں صہبائے سخن کے — انکے لئے آتی ہے گھٹا جھوم کے کالی
گلرنگ مئے نابِ سخن پیتے ہیں ہر وقت — خالی کبھی رہتی ہی نہیں ان کی پیالی
خمخانۂ جاوید سے مے ان کو پلاکر — ساقیِ ازل نے کئے خم سیکڑوں خالی
دنیا میں بھی انکے لئے اک بحرِ کرم نے — خمخانۂ جاوید کی بنیاد یہہ ڈالی
اب اس میں یہہ سب زندۂ جاوید رہیں گے — صورت یہہ نئی ان کی بقا کی بھی نکالی
خمخانۂ جاوید ہے یا بزمِ سخن ہے — ہیں اس میں ہزاروں شعرائے ماضی و حالی
یہہ تذکرہ وہ تذکرہ ہے جسکے سخنور — رکھتے ہیں وہ رتبہ جو ہے اعلیٰ سے بھی عالی

اِس تذکرے میں اب وہ نظر آتے ہیں ہمکو
جن لوگوں کی صورت نہ کبھی دیکھی نہ بھالی

اِنکے لئے دیکھے ہیں کئی ہند کے قصبے
اِنکے لئے چھانے ہیں بہت شہر و حوالی

دَولت بھی مُصیبت بھی اُٹھائی ہے بہت کچھ
جب جاکے ملے یہہ دُرِ مضمونِ خیالی

مشہور سُخنگویوں کے حالات لکھے ہیں
گمناموں کی گمنامی پہ اِک روشنی ڈالی

شاعر جو گرے جاتے تھے پھر اُنکو اُبھارا
بے قدری نے جو بات بگاڑی تھی بنالی

ایک ایک کے اِس طرح کئے منتخب اشعار
جس طرح پرکھتا ہے کوئی لعل ولآلی

کلیاں چُنیں ہیں ہر طرز کی ہر باغِ سُخن سے
ہر رنگ کے پھولوں سے بنائی ہے یہہ ڈالی

حالات دلآویز ہیں اشعار ہیں دلکش
دیکھے اِنھیں اب آنکھ جو ہو دیکھنے والی

اُٹھے گی اُٹھائے نہ کسی کے نہ جہاں میں
یہہ پوٹ جو احسان کی ہے باندھ کے ڈالی

مٹنے سے بچایا ہے فنِ شعر و سُخن کو
یہہ لالہ سری رام کی ہے ہمّتِ عالی

ہیں نیک دل و نیک منش نیک طبیعت
دل اُنکا ہے بُغض و حسد و رشک سے خالی

فاضل نہیں ۔ ہیں وہ رئیسِ افضال کے وارث
عالم نہیں ۔ ہیں مملکتِ علم کے والی

ہے شوق لڑکپن سے اُنھیں شعر و سُخن کا
اِس کام کی بُنیاد اِسی شوق نے ڈالی

اِس کام کا کیا کہنا ۔ یہہ وہ کام ہے جس سے
مُردوں کو کیا زندہ ۔ تو زندوں سے دُعا لی

دیدے کے رُپیے سیکڑوں دیوان لئے ہیں
ایسوں سے جنھوں نے یہہ گراں جنس چھپالی

اُن لوگوں کے دیوان بھی چھپوائے اُنھوں نے
شُہرت کو سمجھتے تھے جو اِک خام خیالی

بالیں پہ گئے اُن کی جو دم توڑ رہے تھے
دَب جاتی جو ساتھ اُنکے وہ دولت بھی نکالی

تلچھٹ سے کیا صاف اِک اِک جامِ سُخن کو
اِک اِک کی پیالی یونہیں آنکھوں سے کھنگالی

چمکایا ہے ہر طرح غرض اہلِ سُخن کو
صورت شُعرا کی بخدا خوب سنبھالی

ہندو کی مُسلمان کی تفریق نہیں یہ کچھ
ہے قابلِ تعریف یہہ آزاد خیالی

یہہ تذکرہ مجموعہ ہے اشعار کا نادر
تاریخِ سُخن ہے یہہ زمانے سے نرالی

دو جلدیں اسی تذکرے کی پہلے چھپی ہیں
اب تیسری جلد اسکی یہہ چھپوا کے نکالی

اِس جلد میں جتنے شُعرا جلوہ نما ہیں
ہے مرتبہ اُنکا مری تعریف سے عالی

یوں اسکی سفیدی و سیاہی ہے نمایاں
ہے خوب لکھائی۔ تو چھپائی بھی ہے مرغوب
کیا آب ہے کیا تاب ہے اس جلد کی واللہ
ہے دیکھکر اسکو یہہ دعا پھر لب پر

جس طرح کوئی رات ہو اُجلی کوئی کالی
ہے نُور کے سانچے میں بہر طور یہہ ڈھالی
حُسّاد نے بھی دیکھ کے جان اپنی جلالی
اللہ کرے اور بڑھے ہمتِ عالی

اشعارِ متفرق مُحاورات

الف

با وفا۔ بے مہر۔ اتنا کوئی کیوں ہونے لگا
ستم کیا نہ فلک نے۔ نہ جور تو نے کیا
ہم موردِ الم نہیں ہوتے۔ یہہ کیا ہُوا!
کہا جب اس میں لاکھوں داغِ اُلفت ہیں تو وہ بولے
نہیں ہوتا ہے جب دل ہی کسی کا
مری التجا سُن کے اُس شوخ نے
لڑتے ہو غیر سے تم۔ لڑتا ہی غیر تم سے
میرے پہلو میں تڑپنے سے ملی اُسکو نجات
دل تو ہے اپنے کہے کا۔ اُس سے میں کچھ کیوں کہوں
یونہیں بلا تھا۔ قہر تھا۔ آفت تھا وہ حسیں
وہ کہتے ہیں جب چاہو تصور میں بُلا لو
لُطف ہوتا جو تجھے داد طلب لیجاتے
پھر اِن میں محبت کے جو مضمون بھرے ہیں
اُلفت میں حسینوں کی وہ اسکے سوا کیا ہے
یہہ شیوہ کیا تری نظروں نے اختیار کیا
اُف رے اُف رے نگہِ ناز کی یہہ ہُشیاری

مجھ سا کوئی۔ آپ جیسا کوئی کیوں ہونے لگا
مجھے خراب مرے دل کی آرزو نے کیا
آب وہ تم سے ستم نہیں ہوتے۔ یہہ کیا ہُوا!
اِدھر آؤ۔ دکھاؤ تم جگر۔ میں یوں نہ مانونگا
بھروسا کیا کرے کوئی کسی کا
عُدو سے کہا۔ آپ کو دیکھنا!!
میری خطا نہیں ہے مجکو نہ سان لینا
دل نے تیری زلف میں اپنا سُبھیتا کر لیا
وہ نہ مانا ہے۔ نہ مانے گا کبھی میرا کہا
بانکی ادا نے اور بھی اُس کو اُڑا دیا
اب اُنکے نہ آنے کا گماں ہو نہیں سکتا
ڈھونڈتا تیرا انگھیاں سرِ محشر پھرتا
پڑھتے ترے اشعار ہی دیکھا جسے دیکھا
دل اپنا فدا کرنا اِنگشت نما ہونا
کسی کو خوار کسی کو اُمیدوار کیا
دل بھی لینا تو اُسے ٹھوک بجا کر لینا

دے مجھے اب آسماں کچھ اور کھانے کے لئے
نہ کٹتی ہے۔ نہ ڈھلتی ہے۔ نہ جاتی ہے قیامت ہے
کسی پر نہیں زور چلتا کسی کا
اب کیا کروگے نالہ و فریاد کر کے قہر
جب کہا کیا دلنشیں ہے خالِ رُخ بولے چہ خوش
خدا حافظ مرے دردِ نہاں کا
وعدۂ وصل سے انکار نکر ناظالم
دشت میں محفل تری یاد آ گئی
اب کرتے دھرتے کچھ بھی بن آتی نہیں اُسے
یہ ایذا دوست ہے اچھا نہونا تھا کبھی اِسکو
زخم دل کا بندھ گیا انکو رجب
وہ تری قہر کی نگاہیں۔ اور
لوٹ کر آرہی ہیں کیوں مجھ پر
جا بھی۔ ہم نے دلِ شیدا تری ہمت دیکھی!
رات میخانے میں کیا بات ہوئی تھی ساقی
دو ہی دن میں غمِ محبت نے
وہ برسے تھے جس دم دلِ زار پر
یا خدا۔ اب کون دے میری گواہی حشر میں
رہے گا ہم سے الگ ہی الگ نہ مانے گا
مجھے بو آرہی ہے ہر نفس کے ساتھ کیا باعث
سیکڑوں کا آج تیغِ یار نے
پھیر کر آپ جنسِ دل مجکو
یاد آئے وصل میں ایّام ہجر

غم تو کھاتے کھاتے اُلفت میں مرا جی بھر گیا
شبِ فرقت کو آیا بھی تو آیا بے سحر ہونا
مرے دل پہ قابو ہے کیونکر کیا کسی کا
کیوں صبر اختیار کیا۔ تم نے کیا کیا!
آپ کے دل کا سُویدا ہو گیا تِل کیا ہُوا
کہ اب جی پک گیا ہے راز داں کا
جی کہیں لوٹ نجائے ترے شیدائی کا
یوں ہمیں جنگل میں منگل ہو گیا
دل پھنسکے دامِ زلف میں چکر میں آ گیا
ہمارے زخمِ دل میں کس لئے انکو رہبر آیا
ایک چرکا اور قاتل نے دیا
بید کی طرح کانپنا دل کا
کیا بلاؤں کا آج پل ٹوٹا
تجھ پہ آفت اِدھر آئی تھی کہ چیں بول گیا!
تیرے رندوں نے بہت شور مچا رکھا تھا
دل کا سب خُون خُورد بُرد کیا
تو اِسکو مناسب تھا دَم کھینچنا
ایک دل تھا وہ بھی اُسکا فرکی جانب ڈھل گیا
چڑھی ہُوئی ہے ابھی اُسکی رگ نہ مانے گا
سڑا اندر ہی اندر چارہ گر کیا زخمِ دل میرا!
دیکھتے ہی دیکھتے قتل کر دیا
قصّہ کوتاہ کیجیے امیرا
ہائے کیا کُریال میں غُلّہ لگا

اہلِ اُلفت کو ستاتے رہے کیسا کیسا
آپ نے صبرِ عزیزوں کا سمیٹا کیسا

جب کوئی پھل لگا مرے نخلِ اُمید میں
فوراً ہی برقِ یاس نے اُسکو فنا کیا

مجنوں کے تن پہ تھا فقط اک جامۂ حیات
آخر کو اُس نے وہ بھی فنا کر کے رکھدیا

یوں تو کہنے کے لیے تھے وامق و فرہاد بھی
نام لیکن عاشقی میں مہر نے پیدا کیا

آسماں پھر رہا ہے کیوں دن رات
کیا پڑا صبر خاکساروں کا

وہ جو اشکوں پر ہمارے ہنس دیئے
آبرو پر صاف پانی پھر گیا

ہم ہوں تری بلا سے سُبکدوش یا نہ ہوں
خنجر اُٹھا کے تُو نے تو احسان رکھدیا

تلوار ہی جو اُٹھ نہیں سکتی تو کس لئے
تم نے عدو کے قتل کا بیڑا اُٹھا لیا

توڑا جو دل بھی رند کا ساغر کو توڑ کر
تو محتسب نے اس میں کمایا ثواب کیا

کہہ رہی ہے یہ مرے پاؤں کی گردش مجھ سے
آج پھر چرخِ ستمگر کوئی چکر لایا

کیا تماشا ہے اُسے بھی وہ بگولا سمجھے
جب مری خاک نے اُڑ کر کوئی چکر باندھا

ہے شکر آج اُنکے رُخ سے نقاب اُٹھی
مدت کے بعد ہم سے اُنکا حجاب ٹوٹا

مِٹتے مِٹتے مِٹے گی شرم اُن کی
اُٹھتے اُٹھتے حجاب اُٹھے گا

ہمدردیوں نے اُسکو بنایا ہے دردمند
ناصح بھی کھا کے غم مرا غمخوار ہوگیا

کریں عشق میں کیا تمنائے خُلد
وہاں غم ہمارا غلط ہو چکا

بلا نازل ہوئی آفت پڑی کیا کیا تعب ٹوٹا
شبِ فرقت دلِ بیتاب عاشق پر غضب ٹوٹا

دل ہمارا خمِ گیسو میں پھنسا کر چھوڑا
یہ ستم ہم پہ ستمگار نے آکر توڑا

سُنا ہے آج اُسنے سیکڑوں کو راہ مین لوٹا
خدا جانے ہمارے نامہ بر پر کیا ستم ٹوٹا

دے کے دل جان بھی اُنھیں دیدی
فیصلہ ہو گیا محبت کا

ٹوٹکر جس دم کسی پر آئے گا
مجھ پہ یہ دل اک قیامت ڈھائے گا

نہ کسی نے مجھے لوٹا نہ کسی نے مارا
پھر لُوٹے دلِ مضطر پہ اسی نے مارا

گزرنا ہے اُس کے در تک تو
مگر اُس تک گزر نہیں ہوتا

داغ کیا جاتے رہے دنیا سے مہر
بلکہ لطفِ شاعری جاتا رہا

جانا یہ ہم نے اِس سے گزرنا محال ہے	جس وقت بحرِ عشق پہ اپنا گزر ہوا
تم نے ستم کئے تو وہ عادت تمہاری تھی	میں نے ستم اُٹھائے یہ میں نے ستم کیا
زندہ ہُوں ابھی ہیں تو۔ بالیں سے نجاؤ تم	وعدہ مرا آنے دو۔ پھر اُٹھ کے چلے جانا
ہم رہے وعدے کی شب بیتاب جسکے واسطے	وہ تو وعدے پہ نہ آیا اور وعدہ آگیا
لازم ہے مجکو یُوں (الاماں) وِید کرنا	ظالم گر تجھے تو وعدہ وعید کرنا

ب

جوش پر آچلا ہے اُنکا شباب	کمسنی ہو رہی ہے پا بہ رکاب

پ

کس لئے کہہ کے بیوفا مجکو	صبر میرا سمیٹتے ہیں آپ
جائیں تو بھُولے بھٹکے کبھی دن میں جائیں آپ	بزمِ عدو کے روز نہ چکر لگائیں آپ

ت

نہو اُس سے کیوں فتنۂ حشر مات	قیامت کا قد ہے۔ قیامت کی گات
بناتے تھے باتیں بہت آج ناصح	جو اُس بُت کو دیکھا تو خود بنگئے بُت

ٹ

دل اگر اے شوخ تجھ پر لوٹ ہے	جان ہے تیری ادا پر لوٹ پوٹ

ث

جب کچھ نہو مطلب تو کسی سے اُنھیں کیا بحث	مطلب نہ رہے جب تو کسی سے اُنھیں کیا بحث

ج

تم نظر آؤ تو پھر کیا نظر آئے سُورج	عرقِ شرم میں کیوں ڈوب نجائے سُورج

چ

وصل کے وعدے کئے دو چار بار	کی مگر ہر بار تم نے تین پانچ

ح

جَور رہیں جور ہم پر آسماں	اِس طرح کب تک دئے جائیں طرح

خ

بات کرتے نہیں وہ رُخ دے کر — اِس قدر ہم سے ہو گئے بے رُخ

د

مُسکرا کر میرے آگے تم نے شرمانے کے بعد — اِک قیامت توڑ دی دل پر ستم ڈھانے کے بعد

کیا کہوں گزری قیامت کیا دلِ مہجور پر — آپ کے آنے سے پہلے۔ آپ کے جانے کے بعد

چاند کی ہو دید ہمکو بھی رُخِ روشن کی دید — وہ جو آجائیں تو آجائے ہمارے گھر بھی عید

ڈ

میری بھی آہ تیغِ دو دم سے نہیں ہے کم — اُنکو عبث ہے ابروے خمدار پر گھمنڈ

ذ

جو نہ کھائے اُسکو کیا معلوم ہو — کس قدر ہے یہہ غمِ اُلفت لذیذ

ر

قتل پھر قتل سخت جانوں کا — مُنھ تو بنوا ے آپ کی تلوار

پہلے سے بھی زیادہ وہ ناراض ہو گئے — آیا جو حرفِ وصل ہماری زبان پر

اب ڈرے چرخ میرے نالوں سے — تازہ دم ہیں ہوا ہوں دم لے کر

عہد جھوٹا کیا ہے دل لے کر — ٹھگ لیا ہمکو اُس نے جُل دے کر

دیا پھر دل نہ دل سے ہاتھ دھو کر — کہ انساں سیکھتا ہے کھا کے ٹھوکر

ڈس لیا مارِ زُلف نے دل کو — جھاڑنا پھونکنا ہے اب بیکار

پھر بیتاب ہو تم کس لئے کس کے لئے؟ — کون ہے۔ کون ہے۔ جی لوٹ گیا ہے کس پر؟

جان آجائے نہ کیوں پا کر دلِ گم گشتہ کو — اِس کا مُنھ دیکھا ہے کوڑی کو بس ہم نے ڈھونڈ کر

گلچیں نے توڑ کر وہیں دامن میں رکھ لیا — جب کوئی پھول باغ میں آیا بہار پر

نامِ خدا جوان ہو۔ دن ہیں شباب کے — اب حسن آگیا ہے تمہارا بہار پر

بن جائیں بُت جو تُو بُتِ کافر نظر پڑے — تصویر ہو گئے تری تصویر دیکھ کر

حیراں ہیں پھر جلوۂ دیدار دیکھ کر — تصویر بن گئے ہیں رُخِ یار دیکھ کر

تصور میں نظر آتی ہے بل بھرتی ہوئی ہمکو	گماں گزرے گا دل لینے کا اُنکی زلفِ پُر خم پر

ڑ

بلا سے ذکرِ فراقِ عدو نہ چھیڑ کہ چھیڑ	تری تو چھیڑ سے ظاہر ہے تو نہ چھیڑ کہ چھیڑ

ز

میں چھپاؤں تیری اُلفت کس طرح	دل کے نالے فاش کر دیتے ہیں راز

س

دیکھا جب اُنکو حضرتِ دل سٹ پٹا گئے	وہ سامنے جو آئے تو اِنکے گئے حواس

ش

وہ کیا آئے یہہ کیا آنا ہے اُن کا	ہمارے تو گئے آئے ہُوئے ہوش

ص

رنج دیتا ہے ستمگر خاص خاص	وہ ستم کرتا ہے مجھ پر خاص خاص،

ض

سُنیں وہ عرض مری۔ اور کیا مری ہو عرض	یہہ التماس کیا ہے۔ یہہ میں نے کی ہے عرض

ط

قول سے عہد سے محبت میں	تم نہ بدلو۔ یہہ پہلے ید لو شرط

ظ

رندوں سے عیش بر سرِ پیکار ہے واعظ	سُرخ آنکھیں تو کہتی ہیں کہ میخوار ہے واعظ
جب بادہ نخوت ہی سے سرشار ہے واعظ	پھر کیوں یہہ سمجھ لے کوئی ہشیار ہے واعظ

ع

یارب رہے ہمیشہ یہیں مست و بے خبر	ہو چشمِ یار کو نہ مرے دل کی اطلاع

غ

دل پہ کیا مچلے ہو۔ دل کیا مال ہو	جان بھی کب ہم نے کی تم سے دریغ

ف

وہ نہ آئے گا بلا سے کوئی پائے تکلیف — اُسکو کیا ایسی پڑی ہے کہ اُٹھائے تکلیف

ق

خیال و وہم۔ گماں رنگ ڈھنگ طور طریق — تمھارے جیسے کہاں رنگ ڈھنگ طور طریق
تم سمجھتے ہو جسے اپنی ادا کا مشتاق — وہی کمبخت تو ہوتا ہے قضا کا مشتاق
آتے رہتے ہیں لب پہ یہہ کیا کیا شبِ فراق — نالوں کا میرے تار نہ ٹوٹا شبِ فراق

ک

ساغر میں یہہ نہیں تو سمجھ لو کہ ہم نہیں — بس اپنی زندگی ہے مئے لالہ فام تک
روز تو مجھ سے نئی چال چلے گا کب تک — میں بھی دیکھونگا ترا وعدہ ٹلے گا کب تک
حال اُن سے بیان کون کرے — ہو رہی یہاں تو جی دھک دھک

گ

یوں بھی رہا ہوں عیش و طرب سے الگ تھلگ — بیٹھا تو بزمِ یار میں سب سے الگ تھلگ
ہنستے ہیں زخمِ دل بھی۔ چراغِ مزار بھی — لیکن ہے اُنکی طرزِ تبسم الگ الگ

ل

جب سے ہے پہلو میں خالی جائے دل — ہے جگر پر ہاتھ۔ لب پر ہائے دل
میں تری بیتابیوں سے تنگ ہوں — غیر کی آئی تجھے آ جائے دل
حسن کی دید سے خوش کون نہیں ہوتا ہے — گُل جو پھولا تو اُسے دیکھ کے پھولی بلبل
رہتی ہیں بلائیں اِسکو گھیرے — دانتوں میں زبان ہے مرا دل
آگے تیرِ ناز کے جب اَڑ گیا — پھر نہیں سرکا کسی صورت سے دل

م

کیوں پھریں صحرا میں اے جوشِ جنوں — آبرو گھر میں لئے بیٹھے ہیں ہم
آئی مشکل میں ہمارے کام تو آئی یہی — مانتے ہیں آپ کی تلوار کا اِحسان ہم

ن

اپنے دل پر یہہ بڑا جبر کئے بیٹھے ہیں — اہلِ اُلفت کا وہ کیوں صبر لئے بیٹھے ہیں

نہ نکلتے ہیں۔ نہ نکلے ہیں۔ نہ نکلیں گے کبھی
لگائے رکھتے ہیں دل میں ہم اس لئے انکو
غمزہ وناز دل آزار نظر آتے ہیں
دستِ وحشت نے گریبان میں چھوڑا کیا ہے
کیوں جانتا نہ رسم وزبانِ دیارِ عشق
اُف رے اُف اُنکو یہ مجھ سے اجتناب
دل کے گاہک بھی دل کے لینے میں
کئے ہیں سیکڑوں وعدے تو نہیں آنے کے اقاصد
صبر کرلے دلِ مضطر تو ابھی دیکھیں
اب کیا تمھارے پھول چڑھانے سے فائدہ
نہ بلاتے ہیں وہ۔ نہ آتے ہیں
غم بھی کھانے کو اب نہیں ملتا
کتنی مرغوب ہے انھیں یہ چیز
عرضِ مطلب تو کوئی گالی نہ تھی
ایک کا ہو کے جو نہیں رہتا
پوچھتے ہیں وہ سب سے حال مرا
سیر کرنے کو بھی وہ گھر سے اگر جاتے ہیں
تجھ پہ ہوتے ہیں فدا۔ تجھ پہ جو مرجاتے ہیں
ارماں جو نکالے بھی نکلیں نہ کبھی دل سے
کیا تیری محبت کے ہاتھوں سر چڑھکے زمیں گرتے ہیں
اُنکی رسوائی سے کیا اشک مرے ڈرتے ہیں
سب زبانی ہے تمھارا جمع وخرچ
دشنام دے نہ ہمکو۔ نہ ہم پر وہ آئے منھ

اچھی آخور کی بھرتی ہیں یہ ارماں دل میں
اُڑتے تھڑے میں یہ نالے ہی کام آتے ہیں
آج وہ بر سرِ پیکار نظر آتے ہیں
تار الجھے ہوئے دو چار نظر آتے ہیں
پھر اب سے دور تازہ ولایت تو میں نہیں
عید کے دن بھی گلے ملتے نہیں
سیکڑوں توڑ جوڑ کرتے ہیں
نہ آئے ہیں۔ نہ آئیں گے وہ ٹالم ٹول کرتے ہیں
پہلے ہم دَوڑ کے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
تم آئے میری قبر پہ جب قبر بھی نہیں
انگلیوں پر مجھے نچاتے ہیں
فاقے کرتے ہیں بھوکوں مرتے ہیں
وہ مرے دل پہ جان دیتے ہیں
آگئے کیوں آپ ایسے جوش میں
اُس پہ ہم چار حرف بھیجتے ہیں
کس قدر چھان بین کرتے ہیں
سیکڑوں وہم مرے دل میں گزر جاتے ہیں
جان سے جاتے ہیں وہ۔ جی سے گزر جاتے ہیں
بیکار سراپا ہیں۔ خوگیر کی بھرتی ہیں
جو گرد سے بچکر چلتے تھے وہ دھول اُڑاتے پھرتے ہیں
ایسی غیرت ہے تو کیوں ڈوب نہیں مرتے ہیں
دل میں تو ہرگز مری اُلفت نہیں
پہلے سے آپ کان عدو کے اُمیٹھ دیں

میرے رونے پہ وہ نہیں ہنستے
آپ کے پاس کیا رہا دشمن
غمِ فرقت میں غم کھا کر ہی اپنا پیٹ بھرتے ہیں
دلِ برباد میں عشق و جنوں آباد ہوتے ہیں
تیرا خیال جب سے نہیں سر میں رات دن
منھ میں آتا ہے جو انکے وہ کہا کرتے ہیں
تاروں کی چھاؤں آئے وہ بزمِ رقیب سے
تلاشِ یار میں رُکنا کہیں دم بھر قیامت ہے
آپ عشّاق کا دل توڑ کے کیا لیتے ہیں
نہ نبھے گی رقیب سے اُلفت
ہاتھ پہ ہاتھ مار کر وہ آج
عدو وہ اُنکے خنجر سے منھ موڑتے ہیں
کیا یہہ ہوتا ہے۔ نہ دیکھا کبھی آزردہ جنھیں
فقط کہنے کو گویا اور خوش گفتار ہے قاصد
رکھ رکھ کے میرے دیدۂ گریاں پہ بار بار
حروف اچھّے ہیں۔ موزوں لفظ ہیں مضموں اچھوتا ہے
الٰہی یاد آتے ہیں انھیں کس کے دُرِ دنداں
شبِ دیجورِ غم روشن ہے کیوں داغِ جگر میرا
بہ دقّت بھی اگر آتے ہیں لب پہ ناتواں دل سے
خوبرو ناز سے۔ غمزے سے۔ ادا سے ہر دم
کیا غضب ہے اُنکے خط کا کرتے کرتے انتظار
ہر روز رات دن ہے۔ ہر روز آج کل ہے
وعدہ لیا۔ زبان بھی لی۔ قول بھی لیا

زخمِ دل پر نمک چھڑکتے ہیں
ناک کا بال بن گیا دشمن
جو کچھ ملتا ہے ہمکو ہم اُسی پر صبر کرتے ہیں
جو دیوانے ہیں ویرانے میں رہکر شاد ہوتے ہیں
انگڑائی توڑتے ہیں پڑے گھر میں رات دن
کہنے والے بھی کہیں بند رہا کرتے ہیں
دیکھا یہہ آج آخرِ شب میں نے خواب میں
ہم اپنے دل کے آنے سے بڑے چکر میں آتے ہیں
دل جو رکھتے ہیں وہی دل سے دُعا لیتے ہیں
آئیے شرط ہم لگاتے ہیں
ہم سے ملنے کی شرط کرتے ہیں
غضب ہے وہ مجھ پر غضب توڑتے ہیں
ہاتھ مَل کر وہ مری موت کا غم کرتے ہیں
کہے جا کر وہاں کچھ اُنسے یہہ کہنے کی باتیں ہیں
موتی پرو رہے ہیں وہ زلفِ دراز میں،
لکھا ہے تم نے خط دشمن کو۔ یا موتی پروئے ہیں
کہ میرے دیدۂ تر رات دن موتی پروتے ہیں
جُدائی میں کسی کی کیا مجھے موتی پرونے ہیں؟
مرے نالے مرے سر پہ بڑا احسان کرتے ہیں،
جان لے لینے کا سامان کئے رہتے ہیں،
وعدہ آ پہونچا مگر قاصد نہ آ پہونچا یہاں
ہم خوب جانتے ہیں وعدہ وہ ٹالتے ہیں
لیکن مری وفا کا کسی کو یقیں نہیں

و

قرار آئے تو کیا آئے تمہارے بیقراروں کو
قضا بھی تو نہیں آتی ہو ان آفت کے ماروں کو

جو یوں گزری کسی کے عشق میں یارب تو کیا گزری
کہ مجھ سے دشمنوں کو لاگ ہے نفرت ہے یاروں کو

ابھی اقرار پر لب بھی اُدھر ہلنے نہ پایا تھا
اُمیدیں بند ہو گئیں کیا کیا اِدھر امیدواروں کو

بھر سکیں کبھی سینے پہ نہ رکھے۔ نہ سہی
تم نے ان ہاتھوں سے مٹی بھی کہاں دی مجکو

بے سبب بیتے ہو کیوں انکو سزا یہہ تو کہو
کیا ہوئی اہلِ محبت سے خطا یہہ تو کہو

بیوفا میں نے کہا تمکو تو کیا جھوٹ کہا
تم نے کی کس سے زمانے میں وفا یہہ تو کہو

دُوں دعائیں تو کہیں تیغِ دو دم دو ہمکو
داد چاہوں تو کہیں دادِ ستم دو ہمکو

دیکھو تمہارا پاؤں کہیں ہے۔ نظر کہیں
میری خبر کو آئے ہو۔ اپنی خبر تو لو!

کر رہے ہو اسکی مٹی کیوں خراب
وائے و میرے دلِ مرحوم کو

لگاؤ نہ غیروں کو منہ اس طرح
اگر آئیں تو انکو دھتکار دو

اُنکے غصے سے یہہ ٹپکتا ہے
گاڑ دیں گے زمین میں مجکو

ظلم کرتے ہو عاشقوں پر تم
کیوں غریبوں کا صبر لیتے ہو

خاک میں مجکو ملایا عشق نے
خاک میں ملجائے اسکی آبرو

شامِ غم کے بعد ہے صبحِ فراق
ایک آفت ہو تو دل کو صبر ہو

نہ ہے تو قول کا پورا۔ نہ تو ہے بات کا پورا
ہمارا پھر کوئی ارمان پورا ہو تو کیونکر ہو

تمہاری انجمن میں وہ بھی ہے مہمان ہم بھی ہیں
جلاؤ اب ہمیں تم۔ یا لگاؤ آگ دشمن کو

وہ شوخ بھی ہے۔ مے بھی ہے۔ صحنِ چمن بھی ہے
آ جائے اب بہار تو کیسی بہار کو

جو تم پہ جان دیتا ہے۔ فدا ہوتا ہے جو تم پر
اُسی سے منہ چھپاتے ہو۔ اسی سے پردہ کرتے ہو

خدا جانے نظر آئی ہے کس کی آنکھ کی گردش
کہ چکر رات دن آتے ہیں اس گردُونِ گرداں کو

وصل کا وعدہ کیا۔ پھر بھی ستم کرتے ہو
شاخِ اُمید ہری کر کے۔ ظلم کرتے ہو

ملنے کو جب زباں سے کہو تو ملا کرو
وعدے کا یہہ مزا ہے کہ وعدہ وفا کرو

ہ

رکھتیں عدو کے عشق کو اپنے ہی دل میں آپ	دنیا میں اسکا ڈھول بجانے سے فائدہ
ہی	
جو بار سر اُتارے تن سے وہ شمشیر بھی اچھی	جو دل کے پار ہو جائے وہ نوکِ تیر بھی اچھی
مِلاکر اُنکے درباں کو ملیں ہم اُن سے خلوت میں	یہہ ہے تدبیر تو اچھی جو ہو تقدیر بھی اچھی
جسے تم اپنے جُرمِ عشق پر تعزیر دیتے ہو	اُسے زنداں بھی اچھا ہو اُسے زنجیر بھی اچھی
کہا کچھ منہ ہی منہ میں پھر اُٹھایا ہاتھ میں خنجر	پڑھی یہہ تم نے میرے قتل پر تکبیر بھی اچھی
کبھی یادِ سوزِ فراق میں جو گھٹا بہار کی آ گئی	تو نکل کے سینے سے آہِ دل مرے آگے چرخ پہ چھا گئی
نالہ کہ میرے نالے نہ تڑپا سکے تجھے	کچھ دیر دھوم تو تری محفل میں رہ گئی
جس وقت یاد آ گئی اُسکی نگاہِ شوخ	بجلی سی اک تڑپ کے مرے دل میں رہ گئی
قاتل تو چلدیا اُدھر ارماں نکال کر	بسمل کی آرزو دلِ بسمل میں رہ گئی
کیوں رہ گیا خلش کے لئے خارِ آرزو	نوکِ مژہ نہ ٹوٹ کر اس دل میں رہ گئی؟
کبھی غازہ جو مل لیا اُس نے	اور بھی رُخ کی آب و تاب ہوئی
عیب کیوں دیکھتے ہو اوروں کے	پُشت جب سوجھتی نہیں اپنی
کرکے نالے کر دیا ناخوش کسی کو کیا کیا	آپ اپنے پانوں میں ہم نے کلھاڑی مار لی
آنے کو کہہ گیا تھا کوئی مگر نہ آیا	یہہ تو ہمیں بتائی اچھی اُڑان گھائی
تصویرِ حسنِ رُخ کی مانی بھی گو اُتارے	لیکن رہے گی تم سے اُنیس بیس پھر بھی
جب وہ آئے تو کسے تھا ہوش عرضِ مدعا	عقل کے طوطے اُڑے جاتے رہے اوسان بھی
کان تک اُنکے شبِ ہجر نہ پہونچا کمبخت	شورِ فریاد نے کیا بات ڈبوئی میری
جب بٹھایا ہمکو لاکر درس گاہِ عشق میں	حرفِ اُلفت کے الف سے ہم نے بسم اللہ کی
اور ناصح سے زیادہ کس کو ہے میرا خیال	کوئی آتا ہے جو تیسوں دن تو آتا ہو وہی
تم چھپاتے ہو عبث عشقِ عدو	ابتو اسکی سب میں تالی پٹ گئی
شبِ ہجر آنکھوں سے برسے جو اشک	تو برسات کی سی جھڑی لگ گئی
کہہ گیا آپ کے منہ پر سب کچھ	آپ نے غیر کی چھاتی دیکھی!

[illegible]

مانگا نہ زر کسی سے ۔ کبھی نہ زر کی یاری
کیوں نہ ہو پھر قہر میرے شعر میں سوز و گداز
اب محبت میں کسی کا بھی سہارا نہ رہا
ایک کے ہو کے کیوں نہیں رہتے
اپنے جینے سے میں ہُوا بے زار
دل کو پھنسا لے یا مرے دل میں جگہ کرے
وہ بگڑ بیٹھے سوالِ وصل پر
ستم و جور کا نتیجہ کیا
جس طرف حشر میں اُٹھی وہ نگاہ
اب کیا ہمارے پاس سے جانے کو رہ گیا
دن بھر وہیں رہا ۔ وہیں ٹھہرا تمام رات
آئے ہو گزری جب شبِ وعدہ
ملتے نہیں تو ملنے کا اقرار کیجئے
لالے کے پھول کس نے کھلا کر سرِ چمن،
کہوں بھی تو کہوں کس واسطے میں باوفا تم کو
اشک آنکھوں میں ۔ آہ لب پر ہو
کرے کیا اثر ۔ کیا اثر خاک ہو
کہوں کیا طبیعت جبھی اُن پر آئی
آپ کی راہ میں کس روز نہ اُٹھّے فتنے
عدو سے رسمِ محبت ادا نہیں ہو گی

دُنیا میں رہ کے ہم نے دُنیا پہ لات ماری
میں نے جب چلمیں بھری ہیں داغ اُستاد کی
دل کے جاتے ہی ہماری تو کمر ٹوٹ گئی
کیا ہی ڈھلمل یقین ہو تم بھی!
مجھ سے ظالم نے جب کھائی کی
مختار ہے وہ زلف سیاہ و سفید کی
میری اُنکی آج گہری چھن گئی
کیوں سمیٹے کسی کا صبر کوئی
غُل ہُوا ۔ شور مچا ۔ دھوم پڑی
دولت گئی ۔ کمال گیا ۔ آبرو گئی
لُوٹی بہار غیر نے کیا بزم یار کی!
عید کے بعد ہے یہ ٹر کیسی ؟
میرے لئے جو پھول نہیں پنکھڑی سہی،
تصویر کھینچدی ہے دلِ داغدار کی
نکالا کوئی ارماں ۔ کوئی حسرت تم نے پوری کی
کہیئے کیا غیر کی خبر آئی
ہماری دعا کو دُعا لگ گئی
مرے دل نے کیسی قیامت مچائی
آپ کی چال سے کس دن نہ قیامت اُٹھّی
یقیں لائیے اُس سے وفا نہیں ہو گی

ے

فائدہ کیا تجھے ساقی مرے ترسانے سے
کیا کرے بیمارِ اُلفت اب شفا کے واسطے

میں تو بہک جاؤنگا بس ایک ہی پیمانے سے
زہر بھی ڈھونڈے نہیں ملتا دوا کے واسطے

راہ میں روکا ہے عرضِ مدعا کے واسطے
بیٹھا ہوں کی تاب نہیں تھی اگر مجھے
یہ جانتا ہوں دردِ محبت ہے لا دوا
یہ تو گماں نہ تھا نگہِ یار پر مجھے
کیا بُت یہ جانتے ہیں کہ میرا خدا نہیں
اُف خوشی قتل کی خنجر کو ہَ تو سمجھا
دیکھا ہے اِدھر تُو نے دیکھا ہے اُدھر تُو نے
بے حیا غیر بھی اے شوخ ادا کتنا ہے
کیوں لڑکپن میں حسیں ہوش کی باتیں نہ کریں
نہ پتا مہر کا مسجد میں نہ بتخانے میں
وہ قیامت اُٹھائے پھرتے ہیں
ظلم بھی۔ جور بھی۔ جفا بھی ہے
ٹیڑھ کی داد کیا ملے تم کو
نکالوں دل سے کیا میں آرزو کو
اب تو جاکر دیکھ آؤ مہر کو تم اِک نظر
اُس بزم میں کسی کی کچھ پوچھ پچھ نہیں ہے
اُنگلی پکڑ کے فوراً کہیں نہ پہنچا
سُنتے ہی حرفِ مدعا میرا
وہ بھلا ایسے کہاں کے ہیں غیور
بات کیا اپنے ہات ہوتی ہے؟
جب وہ کہتے ہیں ہم سے کوئی بات
پہلے ہی اپنے ستم پر تھے نہایت نازاں
دیکھ لیں جس دن یہ کوئی مہ جبیں

اُس بُتِ کافر کو دے کر خدا کے واسطے
کیوں شام ہی سے دی نہ دکھائی سحر مجھے
کرنا ہے اِمتحان ترا چارہ گر مجھے
رکھ لے گی آنکھ ملتے ہی تلوار پر مجھے
آزار دے رہے ہیں جو آزار پر مجھے
کاٹ کر اپنا گلا عید منائی میں نے
جب دل پہ مرے ظالم ڈالی ہے نظر تُو نے
آنکھ میں آنکھ ملائے ہی چلا جاتا ہے
ہوش آتا ہے تو پھر ہوش کہاں رہتا ہے
اب خدا جانے وہ کمبخت کہاں رہتا ہے
دل قیامت اُٹھائے جاتا ہے
اِس ستم کی کچھ اِنتہا بھی ہے
کج ادائی۔ کوئی ادا بھی ہے
کہ آبادی ہے اِس گھر کی اِسی سے
وہ چراغِ صُبح ہے۔ وہ آفتابِ بام ہے
جو اپنے پانو آئے وہ اپنے پانو جائے
اِس ڈر سے ہاتھ بھی وہ دل کو نہیں لگاتے
وہ انگوٹھا دکھا کے بھاگ گئے
بات پر اغیار کیوں مرنے لگے
سب بن آئے کی بات ہوتی ہے
بیچ میں غیر کُود پڑتا ہے
کی جفا مجھ پہ تو وہ اور بھی کچھ پھول گئے
عاشقوں کی بس اُسی دن عید ہے

سر سے یوں ٹال دی آئی میں نے
قصۂ غم سُن کے وہ کہنے لگا

بزمِ دشمن میں سوا پہلے سے بھی جلتا ہے
شامِ غم کا تو نہیں کوسوں پتا

مُدّت گزر گئی تجھے دیکھے ہُوئے ہیں
پڑ گئی ان پہ اگر اُفتادِ عشق

جن سے رونق تھی وہی باغِ جہاں میں کم رہی
تم سے جو جا ہیں وہ کہیں اغیار

ٹھیک تھا گو چہرہ مُہرہ۔ رنگ رُوپ
ارماں لُٹا لُٹا کر خلوت کی رات دل نے

کیوں نہ ہوں خوش آج وہ پہلو میں ہے
نظر جب اُنکو آجاتے ہیں کانٹے دشتِ وحشت میں

بدلتے نہیں ہم پلٹتے نہیں
اُنکو ایسا کہیں نہیں ملتا

وہ خلوت ہو کہ جلوت اُنکی باتیں ترک نہیں سکتیں
آسماں کھانے کو دے اِتنا تو غم

دل دیکھتے ہی وہ نگہِ شوخ جھک گئی
نظّارہ حُسن کا جو تبسّم کے ساتھ ہے

شبِ فراق بھی میں دل کو صبر دے لیتا
دو چار قدم چل کے وہی کیوں نہ دکھا دیں

شبِ غم اُنکو نیند کیا آتی
میرے اشکوں نے خاک میں ملکر

اپنے دل کو نثار کون کرے

دے کے دل جان بچائی میں نے
بھر گیا جی آپ کی بکواس سے

جب بن آتی نہیں کچھ ہم سے تو جی جلتا ہے
جی دھڑکتا ہے ابھی سے کس لئے

جی لوٹتا ہے جلوۂ دیدار کے لئے
حضرتِ دل چار میں خانے چت گرے

دو گھڑی بھی تو نہ سبزے پر دُرِ شبنم رہے
میرے آگے تو چُوں نہیں کرتے

پھر بھی کیا یُوسُف کو نسبت آپ سے
حاتم کی گور پر بھی ماری ہے لات دل نے

رات دن تڑپا ہے دل جس کے لئے
ہمارے پاؤں کے چھالوں کا کیا کیا سر کھجاتا ہے

ڈھلے جس طرف اُس طرف ڈھل گئے
دل ہمارا بھی کیا عجُوبہ ہے

رقیبوں سے سرِ محفل بھی گھُس گھُس کر بھی جاتی ہے
مُنہ ہمارا ہر گھڑی چلتا رہے

ہتیار اُس نے ڈال دئے اِس کے سامنے
لُطفِ سُخن وہ لطفِ ترنّم کے ساتھ ہے

جو بے قرار نہ کرتا ترا خیال مجھے
مُدّت سے بڑی دُھوم قیامت کی مچی ہے

دھوم ڈالی تھی میرے نالوں نے
آبرو خاک میں رلائی ہے

اُنکے خنجر کو پیار کون کرے

۴ [illegible]

یہہ انقلاب ہو تو محبت میں آئے لُطف
ہیں اُس سے اور غیر سے وہ بدگماں رہے

ڈر ہے کہیں نہ زیرِ زمیں بھی یہہ آسماں
بنکر ہمارے سوزِ جگر کا دُھواں رہے

دل کی لگی تو وہ ہے کہ دل کی لگی سے ہم
تفتیدہ دل کبھی تو کبھی نفتہ جاں رہے

ایسا توکُل بجُز دلِ عاشق کہیں نہیں
جو موسمِ بہار میں برگِ خزاں رہے

ہیں یوں تو تُند خُو ہی زمانے کے مہ جبیں
وہ مہرباں ہے قہر یہ جو مہرباں رہے

بچاتے ہم اگر اُسکی نظر سے
نہ روتے دل کو سر پہ ہاتھ دھر کے

اُنکی محفل میں پُوچھ کچھ ہی نہیں
آتا آئے وہاں کہ جاتا جائے

لگادی خاک نے خنجر نے قاتل
تری محنت۔ مری مٹی ٹھکانے

اگر تم کان رکھتے ہو تو اِک دن
سُنو قصہ ہمارا کان رکھ کے

خانۂ یار کا مِلنا نہیں مشکل قاصد
پُوچھتے پُوچھتے اللہ کا گھر ملتا ہے!

کرے کیا وصل میں فرقت کے شکوے
گڑے مُردے بھی کوئی کیوں اُکھیڑے

بتا قاصد یہہ سُنکر ہو تو ہوگی کس طرح ٹھنڈا
وہ میرے پاس آئے جو مرے سائے سے جلتا ہے!

میری طرح تو ایک بھی دن اپنی بزم سے
اغیار کو نہ تم نے نکالا کھڑے کھڑے

یہہ ہمیں ہیں کہ ہم نے تمھیں دل بھی دے دیا
رکھا کبھی عدو نے کلیجا نکال کے؟

کسی پر کوئی کیوں آنکھیں نکالے
جو پہلے ہی وہ غصّہ تھوک ڈالے

افسوس ایک دن بھی دیکھا نہ تم نے آکے
ہمکو تپِ دروں نے مارا گھلا گھلا کے

کیوں کرنے لگے موت کی خواہش شبِ فرقت
مشکل میں بھی ہم اور کا اِحساں نہیں لیتے

آنکھوں میں آگیا ہے دم اب ہو چکا حجاب
آنکھیں ملا کے دیکھئے پردہ اُٹھائیے

ہُوا ہوگا کسی کو نفع شاید عشق و اُلفت میں
یہاں تو ہم نے دل کھو کر بڑی ٹھوکر اُٹھائی ہے

کرے معشوق کو رُسوا۔ کرے برباد عاشق کو
ازل سے آسماں دن رات اِسی چکر میں رہتا ہے

مجھ سے درباں نے کہا کیا اُن سے مِلنا سہل ہے؟
کوئی دِن پھریئے۔ ابھی کچھ روز چکر کھائیے!

پھانس کر دل تمھاری کاکُل نے
خوب چکر میں اِسکو ڈالا ہے

ہمکو معلوم ہے جہاں وہ تھا
کیا ہم اتنی خبر نہیں رکھتے؟

کہیں میّت ہے، عاشق کی کہیں تربت ہے، عاشق کی
کہیں حسرت ٹپکتی ہے کہیں حسرت برستی ہے

غیر کے آگے برافگندہ نقاب آتا ہے
شرم آتی ہے اُسے ہم سے حجاب آتا ہے

نیچے کبھی تو اپنی کوئی بات ڈالئے
یہہ کیا کہ بات بات میں حُجّت نکالیئے

جس سے بنتی نہیں اُس سے بھی نباہی ہم نے
کبھی دشمن کی بُرائی بھی نہ چاہی ہم نے

دل دینے پر آمادہ ہیں غم سہنے کو تیّار
ہم تُم سے کسی بات میں حُجّت نہیں کرتے

بات کرتے بھی اُن سے ڈرتا ہوں
بات کرتے ہی رنج ہوتا ہے

وہ ملیں گے یہاں کہ محشر میں
دیکھیں کیا فیصلہ ٹھہرتا ہے

کبھی دل ہی میں دیکھیں ہم اُسے تو کس طرح دیکھیں
کہ شوقِ دید تو ہر بار آنکھیں کھول دیتا ہے

ابھی اچھّی مری قسمت کی بُرائی ہو جائے
دل اگر صاف کرو تم تو صفائی ہو جائے

اُٹھتے جو غم نہ ہم سے اُٹھانے وہ سب پڑے
اے دل غضب ہے۔ تجھپہ خدا کا غضب پڑے

درکار کس کو کیف و سُرُور و نشاط ہے
ساقی وہ مے پلا جو مرا غم غلط کرے

اَشغلا اَشغُلے یہ چھوڑا ہے
قہر پر تم نے قہر توڑا ہے

ترا جھُوٹ بھی دل تو سچ مانتا ہے
یہہ بندہ یقیں کا یقیں جانتا ہے

حاصل ہمیں تو کچھ نہوا بزمِ ناز میں
لُوٹے نظر نے جلوۂ دیدار کے مزے

یہہ کہہ چکے صاف ظلم کیسا کرم بھی ہم تجھپہ کم کریں گے
جو اَب بھی مجھ پر ستم کریں گے تو وہ نہایت ستم کریں گے

زبان دیکھے وہ کس دن نہیں نہیں کرتے
اب اُنکی بات کا ہم بھی یقیں نہیں کرتے

غمِ جدائی میں جانِ عاشق اجل کی مشتاق ہو گئی ہے
الٰہی یہہ کیسی زندگی ہے کہ زندگی شاق ہو گئی ہے!

اب اُس سے منکر ہیں بھی کس طرح کہیں بھی آخر تو کیا کہیں وہ
ہمارے حق میں عُدُو کی اُلفت ستم کی مصداق ہو گئی ہے

بُری بلا ہے یہ عشق جس نے انھیں کسی کام کا نہ رکھا
نہ مر رہے ہیں نہ جی رہے ہیں یہہ شکل عُشّاق ہو گئی ہے

اب اور آئینہ کیا سکھائے گا ہر گھڑی اُسکے آگے رہکر
ستمگری میں نگہ ستمگر کی پہلے ہی طاق ہو گئی ہے

اِسی کا سب نور ہے یہ پھیلا جو یہ نہوتا تو تھا اندھیرا
ہمارے داغِ جگر سے روشن یہہ بزمِ آفاق ہو گئی ہے

بتا دو پھر آج ہمکو ساقی پلائے تو کس لئے پلائے؟
جو پی بھی کل قہر تم نے قیمت کہ اسکی بیباق ہو گئی ہے؟

حشر کا وعدہ کیا ہے حشر برپا کیجئے
ڈھائیے مجھپر قیامت وعدہ پُورا کیجئے

میں اگر جلوے سے بیخود ہُوں تو ہُوں غم یہہ ہے
ہوش بکھریں نہ کسی کے مری بیہوشی سے

کہیں دیکھا ہے کوئی قہر سا بھی خوش بیان شاعر؟
زباں موتی اُگلتی ہے قلم موتی پروتا ہے!

تمام شد

ضمیمہ نمبر ۱

جانشینِ فصیحُ الملک عمدۃُ الشعرا ناثرُ الملک افضلُ الشعرا لسانُ العصر حضرتِ قہرؔ مصنفِ دیوان ہذا سے شعری تعلّم کا ذکر اور آپکے چند تلامیذ کے بہم رسیدہ کلاموں کے نمونے

زمانۂ قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ فنِ شعر کے بتدی اپنے کلام پر مشاہیر شعرائے وقت سے اصلاح لیا کرتے ہیں۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ اپنی فنّی قابلیت اور مشق بڑھاتے ہیں۔ عمدۃُ الشعرا حضرتِ قہرؔ سے بھی وقتاً فوقتاً مختلف مقامات کے اکثر اصحاب نے اصلاح لی ہے۔ لیکن آپنے اپنی شہرت کی غرض سے کسی کو اپنی طرف سے شاگرد بنانے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ ہاں آپکے اندازِ سخن کے گرویدہ ہو کر جنھوں نے سچّے دل سے خود آپ کے روبرو زانوئے تلمّذ تہ کیا اور نیکدلی کے ساتھ اصلاح لینے کا سلسلہ جاری رکھا اُنکے شوق و ارادت کا اندازہ کرکے آپ نے اُنکا کلام جی سے بنایا۔ اور فنّی تعلیم دی جیسا کہ جناب مولوی سید شاہ محبوب الرحمٰن صاحب فائقؔ سجادہ نشین مُفتی گنج ضلع پٹنہ عظیم آباد کا قریب قریب پورا دیوان اُنکی خواہش کے مطابق آپنے دیکھکر دُرست کر دیا ہے۔

ہم نے دیوان "شعاعِ قہر" کے دیباچے میں حضرتِ قہرؔ کی دیگر خصوصیات کے ساتھ آپ سے شعری تعلّم کرنے والوں کا ذکر عمداً اس وجہ سے نہیں کیا کہ ہمیں اِس میں ایک مفید جدّت کرنی تھی۔ یعنی تلامذہ کے ذکر کے ساتھ ہی آپکے چند شاگردوں کے کلام کا نمونہ بھی پیش کرنا تھا۔ تاکہ آپ کے دیوان کے دیکھنے والے حضرات جہاں آپ کے سہل ممتنع رنگِ سخن۔ اعلیٰ پُر لطف تخیّل۔ صفائیِ روزمرّہ۔ برجستگیِ محاورہ۔ چستیِ بندش۔ خوش آہنگی۔ ندرتِ بیان۔ دل نشینیِ مضمون اور دیگر محاسنِ شعری سے دلی مسرّت حاصل کریں وہاں آپکے چند تلامذہ کے نمونۂ کلام بھی دیکھکر مسرور ہوں۔ مگر انکے اندراج کے لئے دیباچے میں گنجایش ناممکن تھی۔ اِس لئے ہم نے دیباچہ تحریر کرنے کے ساتھ ہی آپ سے شعری تعلیم حاصل کرنے والوں کا ذکر اور اُنہیں سے چند کا کچھ کلام جمع کرکے ایک ضمیمہ علیحدہ تیار کر لیا اور حضرتِ قہرؔ کو مشورہ دیا کہ طبع ہوتے وقت دیوان کے اختتام پر دو ضمیمے اضافہ کئے جائیں جنمیں پہلا یہ ہمارا ضمیمہ رکھا جائے اور دوسرے ضمیمے میں شعرائے مشاہیرِ وقت کے قطعاتِ تاریخِ طبعِ دیوان درج کئے جائیں۔

اب ہم بطور مشتے نمونہ از خروارے اعجاز۔ پیکرِ خیال۔ جلوۂ یار۔ طوفان۔ وغیرہ رسالوں سے حضرتِ قہرؔ کے چھ سات تلامیذ کی چند غزلیں حاضر کرتے ہیں۔ ناظرین لطف اٹھائیں۔

دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء سید احمد شاد کاکوروی نام لیوا حضرت امیر مینائی لکھنوی ؒ۔

احسن۔ جناب منشی محمد نذیر احسن خاں صاحب نعمانی کرنیوری۔ پرتاب گڈھی

الٰہی دیر و حرم ہی نہیں مقام ترا
ہر اک مقام ہر اک دل میں ہے قیام ترا

ہمیشہ لطف و کرم سے رہا ہے کام تجھے
ہمیشہ لطف و کرم ہی رہے گا کام ترا

بقا اگر ہے۔ تو ہے ایک ذات کو تیری
وجود اگر ہے تو ہے دہر میں دوام ترا

کہاں ہے تاب تجلی کسی کی آنکھوں کو
بجا تھا طور پہ موسیٰ سے وہ کلام ترا

رہے کوئی تری رحمت سے کس لئے محروم
الٰہی لطف و عطا و کرم ہے عام ترا

گنا ہگار سراسر ہے بخشدے اسکو
نگاہ مہر کا طالب ہے یہ غلام ترا

تری ہی یاد میں احسن کو موت آجائے
دم اخیر ہو اسکی زباں پہ نام ترا

کوئی میرا نہیں۔ جب تو نہیں جان جہاں میرا
جو تو میرا۔ تو سب میرے۔ زمیں میری زماں میرا

مٹے دونوں کے دونوں ساتھ ہی تیری محبت میں
نہ دل کا نام ہے باقی نہ باقی ہے نشاں میرا

مزا آئے اگر ہوں اس طرح آباد دونوں گھر
مرا دل ہو مکاں تیرا، ترا دل ہو مکاں میرا

نہ کوئی سننے والا ہے نہ کوئی اسکو سنتا ہے
شب غم حال آخر کس سے کہتی ہے فغاں میرا

بھلا میں بھی کہیں اف کرتا ہوں انکے تیر و خنجر سے
انھیں ہے امتحاں کرنا تو کرلیں امتحاں میرا

جو کی ہے دوستی میں دشمنی تو دوست نے کی ہے
نہ دشمن ہے زمیں میری نہ دشمن آسماں میرا

رہ الفت میں منزل کا پتا ابتک نہیں ملتا
غلط سمجھا تھا میں وہمی قسم پر ہے گماں میرا

بھلا تخصیص کیوں ہو شاخ کی یاد حوادث کو
وہی ٹوٹے گی ڈالی جسپہ ہوگا آشیاں میرا

تری الفت میں ظالم ہڈیاں بھی تو نہ کام آئیں
ہما کھاتا نہیں بل میں دبائے استخواں میرا

مجھے اے ہمنشیں آتا ہے انداز بیاں کو کیا
تجھے دل چاہئے سننے کو یہ درد نہاں میرا

یہی صورت رہی احسن اگر رفتار جاناں کی
رہے گا نام کو باقی نہ دنیا میں نشاں میرا

میں انھیں سے کیوں کہوں دل کا بیاں کیا ہوا
دیکھ لیں خود ہی وہ ہوکر دل میں مہماں کیا ہوا

حال دل کہنے سے پھر حاصل مری جاں کیا ہوا
ٹھٹکے جب ہر مرتبہ کہتے ہو تم۔ ہاں کیا ہوا

اب انھیں یہ فکر ہے اسکو سنواریں کس طرح
خود پریشاں ہوگئے گیسو پریشاں کیا ہوا

پھر گئی مجھ سے یکایک اس ستمگر کی نگاہ
یا الٰہی آج یہ رنجش کا ساماں کیا ہوا

جب وہ سنتے ہیں اسے تو انکو آجاتی ہے نیند
یہ تو اک قصہ ہوا احسن کا دیواں کیا ہوا

مرے مزار پر اس شوخ نے جب خرام کیا
نشاں مٹانے میں نقش قدم نے کام کیا

کبھی کچھ اس سے کبھی اس سے کچھ کلام کیا
گلی میں انکی یونہیں ہم نے دن تمام کیا

جو عشق جرم ہے۔ تو مجرم ہی کیا میں نے
کلام اسمیں نہیں کچھ۔ یہ لاکلام کیا

نکالتا ہے چھری مجھپہ کس لئے کوئی
مرا تو خنجر بیداد ہی نے کام کیا

ملی نہ اور جگہ اسکو جب زمانے میں
تو دل میں آکے غم عشق نے قیام کیا

یہ پوچھ تو ہی ذرا اپنے پائمالوں سے
ترے خرام نے کیا کچھ دم خرام کیا

پئے ہیں بزم میں ہم نے بھی زہر کے گھونٹ سے
کسی نے غیر کو جب پیش کوئی جام کیا

ستم کئے ہیں جفا کی ہے ظلم ڈھائے ہیں
یہی کیا ہے کہ تم نے کچھ اور کام کیا

ملیں جو حضرت واعظ تو انسے یہ پوچھوں
شراب ناب کو کیوں آپ نے حرام کیا

بتائیے تو خطا کونسی ہوئی مجھ سے
کہ بند ایک قلم نامہ و پیام کیا

یہ پردہ داری نے کسی شوخ کی تمھیں احسن
اس احتیاط پہ رسوائے خاص و عام کیا

کیسا جلد دور عیش ہمارا گزر گیا
جھونکا ہوا کا تھا ادھر آیا ادھر گیا[1]

اب فکر کیا تعیں مرا پیکاں کدھر گیا
دل سے گزر کے وہ تو جگر میں اتر گیا

لاکھوں ہزاروں خاک میں اسنے ملا دیئے
نقش قدم جو خاک پہ تیرا ابھر گیا

غیروں سے التفات کا شکوہ غلط نہیں
سنتے ہی اسکو آپکا چہرہ اتر گیا

کل تک ترے مریض کو امید زیست تھی
یہ کیا ہوا جو آج وہ جی سے گزر گیا

عشق عدو نے دل میں رکھی تری جگہ
دل دے کے اسکو تو مرے دل سے اتر گیا

کوچے میں اپنے میرے جنازے کو دیکھکر
وہ پوچھتے ہیں غیر سے یہ کون مر گیا!

میں مبتلائے یار نہ دل تھا فدائے یار
وہ دن گزر گئے۔ وہ زمانہ گزر گیا

رکھا جو اسنے ناز سے سینے پہ دست ناز
دل کو سکوں ہوا۔ مرا درد جگر گیا

کہتا ہے کوئی مجھ سے یہ صبح شب وصال
حسرت کہاں گئی۔ ترا ارماں کدھر گیا

احسن ترے کلام میں شوخی بلا کی ہے
سنکر اسے وہ شوخ بھی تعریف کر گیا

روشنی کا اور کیا اس گھر میں ساماں ہوگیا
داغ ہی دل میں چمک کر ماہ تاباں ہوگیا

ہر پری زاد اسکا تابع۔ اسپہ قرباں ہوگیا
خو پانے وقت کا دل بھی سلیماں ہوگیا

موسم گل باغ میں وحشت کا ساماں ہوگیا
غنچہ غنچہ صورت چاک گریباں ہوگیا

ہمکو دنیائے محبت میں بتائے تو کوئی
نکلی حسرت کس کی پورا کس کا ارماں ہوگیا

پاس ہوں انکے تو مضطر۔ دور ہوں تو بیقرار
کیا غضب ہے مجکو وصل و ہجر یکساں ہوگیا

ہوتے ہوتے ہوگئے سب کشتۂ شمشیر یار
رفتہ رفتہ شہر سب شہر خموشاں ہوگیا

حضرت ناصح یہاں سے آپ اب اٹھ جائیے
آپکی تقریر سے تو دل پریشاں ہوگیا

میرے دل نے مجھپہ توڑے عشق میں کیا کیا ستم
کیا غضب ہے راحت جاں آفت جاں ہوگیا

خون عاشق تو کیا ہے خنجر فولاد نے
خون سے آلودہ کیوں قاتل کا داماں ہوگیا

ہر گھڑی۔ ہر لحظہ رکھتا ہے یہ انکو سامنے
آئینہ بھی کیا حسینوں کا نگہباں ہوگیا

پھر بھلا احسن نہ کیوں پر نور ہو میرا کلام
نور افشاں اسپہ مہر درخشاں ہوگیا

[1] مصرع طرح

پیوست دل میں یوں ترا پیکان ہوگیا
گویا کہ وہ بھی اک مرا ارمان ہوگیا

اسکا عدو بہار کا سامان ہوگیا
دستِ جنوں کی نذر گریبان ہوگیا

ٹالا ہے اسنے وصل کے وعدوں پر اس طرح
اقرار ہوگیا کبھی پیمان ہوگیا

اپنے شناس بھی نہیں میرا۔ خدا کی شان
لیتے ہی دل کے مجھ سے وہ انجان ہوگیا

ممکن نہیں کہ عشقِ بتاں مجھ سے ترک ہو
زاہد مرا تو اب یہی ایمان ہوگیا

آئی فراقِ یار میں بیٹھے بٹھائے موت
مشکل یہ کام تھا مگر آسان ہوگیا

احسن کے حق میں کم نہ رہا حکم شاہ سے
ارشاد آپ کا اُسے فرمان ہوگیا

بلا سے تھا وہ بت عیار گستاخ
ہمیں ہونا نہ تھا زنہار گستاخ

وہ ظالم بے حیا۔ اغیار گستاخ
ادھر دربار۔ ادھر سرکار گستاخ

بھری محفل میں بھی دل چھینتی ہے
غضب کی ہے نگاہِ یار گستاخ

نہ چھیڑا انکو جو پاسِ آبرو ہے
بہت ہیں محتسب میخوار گستاخ

مجھے پاسِ ادب بھی شوق بھی تھا
ہوا سو بار چپ۔ سو بار گستاخ

ملاتی ہے کسی سے آنکھ نرگس
نہوا ایسا کوئی میخوار گستاخ

غضب ہے ایک حرفِ آرزو پر
ہوئی کیا کیا زبانِ یار گستاخ

کرے گستاخیاں واعظ جب اسنے
تو پھر کیونکر نہوں میخوار گستاخ

چرا کر آنکھ دل میرا چرایا
تغافل میں بھی تھا عیار گستاخ

سرِ محفل جو چھیڑا تم نے ہم کو
تو ہم بھی ہوگئے ناچار گستاخ

ہوئے جب وہ لبِ جاں بخش خاموش
ہوا پھر نالۂ بیمار گستاخ

حیا و شرم کے پردے میں احسن
ہوئی ہے دل سے چشمِ یار گستاخ

قتل کرنا اپنا کس بل میرا دم خم دیکھکر
اور اپنی تیغِ جوہردار کا دم دیکھکر

غم غلط کرنا تو کیسا غم پہ غم دیتے ہیں مگر
کیا کریں چپ ہیں وہ مجکو خوگرِ غم دیکھکر

یہ تمہارا دل کہ دل ہی دل میں تم مسرور ہو
میرے دل کا سوگ میرے دل کا ماتم دیکھکر

دوستوں کا ذکر کیا۔ دشمن بھی غمگیں ہوگئے
درد میرا دیکھکر۔ دکھ دیکھکر۔ غم دیکھکر

انکا عالم دیکھکر کیا ہوگیا مجکو کہ اب
دیکھتے ہیں انکا عالم میرا عالم دیکھکر

تم کو بھی معلوم ہے کچھ پیچ ہوا ہی کیوں بلا
ابروئے خمدار۔ یا گیسوئے پرخم دیکھکر

میں نہیں کہتا کہ اپنا غم نہ دے مجکو کوئی
غم تو دے لیکن مرا دل دیکھکر دم دیکھکر

وہ ہے خاموش جب تک حالِ دل کہتے رہے
جب کھلی انکی زباں چپ ہوگئے ہم دیکھکر

پونچھنے کو انکے چلے آئے دمِ گریہ یہاں
رو دئیے وہ بھی ہماری چشمِ پرنم دیکھکر

غیر پر محفل میں جب چشمِ کرم انکی ہوئی
جی گیا وہ۔ مرگئے لیکن اسے ہم دیکھکر

ہے خوشی میری اسی میں غم دئیے جائے فلک
کوئی خوش ہوتا ہے مجکو موردِ غم دیکھکر

خاکِ کوئے یار برتر ہے کہیں تجھ سے مجھے
خوش نہو اے آسماں رتبہ مرا کم دیکھکر

کرسکے وہ بھی نہ کچھ اسکی دوا اسکا علاج
دنگ تھے آزار میرا ابنِ مریم دیکھکر

بیوفا ہو کر میں ہوں۔ اُسنے احسن سے کہا
بسترِ غم پر اسے بے جان بے دم دیکھکر

کیا عالم کو مشتاقِ نظارہ شرمگیں ہوکر
قیامت ڈھا گیا جلوہ ترا پردہ نشیں ہوکر

ہزاروں مرگئے آخر اسی غم میں حسیں ہوکر
اُٹھے گا اُسنے کیا خنجر کسی پر نازنیں ہوکر

مزہ آئے انھیں بھی دیکھنے کا خشمگیں ہوکر
ذرا دیکھو تو دشمن کی طرف چیں بر جبیں ہوکر

کرے جو وصل سے انکار تو کیا جانے کیا نکلے
کہ ہاں بھی تو ترے منہ سے نکلتی ہے نہیں ہوکر

اگر منظور ہے چھپنا ہی تمکو چشمِ عالم سے
مری آنکھوں کے پردوں میں رہو پردہ نشیں ہوکر

حیا کیوں مانعِ دیدار ہے چشمِ تمنا کو
چھپائے غیر کو اُسنے نگاہِ شرمگیں ہوکر

دکھانے دیکھنے کو حسن ہوتا ہے زمانے میں
ستم ہے تم نظر سے پردہ کرتے ہو حسیں ہوکر

مکاں ہیں اسکے چشم و دل کیوں رہتا نہیں کوئی
کبھی اس میں مکیں ہوکر کبھی اس میں مکیں ہوکر

یہی فتنے اگر اس نے اٹھائے تو قیامت میں
اُٹھے گا آسماں بھی تیرے کوچے کی زمیں ہوکر

اُدھر جانا تھا اُنکا اور ادھر موت آگئی مجکو
پھرے وہ میری بالیں سے نگاہِ واپسیں ہوکر

لگایا منہ سے جب ساغر تو پھر زاہد سے کیا پوچھا
کیا جب [illegible] رکھا تھا بے یقیں ہوکر

تصور میں تمھیں جو چاہتا ہے وہ بلاتا ہے
پھرا کرتے ہو دنیا بھر میں تم خلوت گزیں ہوکر

وہاں بھی چین سے سونے نہ دیگا یہ دلِ مضطر
ہمیں آرام کیا آئے گا پیوندِ زمیں ہوکر

جنابِ مہر کی یہ مہربانی ہے تو اے احسن
رہے گا ایک دن ملکِ سخن زیرِ نگیں ہوکر

کیا کام ہے۔ کیوں جا کے رہو غیر کے گھر میں
تم دل میں رہو سیر کرو پھر دو میری نظر میں

پھرتے ہیں یہ ہر وقت وہ ہر اک کی نظر میں
گھر بیٹھے رہا کرتے ہیں دن رات سفر میں

دشمن کو کیا دوست محبت کے اثر نے
ہے دل میں وہی دل ہے مرا جسکی نظر میں

عاشق سے ہوا کرتی ہے معشوق کو نفرت
تاثیر نہیں ہے یہ محبت کے اثر میں

ہو وصل کا جب لطف شبِ وصل نہ رکھیں
ہم دل میں تمنا کو حیا کو وہ نظر میں

دیکھی ہے ضیا جو رخِ روشن میں تمہارے
ہم نے نہ وہ خورشید میں دیکھی نہ قمر میں

تعظیم اُسے دی ہے دہن میں نے اٹھاکر
آیا کوئی جب تیرِ نظر میرے جگر میں

بیخود ہوں دمِ جلوۂ دیدار کہوں کیا
ہے دل میں نظر انکی کہ دل انکی نظر میں

احسن جو یہی حال ہے گریہ کا تو اک دن
آئے گا نظر خونِ جگر دیدۂ تر میں

تیر آتے ہیں نہ پیکان نظر آتے ہیں
دل میں ارمان ہی ارمان نظر آتے ہیں

دل کے لینے کی ادا سے نہیں واقف ابھی
ابھی کم سن ہیں وہ نادان نظر آتے ہیں

میری وحشت کے اثر سے نہ بچا گلشن بھی
چاک پھولوں کے گریبان نظر آتے ہیں

کس سے اقرار کیا ہے وہ کہاں جاتے ہیں
آج کچھ اور ہی سامان نظر آتے ہیں

جب سے دل کو تری زلفوں کا ہوا ہے سودا
خواب راتوں کو پریشان نظر آتے ہیں

جنکو آیا ہے نظر جلوۂ دیدار ترا
شکلِ آئینہ وہ حیران نظر آتے ہیں

چل گئی نامہ رساں سے کہ عدو سے الجھے
آج کیوں آپ پریشان نظر آتے ہیں

کس کے آنے کی خبر مل گئی احسن تجکو
دل سے جاتے ترے ارمان نظر آتے ہیں

یہیں جلوہ دکھا دیتا جو وہ پردہ نشیں ہمکو
تو شوقِ دید لیجاتا کہیں سے کیوں کہیں ہمکو

ہمیں رنج و الم سے واسطہ کیا تھا محبت میں
دلِ اندوہ گیں تم نے کیا اندوہگیں ہمکو

بہت ڈھونڈا بہت ڈھونڈا۔ بہت بھٹکا۔ بہت بھٹکا
نظر آیا نہ تجھ سا کوئی دنیا میں حسیں ہمکو

اسے کہتے ہیں مشتاقِ جستجو تم نے نہیں ہم نے
اسے کہتے ہیں کہنا جو کہیں تم نے نہیں ہمکو

دلِ بیتاب نے تربت میں بھی بیتاب رکھا ہے
کب آیا چین احسن ہوکے پیوندِ زمیں ہمکو

آئیں ہمارے دل میں وہ مہماں کبھی کبھی
رد کا گیا ہے غیر بھی اُس در پہ چند بار
آتا ہے کچھ لہو بھی کبھی آنسوؤں کے ساتھ
ٹپکتے ہیں اسمیں جا کے لاے بھی بعض وقت

آباد ہو یہ خانۂ ویراں کبھی کبھی
اُس نے بھی کی ہے منتِ درباں کبھی کبھی
کرتا ہے دل یہ دعوتِ مژگاں کبھی کبھی
لاتی ہو رنگ لعنتِ جاناں کبھی کبھی

ہوتا ہے بھولے بسرے جو احسن کا میہماں
کرتا ہے اسپہ بھی کوئی احساں کبھی کبھی

ادھر سے جو اُڑکر اُدھر جائے گی
شبِ غم نہ گزرے گی لیکن یہ عمر
خبر کیا ہے نکلے گی جو دل سے آہ
جو ہے وعدہ کرکے نہ آنے کی خو
خدائی کریں گے یہ بُت کسیہ روز
مرے گھر سے تنہا نہ جائے گا تو
کہاں جائے گی خلق روزِ جزا
کٹے جس طرح میری عشرت کے دن

وہ مرنے کی میرے خبر جائے گی
یونہیں رفتہ رفتہ گزر جائے گی
کہاں جائے گی۔ وہ کدھر جائے گی
وہ کیا اے بُت حیلہ گر جائے گی؟
خدائی اگر اپنے مرجائے گی
ترے ساتھ میری نظر جائے گی
ادھر آئے گی؟ یا اُدھر جائے گی؟
مصیبت بھی یونہیں گزر جائے گی

سنائے گا احسن تمھیں حالِ دل
طبیعت جب اُسکی ٹھہر جائے گی

اِس بات کا یقین ہو گیا نامہ بر مجھے
جادو زباں میں۔ نہ فسوں ہے بیان میں
رہ رہ کے کھٹکتے ہیں وہ تیرِ نظر اِدھر
مینے اسی دعا میں شبِ وصل ختم کی
جاتا ہے بن سنور کے کوئی بزمِ غیر میں
تو ہی بتا کہ پھر اسے کیونکر نکال دوں
گو جانتا ہوں دردِ محبت ہے لادوا

تو آئے اور اُسکی سنائے خبر مجھے
ناصح کی بات کا ہو تو ہو کیا اثر مجھے
تھم تھم کے لطف دیتا ہو دردِ جگر مجھے
اسکی سحر نہ آئے الٰہی نظر مجھے
اب دیکھنا ہے نالۂ دل کا اثر مجھے
دل سے عزیز ہے ترا تیرِ نظر مجھے
کرتا ہے امتحان ترا چارہ گر مجھے

احسن اٹھائے دستِ دعا بھی شبِ فراق
صورت مگر سحر کی نہ آئی نظر مجھے

بیخودی میں ہوش تب آیا ہو مشکل سے مجھے
یہ ہوا ظاہر نگاہِ نازِ قاتل سے مجھے
جان دینا ہے یہیں سوچ کر بیٹھا ہوں میں
مینے دل اُنکا تو اُسنے کس ڈھٹائی سے کہا
کیا بتاؤں ہمنشیں کیا کیا اٹھائے دردِ غم
اسکا دم ہے تو کرے کی خون میرا ایک دن
کیا سمجھ ہے دل تو میرا فتنہ گر نے لیا
ہوگیا کشتہ وہیں ہیں خنجرِ تسلیم کا

جب پکارا ہے کسی نے بردۂ دل سے مجھے
ہاتھ دھولینا پڑے گا ایک دن دل سے مجھے
اب تو ہے مر کر ہی اٹھنا تیری محفل سے مجھے
کون ہے تو۔ واسطہ کیا ہے ترے دل سے مجھے
ہجر کی شب سانس بھی آتا تھا مشکل سے مجھے
اور کیا امید شمشیرِ قاتل سے ہے مجھے
یہ نہیں سوچا کہ یہ جائے گا کس دل سے مجھے
موت نے جس دم پکارا کوئے قاتل سے مجھے

حُسن بھی تو اِس جہاں میں عیب سے خالی نہیں
میرے دل سے پوچھ اسکو ہمدم اگر یہ پوچھنا

ہو گیا ثابت یہ داغِ ماہِ کامل سے مجھے
کس قدر الفت ہے ہمدم تیغِ قاتل سے مجھے

کیوں نہو احسن ترے اشعار سے ظاہر کمال
ہے تلمذ قہر سے اُستادِ کامل سے مجھے

اور بھی ہے ایسی صورت۔ ایسا نقشا اور ہے
ایک ہی حسرت ہے کیا مجکو ترے دیدار کی
دیکھنے والے کو تیرے دیکھتا ہے اک جہاں
دین ہے زاہد غرض عشاق کو دنیا کے کام
اُنکو میرے دل کی خواہش مجکو اُنکی آرزو
اِس میں ہے لیلائے عالم اُس میں ہے لیلائے قیس
دیکھکر بھی مجکو ظالم کم ہوئے کب ذوق و شوق
دیکھے قابل ہیں حسن و عشق کی نیرنگیاں
تجھ سے کیا ہوگا مریضانِ محبت کا علاج

تو تھیں کہد جہاں میں کوئی تم سا اور ہے
دیکھکر پھر مجکو دیکھوں یہ تمنا اور ہے
ہو تماشائی تماشا یہ تماشا اور ہے
دین اُنکا اور کچھ ہے اُنکی دنیا اور ہے
اُنکی حسرت اور ہے۔ میری تمنا اور ہے
دل کا پردہ اور ہے محمل کا پردا اور ہے
پہلے بھی کچھ اور حسرت۔ اب تمنا اور ہے
دم میں حیرت اور ہے دم بھر میں جلوا اور ہے
ہوش میں آ چارہ گر اُنکا مسیحا اور ہے

دیکھ لے احسن ترا دیدار بس اسکے سوا
اور کیا ہے اُسکی حسرت؟ آرزو کیا اور ہے؟

جو ہمارا دل۔ ہماری جان ہے
اب ہمارا شغل ہے یہ رات دن
حضرتِ زاہد یہ ہے ایمان کی
تیسرا غمخوار میرا کون ہو
اور میرے دل میں کیا ہے بدگماں
قہر ہے۔ ساری خدائی اُنکی ہو

اُس کو دل کا۔ جان کا ارمان ہے
نالہ ہر دم ہے۔ فغاں ہر آن ہے
اِن بتوں کے ہاتھ میں ایمان ہے
ایک میں ہوں۔ ایک میری جان ہے
تیری حسرت ہے۔ ترا ارمان ہے
بُت خدا ہوں۔ یہ خدا کی شان ہے

جس سے احسن ہے عیاں حُسنِ کلام
وہ جنابِ قہر کا دیوان ہے

نکلتی دل سے لیں حسرت نہیں معلوم ہوتی ہے
مجھے فرحت نہ ہو زاہد زمین کوئے جاناں میں
جنابِ شیخ کے حصے کی کہو چھوڑی بھی کیا باقی
فروغِ حُسن ہے اِس حُسنِ صورت کا تو کیا کہنا
یہ کیا کیا وار کرتی ہے سمٹکر بھی مرے دل پر
اچھل اٹھتا ہے مجنوں دیکھکر جوشِ مسرت سے
اسے پھر روک لیتی ہے حیا اُس بت کی آنکھوں کی

یہ اِس گھر میں مگر گوشہ نشیں معلوم ہوتی ہے
مرے دل کو تو یہ خلدِ بریں معلوم ہوتی ہے
کہ شیشے میں مجھے کچھ تہ نشیں معلوم ہوتی ہے
مجھے تصویر بھی تیری حسیں معلوم ہوتی ہے
بڑی قاتل تری چینِ جبیں معلوم ہوتی ہے
جھلک کچھ ایسی محمل کے قریں معلوم ہوتی ہے
نکلتی تن سے جب جانِ حزیں معلوم ہوتی ہے

کہاں جائے نکل کر کوچۂ قاتل سے اب احسن
اُسے تو وہ بڑی دلکش زمیں معلوم ہوتی ہے

تو نے کس قہر کی یہ شکلِ حسین پائی ہے
آئینے میں نظر آتا ہے مقابل اپنا
یہ نہ ہوتے تو نہ ہوتا یہ تجھے ناز و غرور

جسکو دیکھو وہ ترے حُسن کا شیدائی ہے
ادھر اسپہ تمھیں دعوئے یکتائی ہے
جاننے والوں کے دم سے تری رعنائی ہے

جان سے جاتا ہو مبتلا ہے جو تیرا بیمار
کیا مسیحا یہی اعجازِ مسیحائی ہے؟

اور کیا کام ہے احسنؔ شبِ غم کا آخر
جان لینے کو مری یہہ بھی یہاں آئی ہے

حاتمؔ جناب منشی حاتم علی صاحب پرتاب گڈھی

کیا بتاؤں اُسکی کیسی شان ہے
جسکو بے دیکھے جہاں حیران ہے

دل لگانا کیا کوئی آسان ہے
دل لگی میں جان کا نقصان ہے

تجکو دل لینے ہی کا ارمان ہے
تجھپہ میری جان بھی قربان ہے

بیوفا سے عشق کرتا ہے عبث
یہہ دلِ ناداں بڑا نادان ہے

دیکھ لوں اِک بار تجکو اور بس
بس یہی حسرت یہی ارمان ہے

کیا کہوں اے چارہ گر میں حالِ دل
ہے دمِ آخر۔ لبوں پر جان ہے

کوئی ارماں ہی نہو دل میں مرے
میرے دل میں اِک یہی ارمان ہے

اُس ستمگر کو ہے اِسکی کیا خبر
زندگی کیا چیز ہے۔ کیا جان ہے

آجکل حاتمؔ کلام مہر سے
شاعری کی اور ہی کچھ شان ہے

خوشترؔ جناب منشی عبدالرحمٰن صاحب منگروی

غرض ہمارے دلِ مبتلا نے کام کیا
جو صبحِ ہجر کو رو پیٹ کر بھی شام کیا

یہہ اُنکی چشمِ فسونگر نے خوب کام کیا
اِسے غلام بنایا۔ اُسے غلام کیا

الٰہی لوٹ گیا سانپ سا مرے دل پر
یہہ کسنے تذکرۂ زلفِ مشک فام کیا

بتوں کے سامنے ہر دم رہے ہیں سجدے میں
نمازِ عشق میں ہم نے کہاں قیام کیا

یونہیں سہی نہیں بدنام کر دیا میں نے
رقیب نے تو زمانے میں نیک نام کیا!

سحر کے نکلے جو تم شام کو گھر آئے ہو
کہاں کہاں گئے کس کس جگہ قیام کیا

سمجھ لے آپ کو پھر کوئی بیدہن کیونکر
جب آپنے دہنِ تنگ سے کلام کیا

پڑھا ہے گو سبقِ عشق تو ہزاروں نے
مگر کسی نے نہ ابتک اِسے تمام کیا

ہوئے نہ بند دمِ قتل بھی ہم لبِ قاتل
ہمارے ہر دہنِ زخم نے کلام کیا

شرابِ عشق نہ دینا کہیں رقیبوں کو
غضب کیا اگر اِس خاص کو بھی عام کیا

تمھارے وعدۂ فردا کا کیا یقیں آئے
جو عہد صبح کیا کب وفا وہ شام کیا

جو دل دیا ہے کسی کو تو کیوں نہ آئے غضب
کہ جان جانے کا خوشترؔ یہہ تم نے کام کیا

فائقؔ جناب مولوی سیّد شاہ محبوب الرحمٰن صاحب سجادہ نشین مفتی گنج پٹنہ عظیم آباد

الٰہی کیا یہ مرا دل بدل نہیں سکتا
کہ اِس سے تو کوئی ارماں نکل نہیں سکتا

زمانہ بدلے۔ زمیں بدلے۔ آسماں بدلے
مگر کسی کا مقدر بدل نہیں سکتا

جب ایکمرتبہ قابو سے دل ہوا باہر
پھر اُسکو لاکھ سنبھالو سنبھل نہیں سکتا

تم اِن جفاؤں پر اپنی یہ ضبط تو دیکھو
کہ میری آنکھ سے آنسو نکل نہیں سکتا

وہ اور ہونگے جو اُسکے فریب میں آئیں
رقیب ہم سے کوئی چال چل نہیں سکتا

عدو کا تم سے کچھ ایسا ہوا ہے دل ٹھنڈا
جلاؤ تم بھی اب اُسکو تو جل نہیں سکتا

نکالوں خارِ تمنا کو کس طرح دل سے
نکالنے سے یہہ کانٹا نکل نہیں سکتا

خدا کے سامنے محشر میں کیوں ڈراتے ہو
تمھارے ڈر سے یہاں میں دہل نہیں سکتا

بتوں سے رحم کی اُمید ہے عبث فائقؔ
جو سنگدل ہیں دل اُنکا پگھل نہیں سکتا

وہ ہوا عشق میں جو تھا ہونا
دیکھئے اور اب ہے کیا ہونا

کبھی ناخوش کبھی خفا ہونا
تم سے اِسکے سوا ہے کیا ہونا

خوبرویوں کو اپنا دل دیکر
رنج میں ہمکو مبتلا ہونا

کوئی ہمدرد میرا ہوتا ہے
دردِ اُلفت ذرا سوا ہونا

دل کو اُس شمع رو پہ محفل میں
مثلِ پروانہ تھا فدا ہونا

دامِ کاکل میں پھنس گیا جو دل
اُسکا آساں نہیں رہا ہونا

جیتے جی کیوں نہ اُسپہ مر جاؤں
ایک دن مجکو ہے فنا ہونا

ہے روا کس کتاب سے واعظ
مئے اُلفت کا ناروا ہونا

دل میں رکھنے کی چیز ہے فائقؔ
قہر ہے غم کا برملا ہونا

وہ گرفتارِ بلا کیا کیا ہوا
جسکو تیری زلف کا سودا ہوا

سامنے جب حسن کا جلوا ہوا
دل مرا عاشق ہوا شیدا ہوا

جوشِ گریہ دیکھنا اِس ضبط پر
میری آنکھوں سے رواں دریا ہوا

اور میرے دل کی اُلجھن بڑھ گئی
دیکھکر گیسو ترا اُلجھا ہوا

دیدۂ تر کیوں نہ برسیں ہجر میں
دل پہ غم کا ابر ہے چھایا ہوا

ہے رہائی دامِ اُلفت سے محال
چھوٹ نہیں سکتا ہے دل اُلجھا ہوا

شکوۂ آزار گو لاکھوں ہوئے
دل نہ ظالم کا مگر میلا ہوا

تیرے لب پر ہیں جو آہیں رات دن
عشق اے فائقؔ تجھے کس کا ہوا

کیا خوشی اسکی جو دم ہمدم رہا
مجھ سے جب تک دلربا برہم رہا
ہر بلا ہر رنج میں میرا مدام
اللہ اللہ رے ہمارا جذب ضبط
دیکھکر جلوہ ترا۔ دل پر مرے
محتسب نے توڑ ڈالا کیا سبُو
خاک میں کیا مل گیا سامان عیش
در ترا چھوڑا نہ عاشق نے ترے
سامنے محراب ابرو کے ترے

پاس اپنے جب کوئی کم کم رہا
کیا کہوں میں دل کا کیا عالم رہا
دھیان تیرا مونس و ہمدم رہا
اشک جو آنکھوں میں آیا تھم رہا
بیخودیٔ طور کا عالم رہا
میکدے میں رات کیوں ماتم رہا!
رہگیا خسرو۔ نہ باقی جم رہا
جب تک اسکے دم میں باقی دم رہا
سیکڑوں دل کا فتنہ گر سر خم رہا

اپنے بیگانے ہوئے اُس سے جُدا
پاس فائق کے نہ جب درہم رہا

پھنسا کے زلف میں موئے کمر کو رام کیا
تڑپ تڑپ کے جو یہ گزاری ہجر کی رات
زبان سے نہ کیا۔ تو کیا اشاروں سے
سُنایا قصۂ فرقت یہ سوچکر اُنکو
جو بیقرار ہیں فتنے تو نقش پا بیتاب
بلا نہ اور کھٹکا نا جو تیر کو تیرے

یہ خوب آپ نے عنقا اسیر دام کیا
تو صبح ہجر کو بخت سیہ نے شام کیا
کلام آپنے دشمن سے لا کلام کیا
یہ ناتمام رہا۔ یا اسے تمام کیا
یہ تم نے حشر بپا کیا دم خرام کیا
تو بیٹھکر دل بیتاب میں قیام کیا

جو بات بھی کبھی فائق سے کی محبت کی
تو اُسکو آپ نے بے دام کا غلام کیا

تیری نظروں کی طرح مجھ سے پھر گیا دنیا کا رخ
دلربائی پر بھے کہتے ہیں کیا دنیا کے لوگ
کیوں ذلیل و خوار ہوتا کوئی راہ عشق میں
اے بتِ کافر خدا لگتی یہ کہدیتے ہیں صاف
دیکھتے تھے سب مجھے محشر میں یا اُس شوخ کو
ظلم کرنے سے انھیں مطلب ستم ڈھانے سے کام
اِن بتوں کے عشق میں بدنام وہ ہوتے نہیں
آپ ہی ناصح بتائیں اُس سے رخ کیوں پھر لوں
اُس طرف پھرتا ہے یہ بھی جس طرف پھرتا ہے وہ
پھر کے میری سمت میری طرف ہوتا نہیں

کس قدر اسنے کج ادا ہے کج اداد دنیا کا رخ
ہے کے دل دیکھا کبھی تیرے دلربا دنیا کا رخ
دیکھ کر چلتا جو وہ اے رہنما دنیا کا رخ
دیکھتے ہیں کب بھلا اہل صفا دنیا کا رخ
کس طرف تھا اے خدا تو نے پھیرا دنیا کا رخ
کیا غرض دیکھیں جنھیں اچھا برا دنیا کا رخ
دیکھتے رہتے ہیں جو صبح و مسا دنیا کا رخ
جب یہ دنیا کی نظر صدقے فدا دنیا کا رخ
تیرے رخ سے کس قدر ہے آشنا دنیا کا رخ
کیا تری بے التفاتی ہو گیا دنیا کا رخ

ہم نے یہ جانا کہ تیری آنکھ اُس سے پھر گئی
جب نظر آیا ہے فائق سے پھرا دُنیا کا رُخ

غم فرقت نے ایسا کردیا اندوہگیں ہمکو
اگر عدو وفا کا بھی کہے وہ بیوفا ہم سے
نہ کچھ جنت میں کھٹا ہو۔ نہ کچھ دوزخ میں کھٹکا
ہوا ہے جب سے تیرے آستاں پر ناصیہ فرسا

نوید وصل سے بھی اب خوشی ہوتی نہیں ہمکو
نہ آئے گا۔ نہ آئے گا۔ نہ آئے گا یقیں ہمکو
مگر تو جس جگہ مل جائے رہتے ہیں وہیں ہمکو
بہت اونچا نظر آنے لگا چرخ بریں ہمکو

ہمارا دل بھی دُنیا سے ہوا سرد اے فائق
کیا ہے شوق نے جب اپنا سجادہ نشین ہمکو

جب سے ہوا ہے عشق بتِ فتنہ گر مجھے
ملجائے اے خدا وہ بت سیمبر مجھے
پیتا ہوں میں اسے تپ فرقت کی پیاس میں
مرنے کا کوئی غم ہے۔ نہ جینے کی کچھ خوشی
کیوں خشک کر رہا ہے مرا خون سوز غم
اب آ گئے وہ لیکے مرا دل کنارہ کش

آتی نہیں ہے حسین کی صورت نظر مجھے
اُلفت میں اور چاہیئے کیا سیم و زر مجھے!
پانی سے بھی عزیز ہے خون جگر مجھے
یکساں ہیں تیرے عشق میں نفع و ضرر مجھے
پینا پڑے گا یہ تو ابھی عمر بھر مجھے
پہلے سے تو نہیں تھی کچھ اسکی خبر مجھے

اِس غمکدے میں اپنے نہ دیکھا اُسے کبھی
فائق خوشی کی شکل نہ آئی نظر مجھے

محمد جناب حافظ محمد علی صاحب مرحوم، جنرل مرچنٹ صدر بازار رسڑا ضلع بلیا

پسند جسکو جو آیا وہ اُس نے کام کیا
ستم بھی تجھ سے کیا۔ تو برائے نام کیا
کیا و را اسکے سوا تم نے کوئی کام کیا
تمہارے عشق میں ناشاد ہی رہے ہم تو
الٰہی کیا کوئی آتا ہے فاتحہ کے لئے
انھوں نے ہم سے نہ کی کوئی بات غلوت میں
چلے۔ تو پھر تے رہے وہ ہماری آنکھوں میں
یہ دم پہ خاک نشینوں کے بن گئی کیسی
اگر عدو کے کہے سے کیا سلام مجھے

جفا میں آپکے ہم نے وفا میں نام کیا
عدو پہ لطف و عنایت کا اختتام کیا
ستم ہمیشہ کیا۔ ظلم ہی مدام کیا
وہ شاد ہونگے جنھیں تم نے شادکام کیا
جو میری قبر پہ خلقت نے ازدحام کیا
مگر رقیب سے محفل میں بھی کلام کیا
رُکے تو دل میں ہمارے ذرا قیام کیا
دم خرام یہ کیا تم نے خوشخرام کیا
تو اِس سلام کو بھی آپکے سلام کیا

جب عاشقوں نے محمد نماز عشق پڑھی
امام تمکو بنایا تمہیں امام کیا

سُنائے غیر کو مطرب ترانے بزم جاناں میں
نہ دیکھی تیز خنجر میں نہ دیکھی تیغ عریاں میں
ضیا کب اِس قدر رہتا ہے مہر درخشاں میں
لگے کیا خاک جی اُسکا الٰہی باغ رضواں میں
ترے وحشی کو کیا کیا یاد آتی ہے بیاباں کی
نہ دو تحریر تم جسکی۔ نہ لکھو جسکا تم کاغذ
بتائے گا اگر رستہ نہ ہمکو کوئے جاناں کا
دعائے مغفرت کرنا تم اپنے مرنے والوں کی
بُری ہے تو برائی سے بھی ذکر ہے کے کیا معنی
تجھے بھی ہم جلا کر خاک کر دینگے فلک اُس دن
بھلا ایسے میں دیوانے کہاں پابند رہتے ہیں
ترے دیوانۂ الفت کی میت پر کفن کیا ہو

قیامت ہے جنوں میں نالۂ زنجیر زنداں میں
قیامت جو نظر آئی نگاہ ناز جاناں میں
چمکتی ہے جو بجلی سی کسی کے روئے تاباں میں
بہاریں دیکھ لی ہوں جس نے تیرے کوچۂ جاناں میں
گزر ہوتا ہے جب اُسکا کبھی صحن گلستاں میں
وہ کوئی عہد ہیں ہے عہد و پیماں میں
درِ جنت پہ ہو گی حور یہ ہم ہیں اور رضواں میں
اگر بھولے سے آجائے کبھی کوئے غریباں میں
خلل ہمکو نظر آتا ہے زاہد تیرے ایماں میں
اثر دیگا خدا جس دن ہماری آہ سوزاں میں
بہاریں ہیں یہی تو بیڑیاں رکھی ہیں زنداں میں
جنوں نے تار تار کب کھا یہاں جیب و گریباں میں

تمہارے بھی نکالے سے نہ نکلے گا نہ نکلے گا
انھیں فکرِ ستم ہے یا نہیں منہ چھپاؤں سے

مری تقدیر کا جو پیچ ہوگا زلفِ پیچاں میں
وہ کیوں سلجھے نہیں یارب آج سر ٹکرائے گریباں میں

محمد میں سمجھ لوں مل گئی دادِ سخن مجکو
پسند آئے جو کوئی شعر اُنکو میرے دیوان میں

جو دل ان بتوں پر فدا کر رہے ہیں
وفا پر وہ ہم سے دغا کر رہے ہیں
ستم سہہ کے ہم اور کیا کر رہے ہیں
بھلا ہو نگاہِ کرم اک ادھر بھی
سزا پر سزا وہ ہمیں دے رہا ہے
وفا اب کرے زندگی اور کچھ دن
کہا مان بھی لو۔ کہا مان جاؤ
اِدھر دیکھ کر چھیڑتے ہیں عدو کو

خدا کی قسم وہ خطا کر رہے ہیں
ستم کر رہے ہیں۔ جفا کر رہے ہیں
دعا دے رہے ہیں دعا کر رہے ہیں
بڑی دیر سے ہم صدا کر رہے ہیں
مگر ہم خطا پر خطا کر رہے ہیں
وہ پھر مجھ سے عہدِ وفا کر رہے ہیں
اِدھر دیکھو ہم التجا کر رہے ہیں
کوئی جانے میرا کہا کر رہے ہیں

اُٹھیں اب محمد کریں فکرِ عقبیٰ
پڑے خوابِ غفلت میں کیا کر رہے ہیں

ناطق جناب منشی محمد عبد القدوس صاحب انصاری رسڑا ضلع بلیا

گل ہو ہمسر کس طرح اُس گلبدن کے رخسار کا
قتلِ عاشق کے لئے کچھ کام کیا تلوار کا
سر کٹیں لاکھوں مرا دھڑ خنجر بکف پھرے اِدھر
خط میں کیونکر لکھوں قاصد سے کیونکر کہوں
حضرتِ دل کا مرا ان تو سے چل سکتا نہیں
آج تو کیوں رُوٹھتا ہے آج کیوں بیزار ہے
اپنے بسمل کا بھی قاتل تو نے دیکھا حوصلہ
تیر تیرِ عشق نے دل کو بنایا ہے ہدف

اسکو کانٹے کی خلش اسکو نہیں غم خار کا
کام کر دے جب اشارہ ابروئے خمدار کا
مجکو حسرت قتل کی ہے انکو ارماں وار کا
ہے غمِ فرقت میں جو کچھ حال مجھ بیمار کا
نالہ و فریاد کرنا کام ہے بیکار کا
وصل کا دن تو ستمگر دن نہیں تکرار کا
لے لیا بوسہ تڑپ کر خنجرِ خونخوار کا
رنج کا غم کا۔ بلا کا۔ درد کا۔ آزار کا

تو بھی تو ناطق جنابِ قہر کا شاگرد ہے
کیوں نہ پھیلے نور دنیا میں ترے اشعار کا

دیکھ کر جوہر تری شمشیرِ جوہر دار کا
کیا ٹھکانا ہے غم و دردِ فراقِ یار کا
مرغِ دل ہے اور کنج کا یہی نقشِ و نگار کا
فیضِ عشقِ عارضِ گلگوں سے جاتا ہے یہاں
سر مرا پہلو پہ رکھکر غیر سے کہتے ہیں وہ
رہ گیا تسمہ لگا گردن میں حسرت رہ گئی

خود بخود خم ہو گیا سر عاشقِ ناچار کا
اب خدا ہی ہے نگہباں اس دلِ بیمار کا
تیرِ مژگانِ صنم کا۔ ابروئے خمدار کا
دل کے ہر ہر داغ میں عالم ہے اک گلزار کا
حال کچھ اچھا نہیں ہے عاشقِ بیمار کا
وار جب اوچھا پڑا قاتل تری تلوار کا

باغ میں بولی یہ بلبل سنکے ناطق کا کلام
اِک پھلا گل ہے مجھے ہر لفظ ان اشعار کا

بدلا ہوا ہے طور کسی کی نگاہ کا
کیا ہوگا حال حشر میں کل اُس نگاہ کا
ہم دیکھتے نہیں ہیں کبھی چاند کی طرف
چھوڑا ہے دل میں زخم کہ گہرا ہے دیکھ لو
ہے اور کون اُس سے زیادہ سیاہ بخت
ڈوبا ہوا پھر اس کا ابھرتا نہیں کبھی
چھوڑا نہ بیکسی نے مجھے بعدِ مرگ بھی
خنجر اُٹھا کے پھیر نہ کیوں تم نے چھانٹ دی
وعدہ نباہ کا ہے تو یہ بھی نبا دیجیے

اللہ تو حفیظ ہے مجھ بے گناہ کا
انصاف ہو گیا جو کسی دادخواہ کا
جلوہ نظر میں ہے جو کسی رشکِ ماہ کا
تیرِ نگاہ کا ہے۔ کہ تیغِ نگاہ کا؟
سودا ہو جسکو آپکی زلفِ سیاہ کا
موزوں ہے نام چاہ حسینوں کی چاہ کا
پرساں ہے کون قبر میں حالِ تباہ کا
میدان صاف کر نہ دیا قتل گاہ کا
دو ایک سال کا ہے۔ کہ دو ایک ماہ کا؟

ناطق تو اُس نگاہ کا بھرتا رہا ہے دم
پھر حال کیوں تباہ ہو اِس خیر خواہ کا

یہ کس نے خنجرِ بیداد بے نیام کیا
کھلا کے غم ہی نہ کیوں مجکو تلخ کام کیا
رقیب سمجھے نہیں۔ عاشق اُٹھائے جاتے ہیں
دمِ اخیر بھی نکلی نہ حسرتِ دیدار
اگر یوں بھی تو ہم سے رہا حجاب انھیں
ہوئی کسی سے تو ہم سے وفا ہوئی ہر دم
ہر ایک داغِ جگر کے عوض دیا اک دل
یہ تم نے کسکو بُلایا ہے۔ کون آتا ہے

کہ زندگی نے ہماری ہمیں سلام کیا
جواب و دانہ مرا عشق نے حرام کیا
یہ خوب آپ نے محفل کا انتظام کیا
وہ گھر سے نکلے ہمارا اجل نے کام کیا
وہ آئے خواب میں لیکن نہ کچھ کلام کیا
کیا کسی نے تو اُس نے جفا میں نام کیا
یہ قرض اُنکا ادا ہم نے دام دام کیا
یہ آج کیا ہے یہ کیوں آج اہتمام کیا

بتوں کے عشق میں ناطق نے جان تک دیدی
جو کام کرنے کے قابل نہ تھا وہ کام کیا

وصل سے تیرے ترا وصل نہ کیوں ہو باغ باغ
اسکے ہر انداز میں اک آن ہے اک شان ہے
آنکھ سے جب آنکھ ملتی ہو تو خوش ہوتا ہے دل
یہ تو اُسکی جان ہے۔ اسیر تو وہ قربان ہو
بھر کے ساغر تو پلاتا ہے مئے گلرنگ سے
داغِ دل۔ داغِ جگر کیا کیا دکھاتے ہیں بہار
تیغِ قاتل دیکھکر ہے دل یہ بھی شاد شاد
یہ تو زخم نے ترے اسکو لگائے چار چاند

دل کی نکلے آرزو تو دل نہ کیوں ہو باغ باغ
شکلِ بسمل دیکھکر قاتل نہ کیوں ہو باغ باغ
دل بچھڑ کر مل گیا تو دل نہ کیوں ہو باغ باغ
دیکھکر خنجر ترا۔ بسمل نہ کیوں ہو باغ باغ
تیرا میکش ساقیٔ محفل نہ کیوں ہو باغ باغ
دل جگر جب ہو چمن تو دل نہ کیوں ہو باغ باغ
ہو جب آساں تو مری مشکل نہ کیوں ہو باغ باغ
دیکھکر تجکو مہ کامل نہ کیوں ہو باغ باغ

عید ملکر اُس سے ناطق عید مجکو کیوں نہ ہو
وہ گلے سے جب ملے تو دل نہ کیوں ہو باغ باغ

شکایت جذب کی ترکِ وفا کا شکوہ کرتے ہیں
جفا پر ضبط کرتے ہیں ستم پر صبر کرتے ہیں
نہ اُنکو صبر آتا ہے۔ نہ انکو موت آتی ہے
ہوا کرتے ہیں جو بدنام دنیائے محبت میں

وہ کھینچتے خود ہیں لیکن ہمیں الزام دھرتے ہیں
جو تیرِ ظلم سہتے ہیں وہ یوں گھٹ گھٹ کے مرتے ہیں
جو تم پر مرتے والے ہیں نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
انھیں کا نام ہوتا ہے وہی کچھ نام کرتے ہیں

ـــه مصرعِ طرح۔

فغاں سے آہ سے کیا فائدہ ہوا اے دلِ مضطر
پھر انکے وعدۂ فردا کا کیونکر اعتبار آئے
آہی کچھ ہماری بیقراری کا ٹھکانا ہے
کسی صورت ترے بیمار زندہ ہی نہیں بچتے

کہیں بزمِ دشمن میں ابھار سے اُبھرتے ہیں
کیا تھا عہد جو کل آج وہ اُس سے مُکرتے ہیں
ہمیں تو رات دن رو رو تڑپتے ہی گزرتے ہیں
نہیں آتی ہے جنکو موت وہ بے موت مرتے ہیں

گنگناتے زندگی میں لوٹ کے زلفِ عنبریں ناطق
وہ اب کس واسطے تربت پہ میری پھول دھرتے ہیں

دکھائے بام سے چہرہ اگر وہ مہ جبیں ہمکو
حرم میں دیر میں یا دشت میں یا کوئے جاناں میں
نہیں ممکن محبت میں ہمارے منہ سے اُف نکلے
دلِ مشتاق کی حسرت ابھی پوری نہیں نکلی
سلامت رہ گیا ہے کون آنسو پونچھنے والا
طریقِ دشت گردی سیکھ لے اگر کوئی ہم سے

نظر آجائے شمعِ طور کا جلوہ یہیں ہمکو
کہیں تو چین سے رہنے دے اے چرخِ بریں ہمکو
ستائے لاکھ گو وہ دشمنِ ایمان و دیں ہمکو
دکھا دے پھر جھلک ظالم دے سے نہ دے وہ نشیں ہمکو
مبارک ہے شبِ فرقت ہماری آستیں ہمکو
کیا ہے حضرتِ مجنوں نے اپنا جانشیں ہمکو

ذرا ہم بھی شعاعِ رُخ سے آنکھیں سینک لیں ناطق
اگر وہ غیرتِ خورشید ملجائے کہیں ہمکو

سکھائی وہ جفا اُسکو جو تھی میرے مقدر کی
ہمارے داغِ دل کی روشنی کے سلنے کیا ہے
ہمکو دیوار و در مجھ سے بھی پہچانے نہیں جاتے
نہ اپنی مجھ سے کہتے ہیں نہ میری کچھ سنتے ہیں
یہ کس کی سخت جانی نے کیا ہے منفعل یا رب
بٹھایا اپنی محفل میں مجھے پہلوئے دشمن میں
تمھیں تو کہنے سننے کا یقیں مطلق نہیں آتا
پھرایا کرتی ہے دشت و بیاباں کوہ و صحرا میں
درِ میخانہ پر شاید موذن نے اذاں دی ہے
ہوا ہے غیرتِ خلدِ بریں بیت الحزن میرا

وہ چشمِ فتنہ گر اُستاد ہے چرخِ ستمگر کی
تجلی ماہِ تاباں کی ضیا خورشیدِ انور کی
شبِ غم جوشِ گریہ نے بدل دی شکل سب گھر کی
بنے بیٹھے ہیں سرکے سلسلے تصویر پتھر کی
نظر نیچی نظر آتی ہے کیوں آج اُس ستمگر کی
مری توقیر یہ کی تم نے تو کیا خاک پتھر کی
رقیبِ رُو سیہ کی بات کیونکر تم نے باور کی
مجھے وحشت کبھی فرصت نہیں دیتی گھڑی بھر کی
دگرنہ رند کب سنتے صدا اللہ اکبر کی
ہوئی ہے تیرے آجانے سے یہ صورت مرے گھر کی

سُنا ئیں کیوں نہ ہم بزمِ سخن میں یہ غزل اپنی
سخن فہمی تو ناطق قدر کرتے ہیں سخنور کی

کیونکر نہ رات دن ہے یادِ کمر ب مجھے
رہتا ہے جب سے اسکے رُخ و زلف کا خیال
ناصح نہ چھیڑ۔ مان کہا۔ اپنی راہ لے
ایسا ہوا ہوں محوِ جمالِ رُخِ حبیب
یا قدح میں جو چرخِ ستمگر کے ہاتھ سے
تم پاس ہو اگر تو جہنم بھی ہے بہشت
قاصد پھرا۔ نہ آئی صبا کوئے یار سے

کرنا ہے ایک روز عدم کا سفر مجھے
اک بیکلی سی رہتی ہے شام و سحر مجھے
تیری نصیحتوں کا نہ ہوگا اثر مجھے
کس کی خبر کہوں نہیں اپنی خبر مجھے
پینا پڑا ہے ساغرِ خونِ جگر مجھے
تم دور ہو تو باغِ ارم ہے سقر مجھے [ع۱]
کوئی نہیں جو اُسکی سُنائے خبر مجھے

ناطق دمِ نظارہ پڑی جس طرف نظر
جلوہ اُسی کا اُس طرف آیا نظر مجھے

ہمیں تڑپا گئے وہ مسکرا کے
ستمگر نے مجھے اُلجھن میں ڈالا
ہمارے عشق پر ہنستے ہیں دشمن
ترے کوچے سے قاصد کیا پلٹتا
ہمارے بھی مقدر میں ہے کوئی
وہ جب چلتا ہے تو چلتا ہے کیا کیا
مریضِ غم تو یونہیں مر رہا ہے
نہ ہیں ناسخ نہ ہیں شمشاد باقی

کہاں چلتے ہوئے بجلی گرا کے
مرا دل دامِ گیسو میں پھنسا کے
ہمیں رونا پڑا ہے دل لگا کے
کوئی آیا بھی ہے جنت میں جا کے
ذرا دیکھیں تو قسمت آزما کے
ہماری خاک سے دامن بچا کے
چلا ہے تیغ تو کس پر اُٹھا کے
نشانہ ہیں گئے تیرِ قضا کے

نہ آیا ہے۔ نہ آئے گا یہاں وہ
ملو ناطق تمھیں اب اُس سے جا کے

آج اُس شوخ کو پھر یاد مری آئی ہے
اب تو جام مے گلرنگ پلا اے ساقی
نظر آتا نہیں مجھ سا کوئی تنہا مجھکو
اِس طرح دیر سے کعبے کو چلا ہوں زاہد
بزمِ دشمن میں بھی ہو۔ تری محفل میں بھی
کہہ دیتی ہیں ستمگر تری نیچی نظریں

مجکو یہ مژدہ نسیمِ سحری لائی ہے
سرد ہے آج ہوا اور گھٹا چھائی ہے
میری تنہائی بھی کیا آپکی یکتائی ہے
آگے میں ہوں مرے پیچھے مری رسوائی ہے
بدگمانی بھی مری تہمتِ ہرجائی ہے
آجکل تیری طبیعت بھی کہیں آئی ہے

تیسرا کون ہے ناطق نہیں جسکا ثانی
اُنکی یکتائی ہے۔ یا آپ کی تنہائی ہے

ناظم جناب ابوالعاصم منشی محمد اسمٰعیل صاحب انصاری رسڑ ضلع بلیا

جو تیرے غمِ عشق کے قابل نہیں ہوتا
کیوں غیر تری بزم میں شامل نہیں ہوتا
میرا غمِ الفت میں مرا دل نہیں ہوتا
آمادہ مرے قتل پہ قاتل نہیں ہوتا
کب کرتے نہیں غیر مری جھوٹی شکایات
آسان ہے مرنا تو مگر ہجر میں ہمکو
تڑپاتا ہے کیوں اُسکو تڑپنا مرا یا رب
کیونکر تری محفل میں ملا یار عدو کو
اِک تو ہے بھلایا ہے مجھے تو نے ستمگر
وہ سر نہیں جس سر میں نہیں ہے ترا سودا
سُنکر شبِ فرقت کی کہانی کوئی بولا
کرتا ہے ستم ہمیہ تغافل میں بھی ظالم
محفل جسے کہتے ہیں وہ محفل نہیں ہوتی
آتا ہے تصور میں بھی کب وہ بُتِ ظالم

کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا
کیا رشکِ عدو بھی مرے قابل نہیں ہوتا
یہ بھی تو نہیں دقت میں شامل نہیں ہوتا
پورا یہ کبھی حوصلۂ دل نہیں ہوتا
کس روز مرا شکوۂ باطل نہیں ہوتا
مشکل وہی ہوتا ہے جو مشکل نہیں ہوتا
قاتل تو کسی کا کبھی بسمل نہیں ہوتا!
ابلیس تو فردوس میں داخل نہیں ہوتا
اِک میں ہوں تری یاد سے غافل نہیں ہوتا
جس دل میں ترا عشق نہیں دل نہیں ہوتا
کہنے سے کچھ اِس قصے کے حاصل نہیں ہوتا
غافل بھی وہ ہوتا ہے تو غافل نہیں ہوتا
جس بزم میں وہ رونقِ محفل نہیں ہوتا
جب تک اثرِ جذبۂ کامل نہیں ہوتا

ع۱ مصرعِ طرح۔

وہ طفلِ دبستاں ہے، دبستانِ سخن کا / جو قہر سے اُستاد کا قائل نہیں ہوتا

پایا ہے جو ناظم نے محبت میں تری نام
وہ نام کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا

لاکھ وہ دھبا مٹائیں خنجرِ فولاد کا / خوں چھپ سکتا نہیں پھر بھی کسی ناشاد کا
دل دہلتا تھا کبھی چرخِ ستم ایجاد کا / تیر تھا اسکو بھی نالہ اس دلِ ناشاد کا
بھول جائے تجکو اسکی نارسائی اے فلک / ہو رسا تجھ تک اگر نالہ کسی ناشاد کا
ہاتھ میں شمشیر اٹھا کر قتل کیوں کرتے نہیں / خوں کیوں کرتے ہو ارمانِ دلِ ناشاد کا
تم بیاں کر کر کے حالِ رونقِ بزمِ رقیب / کیوں دکھاتے ہو دل اپنے عاشقِ ناشاد کا
آپ سے قطعِ تعلق ہی کہیں ہو جائے اب / اور تو ارماں نہ نکلا اس دلِ ناشاد کا
جس پہ آتی ہو نظر حسرت برستی ہر گھڑی / ہے یہی مرقد تمہارے عاشقِ ناشاد کا
بھیجکر خط ہی میں انکو میں دکھاؤں اسکی شکل / کھینچ دے مانی اگر نقشہ دلِ ناشاد کا
تم نے خنجر تو نکالا ہے مگر کھلتا نہیں / امتحاں منظور ہے کس عاشقِ ناشاد کا
آئے آخر وہ ہمارے گھر جگر تھامے ہوئے / رنگ لا کر ہی رہا نالہ دلِ ناشاد کا

جز خدا کے ایک جز ذاتِ محمدؐ مصطفےٰ
کون ہوگا حشر کے دن ناظمِ ناشاد کا

اُف رے سوزِ آہ و فغانِ بلبلِ ناشاد کا / خاک جلکر ہو گیا سارا مکاں صیاد کا
ہو چکے ظلم و ستم اب حکم دے فریاد کا / ہے یہی موقع تجھے ظالم مبارکباد کا
آجکل مہماں ہیں وہ انجمن میں غیر کی / انکی آنکھوں میں کھپا ہے گلستاں شداد کا
پایا اپنے عشق سے تمنے جو شیریں نے اسے / چیر کر بعدِ فنا دیکھا جو دل فرہاد کا
دیکھنا وہ دم مرے قاتل کا میری نبض میں / اور مجھ سے دم چرانا خنجرِ فولاد کا
میرے نالے کو لئے جا ساتھ اپنے نامہ بر / یہ پتا لے گا پتا اس بانیِ بیداد کا
کیوں تڑپتا ہے تڑپتا دیکھ کر بسمل کو تو / دیکھ اے جلاد یہ شیوہ نہیں جلاد کا
داغ تیرے دل میں ہے اے ماہِ کامل کس لئے / داغ اٹھایا ہے کبھی تو نے بھی کیا بیداد کا
ہنسی بیداد ہے ہم تو اٹھائیں انکے ظالم / انکو مشکل ہو اٹھانا خنجرِ فولاد کا
گن رہا ہے مفت کیوں بیداد اپنے بے وجود / کون خواہاں ہے ستمگر تجھ سے تیری داد کا

اب یہ ناظم کی دعا ہے رات دن یہ شام و سحر
حشر تک سر پر رہے سایہ مرے اُستاد کا

کس قدر ہے تیز لوہا خنجرِ جلاد کا / بچ گیا ہے شور مقتل میں مبارکباد کا
کام کرتا ہے امیدِ چارہ سازی میں تمام / یہ مسیحا کام تیرا ہی کہ ہے جلاد کا
اسلئے سہتا ہوں میں تیری جفا تیرے ستم / حوصلہ باقی نہ رہ جائے تجھے بیداد کا
تجھ سے نازک سے کہوں کیا حالِ غم کی اس لئے / اسکے سننے کے لئے دل چاہئے فولاد کا
وہ بھی ہے معشوق کوئی جو نہ ہو بیداد گر / وہ کوئی عاشق ہے جو خوگر نہ ہو بیداد کا
روز مقتل میں بپا کرتا ہے لاکھوں کا لہو / پیٹ بھر بھرتا نہیں کیوں خنجرِ فولاد کا
وقتِ گلگشتِ چمن اُس سرو قد کو دیکھ کر / شرم سے کیا کیا نہ سر نیچا ہوا شمشاد کا
تو نے ترکِ ظلم سے پیدا کیا اک اور ظلم / اے ستم ایجاد کیا کہنا ہے اس ایجاد کا

جان شیریں کے لئے دی سر میں تیشہ مار کر / اُف یہ دل فرہاد کا اُف یہ جگر فرہاد کا!
کیا قیامت ہے کہ مجکو منہ دکھا کر حشر میں / کر دیا منھ بند ظالم نے مری فریاد کا

ہیں جنابِ قہر جو مہرِ سپہرِ شاعری
تو بھی تو شاگرد ہے ناظم انھیں اُستاد کا

حال تم کیا پوچھتے ہو عاشقِ ناشاد کا / لے گا کوئی دم میں وہ رستہ عدم آباد کا
پاؤں کوئے عشق میں وہ تو نہ رکھیں گے کبھی / یاد ہو گا جنکو قصہ قیس کا فرہاد کا
جا کر اس رشکِ مسیحا سے ذرا کہدے کوئی / اب لبوں پر دم ہے تیرے عاشقِ ناشاد کا
جانتے ہوتے جو پہلے سے کہ وہ بیرحم ہے / عشق ہم ہرگز نہ کرتے اس ستم ایجاد کا
دشمنوں سے رسمِ الفت عاشقوں سے دشمنی / اور ہی شیوہ ہے کچھ اس بانیِ بیداد کا
پھونک دے گا ایک دن گھر ترا اے صیاد یہ / نالہ کب جائے گا خالی بلبلِ ناشاد کا
جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے ہوتا ہے وہی / ہمکو شکوہ ہے عبث چرخِ ستم ایجاد کا
آؤ گے کس کی عیادت کو یہ مر جائے گا جب / آکے دیکھو حال تم اب عاشقِ ناشاد کا

خوفِ عصیاں سے ہے ناظم کو بہت ہی انتشار
یا شفیع المذنبیں اب وقت ہے امداد کا

چل کے خرامِ ناز سے حشر اگر اٹھا دیا / تو ہمیں آپ نے نہیں یہ روزِ جزا دکھا دیا
کیوں نہ مجھی کو جلوہ گر جلوۂ رخ دکھا دیا / دید میں کیوں شریک غیر کو بھی بنا دیا
دولتِ حسن کی زکوٰۃ بوسۂ لب ہی دیجئے / آپکے کام آئے گا حشر میں یہ لیا دیا
جلوہ نما یہ آج کون رشکِ جمالِ حور ہے / نور نے جسکے گھر مرا رشکِ ارم بنا دیا
وہ تو چلے تھے ناز سے اسکی خبر نہیں کیا / کس کو مرے خرام نے زیرِ قدم مٹا دیا
آج یہ کیا غضب کیا انکو دکھا کر آئینہ / میں نے انھیں کے حسن کا محو انھیں بنا دیا
انکو ہے کسی کا شوقِ قتل تیغ بہ ہاتھ آئے جب / کھینچ کے خنجرِ ادا میرا لہو بہا دیا
میرے ہی گھر آئی نہ کیوں غیر کے گھر گئی نہ کیوں / کس نے شبِ فراق کو میرا مکاں بتا دیا

قہر سا ناظم اور اب سحر بیاں بھی ہو کوئی؟
چاہا جسے ہنسا دیا چاہا جسے رلا دیا

یوں اپنی زندگی کا زمانہ گزر گیا / جھونکا ہوا کا تھا ادھر آیا ادھر گیا[۱]
مانا کہ قیس الفتِ لیلیٰ میں مر گیا / لیکن وہ نام مرگِ محبت میں کر گیا
شمشیر انکی دیکھ کے کس ڈر سے ڈر گیا / میں قتل گہ میں جب گیا سینہ سپر گیا
تھا جسپہ ناز آپکو وہ کیا ہوا شباب / وہ آپکا ابھارنے والا کدھر گیا
تم جسکو ڈھونڈتے تھے بتاتے تھے جسکو تو / آخر کو ایک روز وہ جی سے گزر گیا
وصلِ عدو کے ذکر پہ ہنسنے سے فائدہ / منھ آئینے میں دیکھئے چہرہ اتر گیا
یہ رات ہجر کی تو نہیں جو بسر نہ ہو / روزِ وصالِ یار ادھر آیا ادھر گیا
گہوارہ بن گیا جسے گردابِ بحرِ عشق / دریائے عاشقی سے وہی پار اتر گیا
بعدِ شباب فائدہ یادِ شباب سے / وہ دن گزر گئے وہ زمانہ گزر گیا
پھر کیا ہوا آہ سے جو نہ تاثیرِ آہ ہو / کیا کر سکے فغاں جو فغاں سے اثر گیا
اقرار جو کئے تھے وہ اب تو وفا کرو / آیا شباب رنگ تمہارا نکھر گیا

[۱] مصرعِ طرح۔

دیکھی ہے جس نے کوچۂ دلدار کی بہار — اسکی نظر سے گلشنِ رضواں اُتر گیا
ہو اب سخنوری کی زمانے میں قدر خاک — قدرِ سخنوری کا زمانہ گزر گیا

دیکھے کہ ہجرِ یار میں کب آتی ہے اجل
ناظم اِس انتظار میں بے موت مر گیا

ہے مری جان کے لینے کی یہ تدبیر عبث — دُور سے مجکو دکھاتے ہیں وہ شمشیر عبث
اسکو سنتے نہیں میخوار جناب واعظ — ہے یہ میخانے میں سب آپکی تقریر عبث
جب یہ معلوم ہو دیتے ہی نہیں آپ جواب — پھر کوئی نامہ کرے آپکو تحریر عبث
کان دھر کر وہ سنیں اسکو یہ اُمید نہیں — ہے تری آہ و فغاں عاشقِ دلگیر عبث
آپکی تیغِ نظر اسکے لئے کافی ہے — آپ اُٹھاتے ہیں مرے قتل کو شمشیر عبث
خود گرفتارِ محبت ہیں گرفتار ترے — ہے تری آنکھ میں یہ سرمۂ تسخیر عبث

ساتھ جاتی نہیں جب دولتِ دنیا ناظم
خواہشِ زر ہے عبث حسرتِ اکسیر عبث

لٹایا حسرتوں کو کر دیا بے چین ارماں کو — خدا جانے وہ فسوں آتے ہیں کیا کیا تم جاناں کو
گھٹا چھائی ہو صحنِ باغ ہو صہبا ہو ساقی ہو — مگر جب تو نہ ہو تو کیا کریں ہم ایسے ساماں کو
کوئی مجھسا بھی ناداں دوست دیکھا ہے زمانے میں — جگہ دیتا ہوں دل میں رنج و غم کو دردِ ہجراں کو
زمینِ کوئے جاناں کی بہاریں جس نے دیکھی ہیں — نہ دیکھے گا اُٹھا کر آنکھ بھی وہ باغِ رضواں کو
بتانِ ماہوش پر ہی فدا ہر ایک دیکھا — یہودی کو نصاریٰ کو برہمن کو مسلماں کو
نہیں ہے جب سے تو پہلو میں اسکو پیار کرتے ہیں — کلیجے سے لگا رکھا ہے ہم نے تیرِ مژگاں کو
تہی تے ہیں تو نے پھر بھی یہ دل سچ سمجھتا ہے — بھلائے عہد کو اقرار کو وعدے کو پیماں کو

قیامت ہر قدم پر پاؤں پڑتی آئی ہے ناظم
چلا ہے جس گھڑی وہ فتنہ گر گورِ غریباں کو

پسند آئی ہے ایسی کوئے جاناں کی زمیں ہمکو — کہ حسرت ہی نہیں اب اُٹھ کے جانے کی کہیں ہمکو
تعجب کیا اگر دل سے کوئی تا زیست نکل جائے — ستانا ضبط یہ اچھا نہیں اے مہ جبیں ہمکو
بیاباں میں کبھی ہم ہیں کبھی صحنِ گلستاں میں — ٹھہرنے ہی نہیں دیتا جنوں دم بھر کہیں ہمکو
ہزاروں ظلم سہتے ہیں ہزاروں غم اُٹھاتے ہیں — مگر پھر اُف نہیں کرتے ستمگر آفریں ہمکو
ہوا ہے دوست جب سے زمیں دشمن فلک دشمن — نظر آنے لگے دشمن ہی دشمن ہر کہیں ہمکو
سوالِ وصل کرتا ہوں تو کہتا ہے کوئی مجھ — تمہاری بس یہی باتیں پسند آتیں نہیں ہمکو
کسی بے جرم عاشق کا کیا ہے خون کیا تو نے — نظر آتی ہے خوں آلودہ تیری آستیں ہمکو
عذابِ نارِ دوزخ سے قیامت میں بچا لینا — بھروسا آپ ہی کا ہے شفیع المذنبیں ہمکو

ہوئی ہے جب سے اُلفت اُس بتِ کافر سے اے ناظم
نہ کچھ دنیا کی پروا ہے نہ کچھ پروائے دیں ہمکو

تری رحمت جو معاصی کی خریدار نہ ہو — تو خطا وار نہ ہو۔ کوئی گنہگار نہ ہو
گیسوئے یار کا پابند دلِ زار نہ ہو — یہ تعجب ہے دامِ بلا میں گرفتار نہ ہو
اور سو طرح کے ہوں رنج و الم درد و محن — عشق و اُلفت کا کسیکو مگر آزار نہ ہو

تو مرے دل میں ہے اور پھر آنکھوں میں — پھر بھی حیرت ہے کہ مجکو ترا دیدار نہ ہو
تجکو کیا دیکھ سکے۔ تجھ سے کہے کیا جسکو — تابِ نظارہ نہ ہو۔ طاقتِ گفتار نہ ہو
اُسکو معلوم ہو کیا حال کسی انساں کا — حال سے اپنے جو انسان خبردار نہ ہو
دیکھکر حال مرا حال بُرا ہے اُس کا — مجکو ڈر ہے کہ مسیحا کہیں بیمار نہ ہو
رات دن ہجر میں کیونکر وہ گزارے اوقات — پاس جسکے کوئی دمساز نہ ہو۔ یار نہ ہو
میں تو مر جاؤں جگر تھام کے اے تیر فگن — ناوکِ ناز کلیجے کے اگر پار نہ ہو

ایسی فرحت ہے کہاں اور کہیں اے ناظم
باغِ فردوس تو یہ کوچۂ دلدار نہ ہو

آئے گا میرے مکاں پردہ نشیں اور کبھی — ہو رہے گا شاد میرا یہ دلِ مضطر کبھی
غیر کے آنے کا اُنکے گھر نہ ہو کیونکر یقیں — وہ بھی آتے جاتے ہیں جب غیر کے گھر کبھی
اِس قدر بیتاب کیوں ہے صبر سے تو کام لے — آئے گی فصلِ بہار اے بلبلِ مضطر کبھی
میرا ہوتا ہے کہ تیرا دل سمجھ جانبدار دل — آزما لینا اسے بھی اے مرے دلبر کبھی

دل سے حاضر آپکی خدمت کو ناظم ہے یہاں
حضرتِ قہر لیجئے تو اُسکے گھر۔ آ کر کبھی

حاصل ہے جب سے اُلفتِ خیر البشر مجھے — پھر کیوں ہو روزِ حشر کا خوف و خطر مجھے
کرتا نہیں وہ یاد کبھی بھول کر مجھے — بھولی ہے جسکی یاد نہ شام و سحر مجھے
خنجر اُٹھا کے ہاتھ میں چپکے سے رکھ دیا — مقتل میں اُس نے دیکھ کے سینہ سپر مجھے
رکھے گا ایک آن نہ رکھے گی ایک پل — شوخی قرار سے تجھے دردِ جگر مجھے
مجھ نامراد وصل کو تھا اور کام کیا — آہ و فغاں ہی کرتے ہوئی عمر بھر مجھے
آرام اب تو زیرِ زمیں تجکو آ گیا — آ کر وہ کہہ گئے یہ مری قبر پر مجھے
جاتا نہ لے کے حسرتِ دیدار اپنے ساتھ — تم آکے دیکھ جاتے اگر اک نظر مجھے
کرتا ہے مجکو یاد وہ غفلت شعار آج — دیتی ہیں ہچکیاں یہی ہر دم خبر مجھے
جب سے تمنا ہو گئے وہاں مصطفےٰ شفیع — محشر کا خوف ہے۔ نہ سزا کا خطر مجھے

کرتا ہے عرض ناظمِ مہجور اب یہی
"بلوائیے مدینے میں خیر البشر مجھے"

جلوۂ رُخ دکھا دیا کس نے — مجکو موسیٰ بنا دیا کس نے
ہے منور مرا سیہ خانہ — رخ سے پردہ اُٹھا دیا کس نے
میری کشتی کو بحرِ الفت میں — ڈوبنے سے بچا دیا کس نے
کس کے یاد آ گئے دُرِ دنداں — روتے روتے ہنسا دیا کس نے
اپنی صورت دکھا کے سوتے میں — بختِ خفتہ جگا دیا کس نے
لے گئے دل وہ میرے پہلو سے — آنکھوں کا پتا دیا کس نے
تم تو میرے رقیب سے نہ ملے — خاک میں دل ملا دیا کس نے
یا ان دشمن کے ہاتھ سے کھا کر — خون میرا بہا دیا کس نے
جان لے کر مری شبِ فرقت — مجکو غم سے چھڑا دیا کس نے

کھینچ کر ہاتھ قتل سے میرے
خونِ حسرت بہا دیا کس نے

تیری برقِ نظر اگر نہ گری
خرمنِ دل جلا دیا کس نے

زلفِ پرخم دکھا کے اے ناظم
جوشِ وحشت گھٹا دیا کس نے

کتنا مرا فسانۂ غم دلگداز ہے
تر آنسوؤں سے چشمِ بتِ حیلہ ساز ہے

سر میرا فرش پر ہے۔ دماغ انکا عرش پر
ناز و نیاز کا یہ نشیب و فراز ہے

کیا اعتبار اسکی قسم کا وہ شوخ تو
وعدہ خلاف عہد شکن حیلہ ساز ہے

سجدے ہیں بہرِ حور دعائیں ہیں بہرِ خلد
زاہد تری نماز بھی کوئی نماز ہے!

میں ہوں غریب و بندۂ عاجز تو کیا ہوا
وہ تو غریب پرور و بندہ نواز ہے

تو ہے ستم شعار۔ تجھے اسپہ ہے غرور
میں خوگرِ ستم ہوں۔ مجھے اسکا ناز ہے

ساحل کی آرزو نے دکھایا یہ دن مجھے
گردابِ بحرِ عشق میں میرا جہاز ہے

دو روز کی بہار یہ حسن و شباب ہیں
دو روز کی بہار پہ کیا تجھکو ناز ہے

بندہ نواز ایک فقط آپ ہی نہیں
بندہ نواز! اور بھی بندہ نواز ہے

بھرتے نہیں ہیں آپکا دم غیر کے سبب
اسمیں بھی کوئی بھید ہے۔ اسمیں بھی راز ہے

دیدارِ یار کے لئے جائے جو طور پر
موسیٰ سا اور بھی کوئی نظارہ باز ہے؟

یہ تو بتایئے کہ عدو سے ہی ربط کیوں؟
ملنے سے میرے آپ کو کیوں احتراز ہے؟

اِس در سے جائے ناظمِ آشفتہ سر کہاں
یہ آستاں ہے۔ اور جبینِ نیاز ہے

مجھ سا الفت میں دوسرا بھی ہے
اور نے یہ ستم سہا بھی ہے

دوستی ان بتانِ بے ہوش کی
بے مزہ بھی ہے۔ با مزا بھی ہے

کیوں مری داستان کیسی تھی؟
ایسا قصہ کبھی سنا بھی ہے؟

فتنہ پرداز فتنہ گر ظالم
تجھ سا دنیا میں دوسرا بھی ہے

تمکو کوئی کہے مسیحا کیوں
تم نے زندہ کوئی کیا بھی ہے؟

تھا غمِ ہجر ہی مجھے پہلے
اور اب خواہشِ قضا بھی ہے

یوں تو ناظم ہیں اور بھی اُستاد
کوئی اُستاد قہر سا بھی ہے!

اگر کچھ بھی تم وصفِ رخِ دلدار ہو جائے
تو ہر مطلع غزل کا مطلعِ انوار ہو جائے

سبق یہ حضرتِ منصور سے حاصل ہوا ہمکو
جو سر دے دار پر وہ عشق میں سردار ہو جائے

وہ ساری عمر پھر اے چارہ گر اچھا نہیں ہوتا
بتوں کے عشق کا جسکو کبھی آزار ہو جائے

ابھی جیسی طرح ارماں نہیں نکلا ہے بسمل کا
ابھی بس کر نہ قاتل۔ اور بھی اک وار ہو جائے

ذرا دم لے مسیحا۔ ہو نہ تو رخصت مرا آخر
کہیں ایسا نہ ہو رخصت ترا بیمار ہو جائے

غضب ہے انکی رسوائی ستم ہے انکی رسوائی
جو الفت میں تری رسوا سرِ بازار ہو جائے

نہ آئیں پھر کبھی اس میں سیر کرنیکو وہ اے ناظم
یہ دل فرقت کے داغوں سے اگر گلزار ہو جائے

تم پانچ حرف رکھتے ہو بیداد کے لئے
ہم پانچ حرف رکھتے ہیں فریاد کے لئے

غیروں کے واسطے تو ہیں لطف و کرم بہم
ظلم و ستم ہیں عاشقِ ناشاد کے لئے

جب اُس پری جمال کی تصویر کھنچ گئی
بوسے نگاہ نے یدِ بہزاد کے لئے

تیار ہے قفس بھی۔ بچھائے ہیں دام بھی
یہ ظلم ایک بلبلِ ناشاد کے لئے؟

یہ ضبط دیکھ جور اٹھائے ترے۔ مگر
کھولی زباں نہ شکوۂ بیداد کے لئے

سننے کی اسکے حال کی جسکو نہیں ہے تاب
بیتاب دل ہے اُس ستم ایجاد کے لئے

کافی ہے اک اشارۂ ابرو۔ تو میرا قتل
موقوف کیوں ہے خنجرِ فولاد کے لئے

کرنا اسیر بلبلِ محزوں کو دام میں
یہ بھی تو ایک کھیل ہے صیاد کے لئے

دیکھا ہے کوئی اور بھی ناظم سا جاں نثار
حاضر ہے جان حضرتِ اُستاد کے لئے

تمام شد

ضمیمہ نمبر ۲

قطعاتِ تاریخ طبع دیوان "شعاعِ مہر"

از نتایجِ افکارِ چند شعرائے مشاہیرِ روزگار

احسنؔ۔ ناثرِ شیریں بیاں۔ شاعرِ نکتہ داں۔ طوطئ شکرستانِ علم و فن۔ شمعِ بزمِ سخن جناب حاجی حافظ سیّد علی احسن صاحب احسنؔ مارہروی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ خاص یادگارِ فصیح الملک حضرت داغؔ دہلوی اللہ مرقدہٗ

تاریخ ترتیبِ دیوان

ہمکو بھی ترتیبِ دیواں کی ہوئی
وہ مقلّد ہیں فصیح الملک کے
جدّتِ ترتیبِ دیواں دیکھکر
کیا غزل، کیا قطعہ، اِس مجموعے میں
کہیئے تاریخ اور احسنؔ دیکھئے

واقفیّت اطلاعِ مہرؔ سے
ہے یہ ظاہر اتّباعِ مہرؔ سے
لطف آیا اختراعِ مہرؔ سے
جمع ہیں سب اجتماعِ مہرؔ سے
"ہے دُرخشانی شعاعِ مہرؔ سے"

۱۹۳۶ء

تاریخ طبعِ دیوان

نہایت حسن و خوبی سے یہ مہرؔ نامور نے
ہُوا رنگینی و شادابیٔ اشعار سے ظاہر
نہ کیوں دیواں کو اُنکے شمعِ ایوانِ ادب کہیئے
یہ تاریخِ دُرخشاں طبع کی احسنؔ نے لکھی ہے

کیا مجموعہ شائع اپنی منظوماتِ بہتر کا
کھلا ہے اِک چمن ہر صفحے پر گویا گُلِ تر کا
کہ نقطے نقطے سے روشن ہے جوہر طبعِ انور کا
"بہت نادر ہے دیوانِ ادب مہرِؔ سخنور کا"

۱۹۳۶ء

احسنؔ۔ خوشگوے خوش کلام نخلبندِ گلزارِ سخن جناب منشی محمد نظیر احسن خاں صاحب احسنؔ نعمانی کرنپوری پرتاپ گڈھی تلمیذِ عمدۃ الشعرا۔ افضل الشعرا حضرت مہرؔ مصنفِ دیوان ہذا

وہ چھپا دیواں مرے اُستاد کا
جس کا دل طالب جو ہے مطلوبِ دل

قہر صاحب "جانشینِ داغ" ہیں
اِن میں حالِ دل ہے وصل و ہجر کا
ہے دُعا احسن کی - ہے تاریخ بھی

کیوں نہو اُنکا سُخن محبوبِ دل
قہر کے اشعار ہیں مکتوبِ دل
یہہ "شعاعِ قہر" ہو "مرغوبِ دل"

۱۹ ۹۴

اختر شیریں نوا خوش مقال - سُخن گستر محقق و الانظر جناب منشی سیّد محمد اختر صاحب اختر نگینوی رئیس نگینہ ضلع بجنور خاص یادگارِ حضرت داغ دہلوی مرحوم و مغفور۔

روشن بر آسمانِ سُخن گشت قہرِ ما
دیوانِ قہر جلوہ نمودہ بہ آب و تاب
دیوان کہ ہست مجمعِ اصنافِ شاعری
اختر چہ فکر - بے سر ایہام سالِ طبع،

برتر بود ز مہرِ فلک اِرتفاعِ قہر
چوں از گوالیار رسید اطلاعِ قہر
دیواں کہ ہست مخزنِ صد اختراعِ قہر
گو "جلوہ ریز نور فشاں شعاعِ قہر"

۱۹۳۸ء

ارشدی منبعِ لیاقت و ذکا - نو بادہ گلزارِ سُخنوری جناب محبوب الحسن صاحب ارشدی صدیقی حمیدی خلفِ اکبر راسخ الکلام حضرت قمر الحسن صاحب قمر بدایونی

والد کے دوست اور مرے عمِّ محترم
وہ جانشینِ داغ - فصاحت کے آفتاب
اب چھپ رہا ہے اُنکا وہ دیوانِ لاجواب
تھی سالِ عیسوی کی مجھے ارشدی تلاش

مُلکِ سُخن میں جنکی مُسلّم ہے برتری
عالیجناب قہر جو ہیں رشکِ انوری
اہلِ نظر پہ فرض ہے جسکی ثنا گری
آواز آئی غیب سے "خورشیدِ خاوری"

۱۹۳۸ء

اطہر رنگیں قلم - جواہر رقم - سُخنورِ جادُو نگار - شاعرِ نکتہ پرور - ناظم الملک جناب مولوی سیّد معشوق حسین صاحب اطہر محقق ہاپوڑی وکیل چیف کورٹ ریاست جے پور خاص یادگارِ حضرت جلال لکھنوی مرحوم

حضرت قہر عمدۃ الشعرا
ناثر الملک بے عدیل و ہمال
بہتر ہیں جانشینِ حضرت داغ
یوں تو شاگردِ داغ اور بھی ہیں

خوش بیاں - خوش کلام خوش تقریر
ناظم العصر بے مثال و نظیر
تازگی بخشِ نام ذوق و نصیر
رُودے ترکش مگر ہے اِک یہی تیر

داغ کی طرز۔ داغ کی ہے زباں
شعر میں بات بات میں ہے اثر
دادِ حُسنِ کلام کی دیتے
بڑھ گئی شعر میں فلک سے زمیں
طبعِ دیواں کا سال لکھ اَطہر

داغ کی سی ہے شوخیٔ تحریر
اور اثر میں ہے جادوئے تسخیر
زندہ ہوتے جو آج اسیر و امیر
کہ یہاں قہر ہے وہاں ہے دبیر
کہ۔ "ہے دلکش شعاعِ قہر منیر"
۱۳۵۵ھ ہجری

دیگر

حضرتِ قہر کی ہے طبعِ رواں ابرِ بہار
پختگی اور یہ اُسلوبِ بیاں۔ کیا کہنا!
میں نے اَطہر یہ کہا مصرعِ سالِ دیواں

کر دیا جس نے گلستانِ سُخن کو شاداب
اِس طبیعت کا نہیں آج زمانے میں جواب
"چُست بندش ہے زباں اچھی ہے مضموں کمیاب"
۱۹۳۶ء

اَطہر۔ سخنورِ خوش کلام۔ صاحبِ طبعِ گہر بار۔ جامعِ صفاتِ صوری و معنوی۔ خان بہادر جناب میر اطہر علی صاحب اَطہر سہسوانی۔ اسپیشل مجسٹریٹ و اسسٹنٹ کلکٹر سہسوان ضلع بدایوں۔ ارشدِ تلامذۂ مولانا سید جمیل احمد صاحب جمیل سہسوانی مرحوم شاعرِ دربارِ بھوپال

واقعی جانشینِ داغ ہیں آپ
جب ہُوا چھپکے آپ کا دیواں
سالِ تاریخ کے ہُوئے جویا
کیا اَطہر نے عرض۔ ادب کے ساتھ

بزمِ معنی میں قہر کاملِ فن
زینت افزا ہے بزمِ شعر و سُخن
اکثر اربابِ فضل و اہلِ فطن
"نامِ اُستاد کر دیا روشن"
۱۳۵۵ھ ہجری

اَفسر۔ جادو رقم۔ فصیح البیان۔ بلیغ الکلام۔ نازک خیال سخنور۔ جناب افسر الشعراء ابو التوفیق مولانا منظور احمد صاحب افسر صدیقی امروہی نگرانِ اُصول رسالۂ تنویر کراچی۔ مُلک سندھ خاص یادگارِ حضرتِ شوق قدوائی لکھنوی مرحوم و مغفور

کہنے کے واسطے ہیں بہت جانشینِ داغ
اللہ رے فروغ کلامِ جنابِ قہر

لیکن مثالِ قہر ضیا بار کم ہُوئے
اربابِ فہم کے سرِ تسلیم خم ہُوئے

مدت سے تھا اشاعتِ دیوان کا انتظار
افسر اٹھا کے سر کہو تاریخ عیسوی

شکرِ خدا کہ جلد یہ ساماں بہم ہوئے
"آثارِ قہر جلوہ فروشِ رقم ہوئے"
۱۹۳۶ء

انور۔ سخنگوئے بلند خیال۔ بلبلِ شیریں نوا۔ شاعرِ بزمِ سخن آرائے جناب مسٹر منوہر سہائے صاحب انور۔ ایم۔ اے، ایم۔ او۔ ایل۔ سینیر ٹرانسلیٹر پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی لاہور۔ خلفِ سوم عمدۃ الشعرا۔ افضل الشعرا حضرتِ قہر مصنفِ دیوان ہذا

نور افشاں آج دیوانِ شعاعِ قہر ہے
یہ سخن اعجازِ کامل۔ یہ سخن سحرِ تمام
یہ دل و جاں سے زیادہ کیوں نہ ہو انکو عزیز
اس صحیفے کا کسی سے ہو نہیں سکتا جواب
لکھو انور اس کا تم یہ مصرعِ تاریخِ طبع

صورتِ خورشیدِ تابندہ تہِ چرخِ کہن،
ہے کلامِ جانشینِ داغ و استادِ زمن
اس کی قیمت جانتے ہیں شاعرانِ سحر فن
مدعی یوں لاکھ ہونے کے لئے ہوں لاف زن
"بے بدل ہے یہ شعاعِ قہر تبیانِ سخن"
۱۹۳۶ء

دیگر

آگئی چھپ کر وہ نورانی کتاب
کیوں ہے انور فکر۔ جب تاریخِ طبع

جلوہ فرما جس میں نورِ قہر ہے
صاف ظاہر ہے "ظہورِ قہر" ہے
۱۳۵۵ ہجری

برق۔ شاعرِ شیریں زبان سخنورِ طوطی مقال جناب بابو شیام سندر لال صاحب برق۔ بی۔ اے، ایل ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ سیتاپور خاص یادگارِ حضرتِ قیس مرحوم

قہر صاحب جانشینِ داغ کا دیواں چھپا
برق لکھو تم سرِ اخلاص سے یہ سالِ طبع

جس سے سب شعر و سخن کی خوبیاں ہیں آشکار
"قہر کے دیواں میں ہر اک لفظ ہے کیا آبدار"
۱۹۳۶ء = ۱۹۳۶+۱

دیگر

اسکے چھپنے سے ساری دنیا میں
برق تم سالِ طبع یہ لکھدو

آئینہ ہو گئیں صفاتِ قہر
"چھپ گیا خوب کلیاتِ قہر"
۱۳۵۵ ہجری

بزم۔ سرآمدِ سخنورانِ باکمال۔ ناظمِ نظامی مقال۔ شاعرِ کہنہ مشق و کہن سال۔ سلطان القلم۔ معراج الشعرا جناب میرزا عاشق حسین صاحب بزم آفندی

ے۔ عہ۔ خوب بیان کرنا معنی کا روشن اور آشکار کرنا ہے ۱۹۳۶ء میں ۱۳۵۵ھ اور ۱۳۵۶ھ دونوں کے حصے شامل ہیں

اکبر آبادی جانشینِ حضرتِ مُنیر مرحوم شکوہ آبادی

نظر نواز کلام جنابِ قہر ہُوا
اب اِسکے سامنے بُلبُل کا ہی ترانہ کیا

عجیب مصرعِ تاریخ ہاتھ آیا بزم
"شعاعِ قہر سے تاباں ہُوا زمانہ کیا"

۱۳۵۶ ہجری

بیخود۔ شاعرِ شیوا بیان سُخنورِ اہلِ زبان فخرِ شعرائے باکمال۔ وحید العصر فرید الدہر۔ امتیاز الشعرا۔ افتخار الملک جناب منشی حاجی سیّد وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی جانشینِ حضرتِ داغ دہلوی مرحوم و مغفور

اہلِ سخن کی آنکھیں روشن ہوئی ہیں اس سے
ہے وہ نگار خانہ جو رشکِ آذری ہے

عالم فروز نکلیں کیا مہر کی شعاعیں،
تاریخ اِسکی بیخود۔ خورشیدِ خاوری ہے

۱۹۳۰ء

بیخود۔ شاعرِ بے نظیر فخرِ طالبؔ و اسیرؔ۔ سُخن طراز۔ جادُو نگار جناب علاّمہ محمد احمد صاحب بیخود موہانی۔ ایم۔ اے، منشیِ فاضل۔ پروفیسر۔ شیعہ کالج۔ لکھنؤ

دیوانِ قہر میں ہیں غضب کی تجلیاں
قرباں ہے ہر ورق پہ ورق ماہتاب کا

مجموعہ ہے یہ جامعِ اصنافِ شاعری
ہے مستحق جہانِ سُخن کے خطاب کا

جوشِ بیان و زورِ طبیعت پہ کی نظر
دیکھا اُمنڈ اُمنڈ کے برسنا سحاب کا

ہر ایک شعر اپنی حدوں میں ہے لاجواب
کیا کام ہے یہاں نظرِ انتخاب کا

چھنتے ہیں جلوے شاہدِ معنی کے بے طرح
عالم ہے لفظ لفظ میں ہلکے حجاب کا

موجوں میں جیسے جلوہ دکھاتا ہے آفتاب
جلوہ ہے حرف حرف میں یوں آب و تاب کا

دیوان ہے کہ شاہدِ سرمستِ ناز ہے
رگ رگ میں جسکی کیف بھرا ہے شراب کا

کہیئے اِسے مجاز و حقیقت کی دُھوپ چھاؤں
بیخود یہ آئینہ ہے جمال و نقاب کا

کیوں دل بڑھے نہ قہر کا۔ دیوان دیکھکر
"جلوہ شعاعِ قہر میں ہے آفتاب کا"

۱۳۵۵ ہجری = ۱۳۵۰+۵

تہذیب۔ سُخن طراز خوش نگار جناب سیّد تہذیب احمد صاحب تہذیب سہسوانی تلمیذ و نبیرۂ حضرتِ معجز سہسوانی

جنابِ قہر کا دیواں چھپا جب
ہوئی مسرور رُوحِ میر و مرزا

جو کی تاریخ کی تہذیب نے فکر
"مدوّن دفترِ اشعار" لکھا

سنہ ۱۳۵۶ھ

ثاقب۔ شاعرِ سُخن ساز۔ معنی طراز۔ فرمانروائے اقلیم بلاغت۔ سرآمدِ شعرائے دَورِ جدید۔ فخرِ عسجدی وطالب جناب میرزا ذاکر حسین صاحب ثاقب قزلباش لکھنوی جانشینِ میرؔ و غالبؔ دہلوی

کھپا جاتا ہے آنکھوں میں بہارِ فصلِ گُل بنکر
سماں بہتے ہوئے دریا کا ہو پیشِ نظر جیسے
ہوا ثاقب کو یوں چوتھے فلک سے سالِ طبع القا

جنابِ قہر کیا کہنا ہے اِس رنگِ طبیعت کا
وُہی انداز ہے ہر نظمِ دلکش میں سلاست کا
"چمکا وہ شعاعِ قہر سے میداں فصاحت کا"

سنہ ۱۹۳۷ء

جلیل۔ افصح الفُصحا۔ ابلغ البُلغا۔ سرآمدِ شُعرائے زمن جلیل القدر۔ نواب فصاحت جنگ بہادر۔ اُستاد السُّلطانِ دکن۔ جناب حافظ جلیل حسن صاحب جلیل مانکپوری مقیم حیدرآباد دکن۔ جانشینِ حضرت امیر احمد امیر مینائی لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ

چھپ کے نکلا وہ کلامِ اِنتخاب
طبع کا ہے سال کیا روشن جلیل

دلکشی میں ہے جو آپ اپنا جواب
"قہر کا دیواں ہے رشکِ آفتاب"

سنہ ۱۳۵۶ ہجری

جوشؔ۔ شاعرِ عدیم المثال سُخنورِ شیریں کلام۔ ابوالفصاحت جناب پنڈت لبھورام صاحب جوش ملسیانی منشی فاضل۔ ادیبِ فاضل۔ مدرسِ اوّل فارسی ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول نکودر ضلع جالندھر و مدیرِ حصۂ نظم و شعبۂ ادبیاتِ رسالۂ رہنمائے تعلیم۔ لاہور۔ پنجاب خاص یادگارِ حضرتِ داغؔ دہلوی مرحوم و مغفور

حضرتِ قہر نے چھپوا کے یہ اپنا دیواں
بزم ہے سوزِ محبت کے بیاں سے مسحور
آبرو لطفِ زباں حُسنِ بیاں کو بخشی
کوئی دیکھے تو بہارِ چمنستانِ سُخن
لعل و یاقوت سے بہتر ہیں مضامینِ غزل
جوشؔ یہ مصرعِ تاریخ سُنا دو تم بھی

مشرقِ شعر میں تنویر دکھائی کیا کیا
پردۂ ساز میں کی نغمہ سرائی کیا کیا
سُخنِ نغز کی توقیر بڑھائی کیا کیا
گُلِ صد رنگ کی ہے جلوہ نمائی کیا کیا
ڈھونڈ لائی ہے طبیعت کی رسائی کیا کیا
"وحُسنِ معنی کی تجلّی نظر آئی کیا کیا"

سمبت ۱۹۹۴ بکرمی

حامدؔ۔ سخنورِ نکتہ سنج۔ شاعرِ بدیع نگار۔ امیرِ طریقت جناب سید شاہ حامد حسین صاحب حامدؔ سجادہ نشینِ درگاہ حضرتِ شاہ ارزاں دیوان۔ قدس سرہٗ پٹنہ عظیم آباد

جنابِ مہرؔ کا دیواں چھپا ہے
ضیا میں اس کو رشکِ بدر کہیے
گرامی قدر ہے یہ سال اس کا
فقط حامدؔ "عظیم القدر" کہیے

۱۳۵۵ھ ہجری

دیگر

چھپ کر جنابِ مہرؔ کا نکلا ہے وہ کلام
سب پر جسے جہاں میں حاصل ہے برتری
حامدؔ نے عیسوی میں لکھا خوب سالِ طبع
دیوانِ مہرؔ کے لئے "خورشیدِ خاوری"

۱۹۳۶ء

حجابؔ۔ جادو رقم۔ سحر نگار۔ عالی خرد شاعرۂ یگانہ۔ مخفیِٔ زمانہ۔ جناب بیگم فخر النسا صاحبہ حجابؔ پردہ نشین شاہجہاںپوری تلمیذۂ رشید و خاص یادگارِ حضرتِ جلالؔ لکھنوی نور اللہ مرقدہٗ

مہرِ روشن طبع کا شائع ہوا ہے وہ کلام
آفتابِ چرخ جسکو دیکھکر حیران ہے
جلوۂ الفاظِ مضموں کی تجلی واہ واہ
ہر غزل کہتی ہے مجھ پر ہر چمک قربان ہے
قدر کی نظروں سے دیکھیں کیوں نہ اسکو نکتہ داں
اہلِ فن کا دل ہے۔ اربابِ ہنر کی جان ہے
اِس کا فصلی سن یہ ہے منقوطہ حرفوں میں حجابؔ
"مہرؔ کا دیوان بھی خورشید سا باشان ہے"

۱۳۴۴ فصلی

حیرتؔ۔ سخنورِ خوش فکر۔ صافی نژاد۔ صاحبِ طبعِ سلیم جناب مولوی سید عنایت احمد صاحب نقوی حیرتؔ بدایونی خاص یادگارِ حضرتِ داغؔ دہلوی مرحوم و مغفور

ہے شعاعِ مہر دیواں بے نظیر
ہر سخنور کو ہے اس کا اِعتراف
ہے وہی لطفِ زبانِ نغزِ داغؔ
ہے وہی طرزِ بیاں بے اِختلاف
مہرِ روشن ہے کلامِ مہرؔ آج
کون کر سکتا ہے اس سے انحراف
مصرعِ تاریخ حیرتؔ یہ لکھو
"ہے شعاعِ مہرِ تاباں پاک و صاف"

۱۳۵۵ھ ہجری

خوشترؔ۔ شاعرِ شیریں زبان۔ سخنورِ خوش بیان جناب منشی عبید الرحمٰن صاحب خوشترؔ منگرولی تلمیذ عمدۃ الشعرا۔ افضل الشعرا حضرتِ مہرؔ مصنفِ دیوان ہذا

جلوہ گر جب ہُوا اُستاد کا دیواں چھپ کر
دیکھ کر لوگ اِسے کیوں نہ منائیں خوشیاں
حضرتِ مہر کا یا ہے یہ کلامِ روشن
اِس کی تاریخ بھی اِک جلوہ گری ہے خوشتر

تیسرے چرخ پہ ناہید سخن کا یہ چمکا
سامنے جب یہ مہِ عید سخن کا چمکا
یا یہ اِک بدر پڑے وید سخن کا چمکا
دیکھ لو "دُو بدُو خورشید سخن کا چمکا"

۱۹۳۷ء

دِل بسرآمدِ شعرائے ذی کمال طلسم آرائے بزمِ خیال۔ جواہر رقم۔ نظیری نظیر جالینوس زماں۔ فخرِ اطبائے ہندوستاں۔ اعتبار الملک۔ حکیم الشعرا جناب حکیم محمد ضمیر حسن خاں صاحب دِل شاہجہانپوری مقتدر یادگار حضرتِ امیر مینائی لکھنوی علیہ الرحمۃ

مژدہ یاد اے دِل چھپا مہر سخنور کا کلام
نکہتِ دلکش سے لُطف اندوز ہوں اربابِ ذوق
شاعری میں فخر کے قابل جناب مہر ہیں
جانشینِ بلبلِ ہندوستاں[1] مشہور ہیں
طبعِ دیواں کی یہ ہے تاریخ اے دِل برمحل

مطلعِ انوار یا مقبولِ بزمِ اہلِ فن
کھل گیا فرحت اثر گلہائے رنگین کا چمن
جوہرِ قابل کہوں یا اُنکو یکتائے زمن
ہے نمایاں اُنکے ہر ہر شعر سے اِک بانکپن
"نعمتِ حق۔ ماہِ نو۔ مقبولِ دل۔ مہر سخن"

۱۹۳۷ء

رعد۔ سخنورِ خوش مقال۔ شاعرِ عدیم المثال۔ صاحبِ طبعِ گہر بار۔ فصیح اللسان۔ زبدۃ الشعرا جناب منشی حب لال صاحب رعد۔ صاحب دیوان "چراغِ سخن"۔ وکیل و آنریری مجسٹریٹ ضلع بھنڈ۔ ریاست گوالیار۔ خاص یادگار حضرتِ داغ دہلوی مرحوم و مغفور

کس قدر دل خوش ہُوا جب یہ خبر مجھکو ملی
یہ شگفتہ شعر کر دیتے ہیں دل کو باغ باغ
کیا کلام بے بدل ہے۔ کیا بیانِ دلپذیر
کوئی دیکھے یہ دُرِ رخشانی "شعاعِ مہر" کی
روزمرّہ ہے نہایت صاف بستہ ہے زباں
چُلبلے اشعار سُن سُن کر تڑپ جاتا ہے دل
دیکھکر یہ خوشنما دیوان یہ شیریں کلام
یہ ندا مجھکو سرِ اخلاص سے ہاتف نے دی
+۱

"مہر صاحب جانشینِ داغ کا دیواں چھپا"
کیا پھلا پھُولا چمن ہے شاعرِ بے مثل کا
ہر سخنور کی زباں پر ہے صدائے حبّذا
کوئی دیکھے یہ بیانِ مہر کی طرزِ ادا
سادگی نے اور دُونا لُطف پیدا کر دیا
کرتی ہے مضطر جگر کو شوخیٔ طبعِ رسا
فکرِ سالِ طبع میں جس وقت میرا سر جھکا
رعدؔ "دیکھو خوب دلکش مہر کا دیواں چھپا"
۱۳۵۵+۱ = ۱۳۵۶ ہجری

[1] خطاب حضرتِ داغ دہلوی مرحوم۔

دیگر

لعل و گہر ہیں تو لئے دیوانِ قہر کو
ہاتف سے سالِ طبع جو پوچھا۔ تو یہہ کہا

اے رعد دیکھئے تو سہی یہہ شعاعِ قہر
"سارے جہاں میں پھیلی ضیائے شعاعِ قہر"

سمت ۱۹۹۴ بکرمی

دیگر

قہر صاحب کا وہ پُر نور چھپا ہے دیوان
رُوکشِ مطلعِ خورشید ہے ہر اک مطلع
چُست بندش۔ نئے مضمون۔ نرالی ترکیب
ہے کہیں یاس کا اظہار کہیں ذکرِ ستم
صدمۂ ہجر کہیں۔ اور کہیں لطفِ وصال
آہ کرتا ہے کوئی۔ واہ کوئی کہتا ہے
اُنکی ہر بات میں اِک بات انوکھی پائی
کاٹ کر پائے عُدو۔ رعد یہ تاریخ کہو

جسکا عالم نے چمکتا ہُوا جلوا دیکھا
صورتِ مہر ہر اک شعر چمکتا دیکھا
کیا بتاؤں سُخنِ قہر میں کیا کیا دیکھا
جذبۂ شوق کا طُوفاں کہیں برپا دیکھا
خوب نیرنگئ اُلفت کا تماشا دیکھا
قہر کی سحر بیانی کا تماشا دیکھا!
اُنکے ہر شعر میں اِک لُطف نرالا دیکھا
"آفتابِ سُخنِ قہر چمکتا دیکھا"

۱۹۴۳ - ۶ = ۱۹۳۷ء

دیگر

خوب ہے رعد۔ قہر کا دیواں
لکھو قلبِ گہر سے یہہ تاریخ

یہہ تخیُّل کا اِک مُرقّع ہے
"ہر غزل قہر کی مرصّع ہے"

۱۹۳۲ + ۵ = ۱۹۳۷ء

دیگر

چھپ گیا دیوانِ قہرِ خوش بیاں
چُٹکیاں لیتا ہے دل میں یہہ کلام
لوٹ ہو جاتے ہیں سُنکر نکتہ سنج
فکر جب تاریخ لکھنے کی ہوئی
رعد تمکو تھا نہایت اشتیاق

داد اب اِسکے سُخن کی دیں بصیر
اور چُبھتا ہے جگر میں مثلِ تیر
لُطف دیتا ہے بیانِ دلپذیر
مُجھ سے یہ کہنے لگا میرا ضمیر
"دیکھ لو اب یہہ کلامِ بے نظیر"

۱۳۵۶ہجری

دیگر

جو قہرِ سُخنور کا دیواں چھپا
تو آیا زباں پر مری بے تامُّل

کہ اے رعدتم اسکی تاریخ طبع	لکھو "واہ واہ یہ نرالا تخیل" ۱۳۵۶ ہجری

ساحر۔ شاعرِ کہن سال سخن گستر بلند خیال۔ شمعِ بزمِ سخن۔ جناب پنڈت امرناتھ صاحب مدن۔ ساحر دہلوی پنشنر تحصیلدار کیتھل۔ لال حویلی دہلی۔

روشن سوادِ خاک شدہ از شعاعِ مہر	ہر ذرہ تابناک شدہ از شعاعِ مہر
برکردہ سر گلے چو زپائے ادب حمید	"آن گل زخار پاک شدہ از شعاعِ مہر"
۲+	۱۹۳۵+۲ = ۱۹۳۷ء

سائل۔ بلبلِ گلزارِ شیوا بیانی۔ طوطیِ شکرستانِ شیریں زبانی۔ ثانیِ داغ۔ سلطانِ قلم و فصاحتِ اہلِ زباں عالیجناب نواب ابو المعظم میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی داماد فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی مغفور و نبیرۂ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیر رخشاں دہلوی مرحوم جاگیردار لوہارو۔

مہر بھائی نے لکھا دیواں ہے میرا زیرِ طبع	ملتجی اُسکے لئے ہوں قطعۂ تاریخ کا
آنکھ سے دیکھا۔ سنا بھی کان سے اُسکا کلام	چُستیِ بندش سے ہے ہر شعر سانچے میں ڈھلا
اور ہے لطفِ زباں بھی شوخیِ مضموں کے ساتھ	اسکو اندازِ بیاں کہیئے فصیح الملک[1] کا
دید کے قابل ہے گُلہائے مَعانی کی بہار	خوب فیض بلبلِ ہندوستاں[2] ہے واہ وا
لکھا سائل نے یہ سالِ طبع آخر در جواب	"مہر حق ہیں جانشینِ داغ کا دیوان چھپا" ۱۹۳۷ء

سخن۔ سخنورِ نکتہ داں۔ ناثرِ رنگیں بیاں۔ نقادِ جواہرِ سخن جناب منشی رام نارائن صاحب جوہری تخلص سخن وکیل لشکر خلفِ دوم جناب ٹھاکر گوری پرشاد صاحب متوطن بھونگاؤں ضلع مین پوری۔ وتلمیذِ خاص معراج الشعرا حضرت بزم آفندی اکبرآبادی

سخنورانِ نکتہ سنج نیکو دانند کہ شاعر تا صد تیشۂ فکر جانفرسائے بر پہلوئے دل نہ زند و یا الماسِ اندیشہ جگر را لخت لخت نہ خراشد یا قوتِ مہر تاب سخن کہ مستوجبِ اجابتِ دشوار پسندانِ معنی شناس تواند شد حاصل نشود۔ وتا ہزاراں غوطہ در بحرِ ناپیدا کنارِ فکر نخورد۔ یک گوہرِ آبدارِ معنی کہ شایستۂ قبولِ خاطرِ خطیرِ جوہریانِ جواہرِ خرد آید بکف نہ اُفتد۔ اِلا دریں ولا محبِ صادق عمدۃ الشعرا۔ ناثر الملک افضل الشعرا ممبر خصوصی و تنقیدی انجمن خاصانِ ادب لکھنؤ پروفیسر نارائن پرشاد ورما مہر جانشینِ فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی اعلی اللہ مقامہٗ ایں دیوانِ لاجواب شعاعِ مہر را کہ گوہریست نایاب بہ کمال

[1] خطاب حضرتِ داغ دہلوی مرحوم [2] خطاب حضرتِ داغ دہلوی مرحوم

جگرکاوی و دلسوزی چناں انداختہ فکر برآوردہ کہ ہر ورقے ازیں کتاب عاشقے است جانیاز و ہر صفحۂ ایں اوراق معشوقیست طنّاز۔ مطالعۂ ایں دیوان بالضرور مستانِ رحیقِ میکدۂ نظمِ اردو را سرورِ تازہ خواہد بخشید۔

قطعۂ تاریخ

چو دیوانِ جناب قہر شد طبع	رسید آوازہ اش در طولِ عالم
سخن تاریخِ طبعش گفت از "ماہ"	شعاعِ قہر شد مقبولِ عالم

۱۳۵۵ ہجری

سروش۔ مہرِ سپہرِ نکتہ دانی۔ ماہِ منیر شیریں زبانی جناب سید اختر حسین صاحب نقوی سروش مچھلی شہری ہیڈ ماسٹر انگلش اسکول مچھلی شہر ضلع جونپور۔ خویش و جانشینِ حضرت شہیر مچھلی شہری مرحوم و مغفور

شعاعِ قہر کہ ہے کلیاتِ حضرتِ قہر	کسی طرح نہیں تابش میں آفتاب سے کم
جو لفظ ہے وہ ہے روشن جو حرف وہ تاباں	غرض چمکتا ہے اسکا ہر اک ورق چم چم
کلامِ قہر سے جو اسم بامسمّیٰ ہے	اُجالی رہتی ہے دُنیائے شاعری ہردم
جو ہے یہ پُر گلِ خوبی سے۔ خارِ عیب سے پاک	تو اس سے اہلِ نظر کیوں نہوں خوش و خرّم
کسی جگہ سے کوئی حرف اُٹھ نہیں سکتا	ڈھلے ہوئے ہیں سب اشعار بندشیں محکم
جو خوبیاں ہیں وہ سب اس میں ہیں بہ حدِ کمال	جو حسنِ شعر ہیں وہ اس میں ہیں بحمد اللہ اتم
سروش لکھیے یہ تاریخ طبع دیواں کی	شعاعِ قہر سے روشن ہے ساحتِ عالم

۱۳۵۵ھ

دیگر

چھپ گیا شکرِ خدا دیوانِ قہر	ہے جہانِ شاعری میں آج عید
اُسکی تاریخ اور کیا لکھیے سروش	جسکی ہے تاریخ "تاریخِ سعید"

۱۳۵۵ ہجری

شوخ۔ شاعرِ نازک خیال۔ ناظمِ شیریں مقال۔ اکملِ زمان۔ افصحِ دوران۔ واقفِ رموزِ سخنوری جناب ڈاکٹر سید سخاوت علی صاحب جعفری۔ شوخ اکبرآبادی جانشینِ حضرت رئیس مرحوم اکبرآبادی و نبیرہ میرزا فصیح مرحوم

خدا کا شکر کہ دیوانِ قہر طبع ہوا	فلک پہ دھوم ہے چمکا زمیں پہ اخترِ قہر
نہ کیوں ہوں اہلِ سخن اس کلام کے شیدا	فصاحت اور بلاغت ہیں دونوں چاکرِ قہر

اِسی لئے سندِ جانشینِ داغ ملی
مجھے یہ حکم ہوا تاریخِ طبع کہہ تو بھی
اشارہ پا کے سرِ چرخ سے کہا آخر
زبانِ داغ کا سہرا ہے شوخ برسرِ قہر
کہاں یہ ہیچمداں اور کہاں وہ فنِ قہر!
"شعاعِ قہر کو دیوان۔ کلام کو زرِ قہر"
۱۳۵۲+۳ = ۱۳۵۵ھ ہجری

شیدا۔ سخنورِ عدیم المثال۔ شاعرِ خوش خیال۔ صاحبِ طبعِ وقّاد۔ ذہنِ نقّاد نادر الشعرا جناب منشی چنڈی پرشاد صاحب شیدا دہلوی خاص یادگارِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب راسخ دہلوی اعلی اللہ مقامہٗ

کیفِ سخن سے مست ہوں میں جھوم جھوم کر
دیوانِ قہر سامنے رکھا ہے چوم کر

دیوانِ قہر نکلا ہے اُس آب و تاب سے
کامل ہے دستگاہ انھیں فنِ شعر میں
پیدا کیا ہے خوب متانت میں بانکپن
بندش ہے صاف و شستہ مضامیں بلند ہیں
نیرنگ وہ دکھائے ہیں اک شاخِ کلک سے
ہر شعر نقش بندِ معانی ہے سر بسر
ہر لفظ یوں عروس کی صورت ہے جلوہ گر
اب معترض کے واسطے ہر راہ بند ہے
توحید سے کلام ہوا ہے وہ ہمقراں
روشن کیا ہے نام وہ حسنِ کلام سے
شیدا عیاں تجلیِ تاریخ طبع ہے
ثابت ہے جس سے آپ کی شعرا میں برتری
یہ جانشینِ داغ ہیں یہ رشکِ انوری
ہر شعر سے ٹپکتی ہے آدابِ گستری
مقبولِ عام کیوں نہو پھر یہ سخنوری
گویا دھری ہے میز پہ ڈالی ہری بھری
فکرِ بلند میں ہے مضامین پروری
جیسے دلھن بنی ہوئی ہو قاف کی پری
ہے فنِ شعر آپ کا سدِّ سکندری
حاصل ہے ملکِ شعر میں شانِ پیمبری
الیں کا نور آپ کی ہے سحر گستری
لکھیئے شعاعِ قہر ہے "خورشیدِ خاوری"
۱۹۳۶ء

طالب۔ سخن طراز۔ خوش فکر۔ نونہالِ گلزارِ شیریں زبانی جناب منشی شاہد علی صاحب طالب صدیقی المنصوری امروہی مقیم کراچی۔ مؤلفِ شعرستانِ لکھنؤ و تلمیذِ جناب علامۂ عصر حضرتِ ابو التوقیر آفسر صدیقی امروہی

جنابِ قہر نے لکھا وہ بے بدل دیواں
کہو یہ مصرعِ تاریخِ عیسوی طالب
جو مرتبے میں ہے رُوئے کلام کا غازہ
"شعاعِ قہر سے ماہِ سخن ہوا تازہ"
۱۹۳۷ء

عطا۔ نقشبندِ گلزارِ معانی۔ عندلیبِ بوستانِ شیوا بیانی۔ سرتاجِ سخن جناب ممتاز الشعرا حاجی عطا محمد صاحب عطا بدایونی وکیل و ڈسٹرکٹ امینیٹ میونسپل کمشنر و چیرمین کمیٹی حفظانِ صحت میونسپل بورڈ تلہر ضلع شاہجہانپور۔ یو۔ پی۔
یادگارِ حضرتِ داغ دہلوی مرحوم

"شعاعِ مہر کردارِ ضیا ہے"	"شعاعِ مہر خورشیدِ لقا" ہے
"شعاعِ مہر میں ہے نورِ فرخ" ۱۹۳۷ء	"شعاعِ مہر فضل خورِ عطا ہے" ۱۹۳۷ء

دیگر

"جگری باغ ہے شعاعِ مہر"	"جبلِ راغ ہے شعاعِ مہر"
"خوادِ ستاد ہے دقورعِ عطا" ۱۹۳۷ء	"گوہرِ داغ ہے شعاعِ مہر" ۱۹۳۷ء

دیگر

جس روز سے ہے باغِ جہاں میں بہارِ داغ	دنیا میں جب سے کوئی نہیں ہم وقارِ داغ
اُستاد کے ہنر کا زمانہ ہے مدح خواں	ہر اہلِ فن ہے حسنِ رقم پر نثارِ داغ
سائل۔ عطا و احسن و بیخود کہ نوح و مہر	سب ورثہ دارِ داغ ہیں۔ سب یادگارِ داغ
فیضِ جنابِ داغ سے روشن دماغ ہے	لطفِ زباں سے مہر کا دل ہے دیارِ داغ
گویا زبانِ داغ عطا ہے۔ زبانِ مہر	"دیوانِ مہر جادرِ فصلِ بہارِ داغ" ۱۹۳۷ء

عیش۔ شاعرِ بے نظیر۔ سخنورِ پُر تاثیر۔ خوش فکر۔ خوش خیال۔ جادو رقم۔ صاحبِ طبعِ سلیم جناب مولوی شفیع احمد صاحب عیش بریلوی خاص یادگارِ حضرتِ داغ دہلوی مرحوم

"جلوہ گر ہونے کو دیوانِ شعاعِ مہر" عیش	"چھپ رہا ہے آجکل" یہ اطلاع مہر ہے
تم لکھو یہ اُس کلامِ نغز کی تاریخِ طبع	"بے تفاوت مہر کا دیوان شعاعِ مہر ہے" ۱۹۳۷ء

غریق۔ شاعرِ سخن ساز۔ معنی طراز۔ سخنگوے صاحبِ تحقیق۔ جناب حافظ شیخ محمد نبی بخش صاحب غریق سہارنپوری خاص یادگارِ حضرتِ قیس جھنجھانوی مرحوم

جانشینِ داغِ والا مرتبت	مہرِ انوارِ سخن عالیجناب

سلہ سبزہ زار۔

شاعری کی خوبیوں سے آپ نے
کردیا اُردو زباں کو کامیاب

چھپ گیا وہ آپکا دیواں غریق
ہے جو دُنیائے سُخن میں لاجواب

کس قدر نایاب ہے یہہ سالِ طبع
"قہر کا دیواں ہے رشکِ آفتاب"

۱۳۵۶ ہجری

دیگر

وہ لکھے ہیں نُور کے مضمون جناب قہر نے
جلوہ گر ہیں جن سے انوارِ معانی بر ملا

لکھو تم بھی اِسکی یہہ تاریخ روشن اے غریق
"عرش کا تارا بنا دیوانِ دلکش قہر کا"

۱۹۳۷ء

دیگر

قہر صاحب جانشینِ داغ کا
چھپ گیا دیوانِ مقبولِ انام

لکھو سِرِ انور سے سالِ طبع غریق
قہر خوش گو کا ہے کیا زیبا کلام

۱۳۵۵+۱ = ۱۳۵۶ ہجری

فائق ـ صاحبِ طبع معنی آفریں ـ جوہر قابل ـ سُخنگوئے لائق ـ جناب مولوی سیّد شاہ محبوب الرحمٰن صاحب فائق سجادہ نشین مُفتی گنج ضلع پٹنہ عظیم آباد ـ
تلمیذِ عمدۃ الشعرا ـ افضل الشعرا
حضرتِ قہر مصنف دیوان ہٰذا

چھپ گیا قہر سخنور جانشینِ داغ کا
آج دیوانِ شُعاعِ مہر جانِ شاعری

میں بھی ہُوں شاگرد اُنکا ـ میرے بھی اشعار پر
اُنکی اصلاحیں ہُوئی ہیں نرد بانِ شاعری

ہے شُعاعِ مہر شمعِ محفلِ اہلِ ادب
ہے شُعاعِ مہر ماہِ آسمانِ شاعری

پھر بھی اِسکے سامنے ہے جہل کی ظُلمت بہت
نور میں اِسکے دکھائی ہے جو کانِ شاعری

کہکے سالِ طبعِ دیواں دیجئے فائق صدا
"یہہ شُعاعِ مہر روشن لے جہانِ شاعری"

۱۹۳۷ء

قمر ـ سُخنورِ ماہرِ فن ـ نقّادِ جوہرِ سُخن ـ راسخ الکلام جناب مولٰنا مولوی قمر الحسن صاحب صدیقی حمیدی بدایونی مقتدر یادگارِ حضرتِ راسخ دہلوی مرحوم و مغفور

اب طبع ہو رہا ہے وہ دیوانِ لاجواب
جسکا ہر ایک شعر ہے ہر عیب سے بری

فیضِ جنابِ داغ کی روشن مثال ہے
کیوں اِس کلام کی نہ مُسلّم ہو برتری

آئینۂ کمالِ کلامِ جنابِ قہر ہے رہروِ سخن کے لئے شمعِ رہبری
تاریخ کا خیال جو آیا مجھے قمر بولا سروشِ غیب "ریاضِ سخنوری" ۱۹۳۷ء

کیفی۔ عالمِ بے عدیل۔ فاضلِ نبیل۔ علامۂ عصر فضیلت مآب۔ کمالات انتساب۔ صاحبِ فکرِ لطیف۔ شاعرِ شیریں سخن۔ جناب پنڈت برجموہن صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی۔ بی اے مقیم ماڈل ٹاؤن پنجاب

عاشق ہیں شعرا اور ادب کے جنابِ قہر اُن کا بہت بلند ہے ذوقِ سخنوری
دیوان اُنکا دیکھ کے کیفی نے یہ کہا کہیے شعاعِ مہر کو "خورشیدِ خاوری"

محشر۔ شاعرِ بدیع نگار۔ خوش گفتار۔ ناظمِ خوش خیال سخنورِ عدیم المثال کانِ فصاحت۔ جانِ بلاغت سخن طراز۔ جادو نگار۔ صاحبِ کلامِ متین۔ عالی خرد سخن گستر جنابِ میرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی

قہر کا چھپ گیا دیوان یہ اللہ کی مہر قہر ہیں شاعرِ استاد و ادیبِ کامل
ایک اک شعر میں جذباتِ سخن کے جوہر سننے والے جسے سنتے ہی ہوئے ہیں بسمل
ایک اک لفظ ہے یا آئینۂ حسنِ بیاں کہ جسے دیکھ کے بیتاب ہیں اہلِ محفل
غیب سے طرزِ بیاں میں یہ ہوا حسنِ قبول اہلِ باطن جسے سننے کو ہیں دل سے مائل
سلسلہ بندیِ مضموں کا نہ پوچھو احوال لطفِ تخئیل جو دریا ہے تو معنی ساحل
قہر کی طبعِ سخن سنج کا اللہ رے زور ہوئی ہر صنف پہ تقدیر سے قدرت حاصل
قہر کی روشنیِ طبع شعاعِ خورشید کہ ہر اک شعر ہے گویا کہ چراغِ منزل
شوخیِ نظم میں تاثیر بھری ہے ایسی دیکھیں خوبانِ زمانہ تو بھڑک جائے دل
قہر اس دور میں کیونکہ نہوں فطری شاعر کاملِ فن بھی جنھیں کہتے ہیں شاعرِ کامل
چاہنے والے پہ سوجان سے ہو مائلِ رحم آپ کے درد بھرے شعر جو سن لے قاتل
کلکِ محشر نے رقم کر دیا یوں طبع کا سال "حضرتِ قہر کا دیوان ہے زیبِ محفل"

معجز۔ شاعرِ نازک خیال۔ رنگین مقال۔ سخنورِ بے مثال۔ حکیم سید اعجاز احمد صاحب معجز سہسوانی مولوی فاضل و منشی فاضل (پنجاب) سیکنڈ ماسٹر مدرسۂ وثیقۂ عربی فیض آباد

ہے فصاحت کا بلاغت کا نمونہ یہ کلام دلکش و نازک معانی ہیں بیاں بالکل سلیس
قہر ہیں اک شاعرِ جادو بیاں روشن خیال ذہن عالی اُنکا ہر دم عقلِ کُل کا ہے انیس
ہے وطن قہر سخنورِ خوش بیاں کا سہسواں ہموطن معجز ہے اُنکا وہ عطارد کے جلیس
جب ہوا دیواں مرتب قہر کا باآب و تاب اور لکھکر اُس کو فارغ ہوگیا کاپی نویس

خامۂ مجروح نے لکھا مصرعِ تاریخِ طبع
"جانشینِ داغؔ کا دیوان اُردو ہے نفیس"
۱۹۳۶ء

دیگر

چمن در جیب دارد ہر گلِ تر
بہر لفظش نہاں گنجِ فصاحت
پئے تاریخِ دیوان گفت مجروحؔ

زہے گلزارِ قہرؔ نکتہ پرداز
زہر بیتش عیاں تاثیرِ اعجاز
"شعاعِ مہر روشن مایۂ ناز"

مفتونؔ۔ صاحبِ فکرِ لطیف شاعرِ شیریں سخن جناب منشی شنکر سروپ صاحب مفتونؔ شکوہ آبادی مقیم سکندرآباد۔ ضلع بلندشہر تلمیذِ رشید فصیح العصر۔ ناخدائے سخن تاج الشعرا حضرت نوحؔ ناروی جانشین حضرت داغؔ دہلوی

دیوان کا وصف کیا ہو مفتونؔ
اِس فردِ جہاں کی عیسوی میں

اللہ رے شان و شوکتِ قہرؔ
تاریخ ہے "فردِ حضرتِ قہرؔ"
۱۹۳۷ء

دیگر

چھپ کر ہوا جہان میں صورت نگارِ مہر
فصلی میں سالِ طبع کی مفتونؔ نے کی جو فکر

دیوانِ قہرؔ آئینۂ واردات عشق
آئی صدائے غیب "نقوشِ حیاتِ عشق"
۱۳۴۵ف

ملہؔ۔ شاعرِ باکمال۔ ناظمِ شیریں مقال فخرِ شعرائے دورِ جدید۔ ماہرِ فن جناب پنڈت آنند نارائن صاحب لکھنوی ملہؔ۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ چیف کورٹ لکھنؤ۔ خلف جناب ڈاکٹر پنڈت جگت نارائن صاحب لکھنوی۔ ایل ایل ڈی ایکس چانسلر لکھنؤ یونیورسٹی و ایکس منسٹر۔ یو۔ پی گورنمنٹ

بادہ نوشانِ خُمِ شعر و سخن کے واسطے
ہم نے لکھا اس کا یہ فصلی منوّر سالِ طبع

نے کا ساغر قہرؔ کا دیوان شعاعِ مہر ہے
"بزمِ انورِ قہرؔ کا دیوان شعاعِ مہر ہے"
فصلی

مولا نوہالؔ گلزارِ شیریں نوائی۔ سخنورِ خوش بیان خوش فکر۔ جناب منشی مولا بخش صاحب مولاؔ سہارنپوری خلف و تلمیذ حضرتِ غرقؔ سہارنپوری

اے جزاک اللہ کیا دیوان لکھا قہرؔ نے
لکھیئے مولاؔ اِسکے چھپنے کا یہ سالِ عیسوی

جسکے اِک اِک لفظ سے ظاہر ہے حُسنِ دلربا
"یہ جنابِ قہرؔ کا دیوان خوشخط اب چھپا"
۱۹۳۷ء

دیگر

قدر دانو جس کا مدّت سے تھا تم کو انتظار
لکھو مولاؔ سالِ ہجری تم زروئے احتشام

طبع وہ دیوان ہوا با شوکت و با شان آج
"قہرؔ کی صورت چھپا گیا قہرؔ کا دیوان آج"
۱۳۵۵ہجری

ناطقؔ۔ سخنورِ یکتا۔ شاعرِ بے ہمتا۔ ماہرِ باکمال۔ مشاقِ شعرِ عدیم المثال۔

مرشدِ خمخانۂ سخن جناب مولنا مولوی سید محمدؐ ابوالحسن صاحب ناطق گلاؤٹھوی
مقیم ناگپور مصنفِ "نطقِ ناطق"۔ خاص یادگارِ حضرتِ داغ دہلوی مرحوم

جناب قہر کا دیوان ہوا ہے
لکھو تم طبع کی تاریخ ناطق

جہانِ شاعری کا مہرِ تاباں
"یہہ نکلا شان سے مہرِ درخشاں"

۱۹۳۷ء

ناطق۔ تخلص گلزارِ خوش بیانی۔ سخنورِ خوش کلام۔ جادو طراز سحر پرداز۔
جناب ابوالعاصم منشی محمدؐ عبدالقدوس صاحب ناطق رسراوی۔ بلیا وی۔ مقیم
نیر پر سوینت۔ ملکِ برار۔ تلمیذِ عمدۃ الشعرا۔ افضل الشعرا حضرتِ مہر مصنفِ دیوان بذا

نہیں ہے زمانے میں ہمسر کوئی
کمالات ہیں داغ کے آپ میں
فصاحت وہی ہے۔ بلاغت وہی
بلاغت کی دنیا میں بے مثل ہیں
تلطف کا جوہر طبیعت میں ہے
مرے حال پر بھی ہے شفقت بہت
کیا ہے غلاموں میں یوں سربلند
کھلا گوہرِ گنجِ معنی کا راز
مبرا معائب سے ہے یہہ سخن
نہ حشو و زوائد۔ نہ ایطا کہیں
زباں صاف و شستہ۔ عبارت فصیح
سراپا مرصع یہہ دیوان ہے
لکھا اس کا ناطق نے یہ سالِ طبع

فصیحِ زماں حضرتِ قہر کا
جبھی جانشینی کا رتبہ ملا
کلام آپ کا ہے اُسی طرز کا
فصاحت میں ثانی نہیں آپ کا
اِسی سے زمانہ ہے اُن پر فدا
نہیں اُنکے الطاف کی اِنتہا۔
مری حد سے رتبہ بڑھایا مرا
ہوا طبع دیوان جب آپکا
محاسن کی دنیا ہے اس پر فدا
نہ ہے شائبہ اِس میں تعقید کا
سلاست ہے سوجاں سے شیفتا
نہیں دخل اِس میں ذرا عیب کا
"کمالِ فصاحت کا منظر کھلا"

۱۹۳۷ء

دیگر

جانشینِ داغ۔ قہر اُستادِ من
دوست می دارند اُورا خاص و عام

نکتہ دان و نکتہ پرور نکتہ سنج
طبع اُو دارد مرنجان و مرنج

کلیاتِ مہر چوں گردید طبع
سالِ طبعش کلکِ ناطق زد رقم

شد نثارش گنجِ معنی مثلِ گنج
"یک ہزار و سہ صد و پنجاہ و پنج"
۱۳۵۵ہجری

ناظم۔ شاعرِ شیریں سخن۔ ناظمِ فخرِ زمن۔ صاحبِ طبع رسا۔ سخنورِ خوش کلام جناب ابوالعاصم محمد اسمٰعیل صاحب ناظم متوطن رتسر ضلع بلیا۔ تلمیذِ عمدۃ الشعراء افضل الشعراء حضرتِ مہر مصنفِ دیوان ہذا

یہ بدھائی طبعِ دیوانِ شعاعِ مہر کی!
کھینچ دیں اشعار میں وہ صورتیں جذبات کی
جانشینِ داغ، مہر اُستاد کا ہے یہ کلام
لوگ تاریخیں کہا کرتے ہیں اکثر بیشتر
اور سالِ طبع اِس کا ناظمِ شاگرد کو

گونج اُٹھا ہے جہاں شورِ مبارکباد سے
جو کسی صورت نہ کھچتیں مانی و بہزاد سے
اِس کا کوئی شعر بھی خالی نہیں ہے صاد سے
فکر سے۔ ذہنِ رسا سے۔ عقل کی امداد سے
ہاتھ آیا ہے "وہ بیانِ حضرتِ استاد" سے
۱۹۳۶ء

نکہت۔ سخن گسترِ خوش مقال۔ شاعرِ سراپا کمال۔ ماہرِ فن۔ صاحبِ طبعِ عطیۂ فطرت۔ سخنورِ باکیاست۔ جناب مولوی شاکر حسین صاحب صدیقی نکہت، سہسوانی خلفِ حضرتِ صابر حسین صاحب ضیا سہسوانی مرحوم و برادرزادہ حضرتِ انوار حسین صاحب تسلیم سہسوانی مغفور۔

چوں شعاعِ مہر را مہر از فروغِ نورِ فکر
از کمالِ دلفریبہا در اندازِ بیاں
سالِ تاریخِ مسیحی نکہتِ شیوا بیاں

جلوہ آرائے مضامینِ لطافت بہر کرد
نو عروسانِ سخن را روکشِ گلچہرہ کرد
گفت "روشن صبحِ معنی را شعاعِ مہر کرد"
۱۹۳۶ء

دیگر

تا بہ شعاعِ مہر ہے مژدہ رساں کہ دیکھ لو
ہے ہمہ گیر کس قدر حسنِ مقال کی ضیا
حسنِ بیاں کے ساتھ ساتھ لطفِ زباں کا اور پھر
سوچ رہا تھا سالِ طبع۔ راہ نوردِ دشتِ عجز
وادیٔ قدسِ فکر سے آئی ندا یہ ناگہاں

نظم کی کائنات میں صبحِ کمال کا ظہور
دیکھو جدھر اُٹھا کے آنکھ پھیلا ہوا ہے ایک نور
خوبیٔ صحتِ مذاق قابلِ داد ہے ضرور
معترفِ قصورِ عقل نکہتِ از صلاح دور
"حسنِ کلامِ مہر ہے جلوہ طرازِ شمعِ طور"
۱۳۵۵ہجری

۵۷ نامِ معشوقِ ترۂ نجم۔

دیگر

سرزمینِ نظم کو کس درجہ بخشی روشنی
کردیا ہم رنگِ گلزارِ ارم دیوان کو
فکرِ سالِ طبع کا کسکو تھا اے نکہتِ دماغ
فرقِ ترک و اخذِ مدّ سے ہے سنِ آغاز و ختم

آسمانِ شاعری پر ارتفاعِ قہر نے
گُل کھلا کر تازہ حُسنِ ابتداعِ[1] قہر نے
کردیا بے بس مگر امر مطاعِ قہر نے
"حاسدوں کی آنکھیں خیرہ[2] کیں شعاعِ قہر نے"
۱۹۳۶ء ـــ ۱۹۳۷ء

نُوحِ سخنور سراپا کمال۔ شاعرِ نازک خیال۔ نقّادِ سخن۔ واقفِ رموزِ شیریں کلامی تاج الشعرا۔ فصیح العصر۔ ناخدائے سخن جناب مولانا محمد نُوح صاحب نُوح ناروی رئیسِ اعظم نارہ ضلع الہ آباد جانشینِ حضرتِ داغ دہلوی مرحوم

جنابِ قہر جو ہیں جانشینِ حضرتِ داغ
جہانِ شعر و سخن کا نرالا عالم ہے
زہے بہار۔ زہے گُل۔ زہے نشاطِ چمن
بلا دو نوح کہ بلجا ے سالِ طبع مقیں

چھپا ہے اُنکا یہہ دیوانِ بے بہا اچھا
یہہ ہے زمین الگ۔ یہہ ہے آسمان جُدا
بہار بھی نئی۔ گُل بھی نئے۔ چمن بھی نیا
"شعاعِ قہر" میں جزوِ "عروسِ مہر فزا"
۱۳۵۵ہجری

دیگر

قہر کا دیوان چھپ کر بن گیا برقِ کلام
نوح ساغر نوش نے لکھا چمکتا سالِ طبع

بڑھ گیا مے خانۂ شعر و سخن میں ساز و سوز
"بادۂ نو۔ آفتابِ قہر۔ مہرِ نیم روز"
۱۳۵۵ہجری

دیگر

چھپا قہر کا وہ منوّر کلام
مگر نوحِ خوش فکر نے سالِ طبع

کہیں بدر جس کو سب اہلِ نگاہ
یہہ لکھا "یہہ ہے غیرتِ مہر و ماہ"
۱۹۳۷ء

دیگر

دیوانِ جنابِ قہر شد طبع
ایں ست ز نوح عیسوی سال

عالم ہمہ گشت لطف اندوز
"خورشیدِ سپہرِ نور افروز"
۱۹۳۷ء

نوشِ سخنورِ شیریں کلام۔ گلدستۂ ذہانت و ذکاوت جناب منشی محمد خلیل الدین صاحب عباسی نوشہ بدایونی برادرزادۂ حضرتِ حیرت بدایونی

[1] حسبِ اصطلاحِ فنِ معانی و بیان مضمون آفرینی۔ نئی بات پیدا کرنا۔ [2] الف مقصورہ [3] الف ممدودہ = ۱+۱/۲

کلامِ مہر چرخِ شاعری پر
جو اختر لفظ سطریں کہکشاں ہیں
نظر کا خوب ہے دلکش تماشا
اگر تاریخ کی ہے فکر نوشہ

دُرِّ خشاں ہے مثالِ مہرِ زریں
تو ہیں اوراق کے صفحے نگاریں
بیاں ہیں صاف مضموں بھی ہیں رنگیں
کہو "پاکیزہ نظمِ ماہ پروین"

۱۳۵۵ ہجری

یگانہ۔ سخنورِ بیمثال۔ شاعرِ بلند خیال۔ ماہرِ فن۔ نقادِ سخن۔ واقفِ عروض و قوافی۔ جادو رقم جناب میرزا واجد حسین صاحب معروف بہ عرفِ میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی پیرو حضرت آتش لکھنوی مرحوم

جواب میں ہوئی تاخیر۔ آہ کیا کیجے
شعاعِ مہر کے چھپنے کا قلب صاف ہے سال

یگانہ آجکل اچھا نہیں ہے مشفق من
اندھیرے کا ہے اُجالا لئے ہے چراغ سخن

۱۹۳۶ء

تقریظ دلپذیر اثرِ خامہ جناب منشی بشیر احمد صاحب صبر حدی

منشی کتب خانہ مطبع محمدی بمبئی

دیوان ہے کہ شمس ہے نصف النہار پر
یا گلشنِ سخن ہے یہ خنداں بہار پر

معزز ناظرین وبالغ نظر شائقین کو مژدہ ہو کہ نازک خیالی کا آئینہ، معاملہ نگاری کا صحیفہ، رنگِ عاشقانہ کا لطیفہ، بحشمِ ظاہر نازنینوں کا تذکرہ بہ نگاہِ حقیقت دستور العمل شعراء، معانی آفرینی کا مجموعہ، مجموعۂ سخن کا شیرازہ یعنی **دیوان شعاع مہر** جو اس وقت راقم الحروف کے پیش نظر ہے اُس کے مطالعے سے جس قدر میں مسرور و ممنون ہوا ہوں اگر اُس مسرت دلی کا ذکر اور شکریہ نہ کروں تو کفرانِ نعمت ہے، سبحان اللہ، کیا کیا نور دیدگانِ بانیِ آغوشِ الفاظ میں بازی کر رہے ہیں اور کیسے کیسے پریزادانِ معانی بہ نگاہِ دزدیدہ نظم کے جھروکے سے جھانک رہے ہیں، شاہدانِ نزاکتِ بیان کی کمریں بارِ الفاظ سے لچکی جاتی ہیں۔ مہوشانِ شوخیِ مضامین آب از دیدہ رفتہ ہو کر اور بند شوں کی چلمن سے سر نکالکر گلہائے سرفروشی کر رہے ہیں، آشیانۂ الفاظ پر طیورِ معانی کا باقرینہ بیٹھنا مکان و مکیں کا ربط ہے، اس دیوان کو گلشنِ گلہائے راز و نیاز اگر کہئے تو بجا ہے یا میخانہ صہبائے ناز و انداز قرار دیجئے تو نہایت زیبا ہے۔ کلام ہے کہ ایک دریائے زخار کی طرح جوش میں رواں ہے، ایک ایک

زمین میں کئی کئی غزلیں ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر پھر مضامین آفرینی اور نازک خیالی جس سے مصنف دیوان حضرت قہر کی جودتِ طبع اور علمی استعداد کا سرمایہ ظاہر ہوتا ہے۔ ہر سطر ایک دلفریب نخل ہے خیالات رنگین کا اور ہر صفحہ ایک تازہ بہارِ گلشن ہے بلندئ مضامین کا۔ دیوان ہذا میں از اوّل تا آخر ہر مقام پہ تازہ کرشمہ سرگرم جلوہ فروشی اور ہر انداز و عشوہ مشتاق ہم آغوشی ہے ؎

زفرق تا قدمش ہر کجا کہ می نگرم	کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

علاوہ بریں، شوخئ مضامین چستئ بندش خوبئ بیان لطفِ عتاب وضع استعارہ اسلوبِ کنایہ ماشاء اللہ ثم ماشاء اللہ۔ با ایں ہمہ حضرت قہر کی ذاتِ گرامی محتاج تعریف و توصیف نہیں کیونکہ اس سے جہانِ فصاحت و بلاغت کو اپنی رسائی پر ناز اور علم ولیاقت کو فخر و اعزاز ہے۔ جب سحر بیانی اور آتش زبانی خود شاہدِ حال ہوں تو کسی کی ثنا و صفت کی کیا ضرورت ہے۔ اگر صاحبِ دیوان حضرتِ قہر کی شان میں یہ کہا جائے کہ وہ اپنے زمانے میں یکتا ہیں تو امید ہے کہ اسے شاعرانہ مبالغہ نہ تصور کیا جائیگا، اس عہد میں اگر دلّی کا بادشاہ شاہ ظفر سا قدرداں ہوتا تو مصنفِ دیوان جانشینِ فصیح الملک حضرتِ داغ دہلوی جنابِ قہر کے کلام کی کیا کیا قدر و منزلت نہ کرتا۔ جائے غور ہے کہ قطرے کو دریا اور ذرّے کو آفتاب بنانا ہر شخص کا کام نہیں سخن سنجان دانشمند اور دانش وران انصاف پسند اگر انصاف کو ہاتھ سے نہ دیں تو گو اعجاز میں گفتگو کریں تاہم اُنکے کلام کو سحرِ سامری قرار دینے میں کچھ تامل نہیں کر سکتے غرض جو جو باتیں محاسنِ شعری کے لئے ضروری ہیں وہ سب اس کلام میں موجود ہیں، اگر دامنِ نگاہ گردِ کدورت اور کینے سے پاک و صاف ہو تو جس جگہ سے دیوان کو دیکھئے ایک جلوہ ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ میں اہل بصیرت سے توقع رکھتا ہوں کہ میری یہ باتیں مبالغے پر محمول نہ فرمائی جائیں۔ البتہ میں اس مقام پر یہ ضرور کہوں گا کہ یہ دیوان بیشک دیدہ بدبیں اور نگاہِ حاسدیں کے لئے خار ہے مگر منصف مزاجوں کی نگاہوں میں پھلا پھولا گلزار ہے میں آخر میں دست بدعا ہوں کہ الٰہی جب تک دریائے سخن موجزن ہے تیرے فضل و کرم سے یہ دُرِّ شاہوار سرمایۂ آبروئے سخن سنجاں رہے اور یہ گوہر آبدار مطبوع طبائع جہان و مقبولِ خاطرِ خاص و عام ہو۔

آمین ثم آمین، الحمد للہ رب العالمین۔

بمبئی۔ ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۷ء

نوٹ۔ آگے جو قطعات خلاف سلسلۂ حروفِ تہجی درج ہیں وہ بعد ترتیبِ ضمیمۂ نمبر۲ آئے تھے۔

عقیل۔ نوبادہ گلزار لیاقت و کیاست۔ گلدستۂ ذہانت و ذکاوت محمد عزیز اللہ خلف اصغر مولانا مولوی محمد اے ایم عبد الباسط برق طاب ثراہ مدیر رسالۂ پیکر خیال و اخبار المسلم و مالک مسلم پریس کٹمنٹ بنگلور

مہر کا دیوان شایع ہو گیا
ایک نکلا۔ سال چھپنے کا عقیل

جو زمانے کو بہت محبوب ہے
"مہر کا دیوان خوش اسلوب ہے" ۱۳۵۷ھ

نذیر۔ بزم آرائے خوش بیانی مشتاق بے نظیر حامی کلام پر تاثیر جناب مرزا نذیر حسین صاحب نذیر۔ بنگلوری

جناب مہر کے دیوان کی تعریف کرنے کو
ادا کے ساتھ کہئے کیوں نہ تاریخ اے نذیر اسکی

زباں خود بول اٹھتی ہے غزل ہر اک مرصع ہے
"تجلی مہر کی یا مہ جمالوں کا مرقع ہے" ۱۳۵۶ھ

نفیس۔ سخنور نفیس خیال۔ شاعر شیریں مقال بلبل گلستان معانی واقف رموز خوش بیانی جناب محمد یوسف صاحب نفیس بنگلوری تلمیذ نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل جانشین حضرت امیر مینائی لکھنوی

سپہر طبع پر یا مہر کا دیوان چمکا ہے
نفیس اک نے کہی تاریخ قرباں ہو کے دیواں پر

نظر آیا ہے جلوہ دفعتہً یا مہ جبینوں کا
"شعاع مہر ہے یا یہ مرقع ہے حسینوں کا" ۱۳۵۷ھ

۱۳۵۷ - ا = ۱۳۵۶

دیگر

اللہ رے جلوہ ریزیٔ طبع جناب مہر
از روئے وصف طبع کی تاریخ ہے نفیس

پر تو ہر ایک شعر میں ہے ماہتاب[عہ] کا
"جلوہ شعاع مہر میں ہے آفتاب[عہ] کا" ۱۳۵۰ھ

۱۳۵۰ + ۶ = ۱۳۵۶

دیگر

دیوان مہر کا ہے، کہ ہے مہر نیم روز
ترتیب کا ہے سال یہ منقوط میں نفیس

ہیں شعر یا شعاعیں ہیں یہ آفتاب[عہ] کی
"دیوان مہر میں ہے ضیا ماہتاب[عہ] کی"

ذائق۔ سخنور لائق منشی ابراہیم ذائق بنگلوری تلمیذ حضرت فائق الشعرا یادگار حضرت فصاحت لکھنوی

اس کے سب اشعار رنگینی میں ہیں گلہائے خلد
وسعت فکر مصنف کا بیاں کیا کیجئے
سایہ پرورد جناب داغ ہیں افکار مہر
عیب بین و نکتہ چیں ہیں ہول کھا کر دم بخود
واہ رے حسن زباں۔ اللہ رے طرز بیاں
کیف آور ہیں مضامیں شعر ہیں ذوق آفریں
مہر جبتک ہے رہے زندہ نہ کیونکر نام مہر
ترجمان واردات قلب ہیں ایسے کہاں
عیسوی میں لکھوائے ذائق تم اسکا سال طبع

مہر کا دیوان ہے یا ہے خیابان سخن
ذرے ذرے میں نہاں ہے اک بیابان سخن
ان کا ہر اک شعر پھر کیونکر نہ ہو جان سخن
مہر کے ہاتوں میں ہے وہ تیغ بران سخن
یہ سخن آن سخن۔ ایسا سخن شان سخن
ہے بجا اسکو اگر کہئے خمستان سخن
ان کو قدرت سے ملا ہے آب حیوان سخن
خود سروش ان کا رہے ممنون فیضان سخن
"یہ شعاع مہر ہے یا ماہ تابان سخن" ۱۹

عہ ماہتاب و آفتاب سے دیوان ماہتاب داغ و دیوان آفتاب داغ مراد ہیں۔

شائق معنی طرازِ فائق حکیم منشی بشیر احمد شائق بنگلوری تلمیذ حضرت فائق الشعراء و حضرت لسان الاسرار علامہ آحسن لکھنوی

ہے صلائے عام اب اربابِ سوز و ساز کو ‏ | وقف اُن کے واسطے ہے گنجِ ساز و سوزِ مہر
کیا ہی روشن ہیں مضامیں مہر کے دیوان میں ‏ | اے جزاک اللہ فروغِ فکرِ جاں افروزِ مہر
ہر نکیلا شعر جب چُبھتا ہے دل میں بیطرح ‏ | پھر نہ کیوں اُسکو کہیں ہم ناوکِ دلدوزِ مہر
خوبیٔ مہر و وفا کا ہے بیاں جس شعر میں ‏ | اُس سے خود معشوق ہوتے ہیں طپش اندوزِ مہر
اِس سخن سے کتنے ہی ہیں توشہ گیرِ انتفاع ‏ | فن سکھانے والی ہے طرزِ سبق آموزِ مہر
جانشینانِ فصیح الملک سے ہیں آپ بھی ‏ | درخورِ نازش نہو کیوں طالعِ فیروزِ مہر
تم بھی اے شائق لکھو دیواں کی یہ تاریخ طبع ‏ | "ہے شعاعِ مہر یا ماہِ جہاں افروزِ مہر"

سلیم۔ شاعرِ بے نظیر۔ خوش تقریر۔ سخنورِ فہیم۔ جناب محمد اشرف الدین صاحب سلیم بنگلوری تلمیذِ حضرتِ جگر و حضرتِ دل یادگارِ حضرتِ امیر مینائی لکھنوی رح

اِک گلستاں ہے مہر کا دیواں، ‏ | گل ہیں اِس پھول باغ کے اچھے
ساری غزلیں کرشمہ سازِ سخن ‏ | سب تخیل دماغ کے اچھے
مہر کا رتبہ اُن سے برتر ہے ‏ | جو ہیں شاگرد داغ کے اچھے
لائے ہیں مہر عرش سے مضموں ‏ | ہیں طریقے سُراغ کے اچھے
داغ کے دل سے کہئے سال سلیم ‏ | "پھول گلزارِ داغ کے اچھے"

نعیم۔ طوطیٔ سرو ستانِ سخن۔ ناظمِ یگانہ۔ صاحبِ طبعِ سلیم جناب محمد خلیل صاحب نعیم بنگلوری

کرامت ہے یہ حضرتِ داغ کی ‏ | ہوا چھپ کے تیار دیوانِ مہر
نعیم ایک نکلا ہے سن طبع کا ‏ | "ہوا ہے ضیا بار دیوانِ مہر"

شمشیر سخنورِ خوش مقال۔ اے۔ کے محمد حسام الدین شمشیر بنگلوری تلمیذِ حضرت ذائق بنگلوری

"شعاعِ مہر" سے دونی نہ کیوں ہو شانِ ادب ‏ | کہ شعر روحِ ادب ہے غزل ہے جانِ ادب
"شعاعِ مہر" ہوا نور بار ہر جانب ‏ | وہ جگمگانے لگا دیکھیئے جہانِ ادب
کلام مہر کا کیا ہے۔ جنابِ مہر ہیں کیا ‏ | یہ باغبانِ ادب ہیں۔ وہ بوستانِ ادب
یہ وہ ادیب ہیں جنکی ادب نوازی پر ‏ | ہزار جان سے قرباں ہیں صاحبانِ ادب

ملا ہے دل سے یہ شمشیر اِسکے طبع کا سال
"شعاعِ مہر سے تاباں ہے کیا جہانِ ادب"

تمام شد

ضروری اطلاع

ہمارے کتبخانہ مطبع محمدی

مین جملہ اقسام کے قرآن مجید وحمایل شریف معرّی

ومترجم نہایت صحیح وخوشخط۔ اور ہر علم وفن کی عربی، فارسی، اُردو

وغیرہ کی تمام کتابین بفضلہ تعالیٰ کثرت سے موجود ہین جو بہت ہی

رعایتی نرخ سے فروخت ہوتی ہین۔ مدارسِ اسلامیہ و طالبانِ علم کے ساتھ

بالخصوص اور متفرق خریدارون کے لئے بالعموم نرخ مین خاص

اسکانی رعایت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ بیرونجات کے تاجرون کے ساتھ جو خاص

رعایت کیجاتی ہے اُسکا صحیح حال ایک مرتبہ مال منگانیسے بخوبی معلوم ہو سکتا

ہے۔ مقامی حضرات دُکان پر تشریف لاکر اس رعایت وکفایت سے

فائدہ حاصل کرین

ملنے کا پتہ

علی بھائی شرفعلی تاجرانِ کُتب ومالکانِ مطبع محمدی

بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۳